اُردو شعراء اور اقبال
مقالہ برائے ایم فل
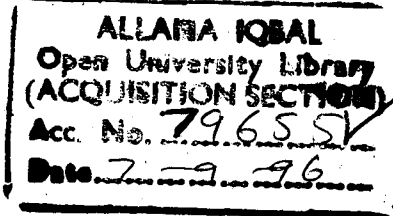
زیرِ نگرانی :
ڈاکٹر محمد ریاض
چیئرمین شعبہ اقبالیات
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

مقالہ نگار :
مسرّت پروین نیلم
اسسٹنٹ پروفیسر
ایم اے اُردو

شعبۂ اقبالیات علامہ اقبال یونیورسٹی ، اسلام آباد

فہرست

==================

نوٹ :- ہر موضوع کے اختتام پر اسکے حواشی دیئے گئے ہیں۔

مقـــدمه

******

اقبال فکر کا وہ سمندر ھے جسکی گہرائی مین آپ جسقدر اترتے جائین گے اسی قدر فکر کے نئے نئے جواھر آپکے دامن احساس میں بھرتے جائیں گے ، ذوق نظر نکھرتا جائیگا اور حقائق حیات کے نئے نئے پہلو آپ پر کھلتے چلے جائیں گے ۔ یہی سبب ھے که اقبال کے فکر و فن پر ایک زمانے سے لکھا جا رہا ھے اور ایک زمانے تک لکھا جاتا رھیگا ۔ حقیقت تو یه ھے که بیسویں صدی اول تا آخر اقبال کی صدی ھے ۔ اور یقین واثق ھے که اکیسویں صدی اقبال کے انقلابی خواب کی تکمیل و تعبیر کی صدی ثابت ھوگی ۔ اس لیے که ترجمان حقیقت اقبال کا پیغام اسلام کا پیغام ھے اور اسلام کی ابدیت مسلمه ھے ۔

اقبال نے انیسویں صدی کے اواخر میں جنم لیا ۔ یه زمانه تہذیبی ، فکری اور ثقافتی لحاظ سے دو تہذیبوں کے خلط ملط ھونے کا زمانه ھے مغربی اقوام اور خاص طـور پرانگریز اختیارات کے بل پر مشرقی اقدار پر ھرسمت سے حاوی ھونے کی شعوری کوشش میں مصروف ھے ۔ ادھر مشرق کا غلامانه طرز فکر انگریز حکمران کی ظاھری چکا چوند سے تیزی سے اثر قبول کر رھا ھے ۔ ایسے میں کچھ بہی خواھاں ملت اسلامیه اھل مشرق بالخصوص مسلمانوں کو اس تقلیدی روش سے باز رکھنے کی کوشش میں مصروف ھیں ۔ شعور کی منزل تک پہنچتے پہنچتے اقبال وقت کی ان پیچیدگیوں سے بخوبی آگاہ ھو جاتا ھے ۔ اور مقصد تعمیر لیکر میدان شاعری میں قدم رکھتا ھے اور اپنے پیر رومی کی زبان میں علم رابردل زنی یا رے بود (۱) کا مشورہ دیتے ھوئے اس گراں قدر رائے کا اظھـــار کرتا ھے ۔

علم ازسامان حفظ زندگی است — علم ازاسباب تقویم خودی است
علم و فن از پیش خیـزان حیات — علم و فن از خانه زادان حیات (۲)

اظہار و بیان میں اس دور اور اس سے ما قبل کے ادوار کے لسانی سانچوں پر بھی اقبال کی گہری نظر ھے ۔ اسکا پیغام خالصتا انسانی اور اسلامی نوعیت کا ھے ۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی بات مسلمانوں کی زبان (اردو ۔ فارسی) مین کرنا چاھتا ھے کیونکه وہ جانتا ھے که لسانی سانچے قوموں کی تعمیر و ترقی اور تنزل و ادبار کے ذمه دار ھوتے ھین ۔

بقول اقبـال

" میری تہذیب مرکب تہذیب ہے اس کی روح عربی ہے مگر اسکا لباس ترک و تاتار ، خوانسار اور اصفہان نے تیار کیا ہے ۔ مین جو اردو لکھتا ہوں وہ میری تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے اور میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا ۔ شان جلالت رعب و دبدبہ اسکے اوصاف خاص ہیں ۔ میں ہندی سے متاثر نہیں ہوں میرے الفاظ کا ذخیرہ عرب سے اور پھر سمر قند و بخارا سے ماخوذ ہے " (٣)

یہی وجہ ہے کہ اقبال کے طرز اظہار میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور فارسیت کا اثر بہت گہرا ہے ۔ بلکہ ایک مرحلے پر تو اقبال اپنے ١٨ جنوری ١٩١٥ کے خط میں یہ کہتے ملتے ہیں

فارسی کی طرف زیادہ میلان ہوتا جاتا ہے اور وجہ یہ کہ دل کا بخار اردو میں نکال نہیں سکتا " (٤)

دراصل فارسی زبان کو ذریعہ اظہار بنانے کا مقصد اپنے پیغام کو برصغیر کی حدود سے باہر اسلامی دنیا میں دور تک پہچانا مقصود تھا ۔ وقت کے ساتھ ساتھ فارسی سے اقبال کو ایسا شغف ہوا کہ فارسی میں انکی مسلسل کئی تخلیقات (اسرار و رموز ، زبور عجم ، پیام مشرق ، پس چہ باید کرد ، مسافر ، ارمغان حجاز فارسی حصہ) منظر پر آتی ہیں ۔ اقبال کے یہاں فارسی و عربی کا ذوق مولوی میر حسن نے پیدا کیا ۔ اور پھر اقبال کے دور پر بھی فارسی کے اثرات ابھی باقی تھے ۔ ہر چند کہ انگریز نے فارسی کو مسلمانوں کی زبان سمجھتے ہوئے فارسی کی دفتری زبان کی حیثیت ختم کر دی تھی اور مسلمانوں کی تسکین خاطر کیلیے جس میں درحقیقت انگریز کا سیاسی فائدہ تھا اردو زبان کی ترویج و ترقی میں بھر پور کوشش کی ۔ اس لیے لا شعوری طور پر بھی اقبال فارسی سے زیادہ قریب ہوتے چلے گئے ان کے اردو کلام مین فارسیت کے گہرے اثرات ملتے ہیں ۔ کہنے کا مقصد یہ کہ اقبال نے اظہار و بیان کیلیے لسانی سانچے بھی اپنے مخصوص مقصد اور اپنے پیغام سے دور رس نتائج حاصل کرنے کیلیے استعمال کیے ۔ اقبال کے بقول

" میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساس ملیّہ پیدا ہو جو قرون اولی کے مسلمانوں کا خاصہ تھا کیا عجب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری یہ کوشش پسند آ جائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہوجائے (٥)

اقبال کا یہ اندازفکر برصغیر کے مسلمانوں تک ھی محدود نہیں رھا بلکہ اسرار خودی کی اشاعت ۱۹۱۵ میں ھی اقبال کی یہ سوچ واضح تر انداز مین سامنے آ جاتی ھے ۔ کہ وہ اپنے پیغام کو ھندوستان سے باھر پہنچانا چاھتے ھیں ۔ جیسا کہ ای ۔ ایم فاسٹر نے نتیجہ نکالا ھے

If the poet feels religious Past Rather than Nationalist, if he sings not of a new India but of the glorious Past of his own community, than a nor antique and consecrated medium may attract him; if a Moslem he may turn to persian or even Arabic, if a Hindu to Sanskrit". (6).

ڈاکٹر نکلسن بھی انتجاب زبان کے سلسلہ مین اقبال سے متعلق یہی رائے قائم کرتے ھوئے یون اظہار خیال کرتے ھیں ۔

His Message is not for the Mohammadans of India alone but for Muslims every where; therefore he writes in persian instead of in Hindustani-, (7)

حقیقت یہی ھ کہ اقبال کا پیغام خالصتا ملت اسلامیہ کیلیے ھ اسی لیے اس نے لسانی سانچے بھی اردو اور فارسی کے اپنائے۔ اسکی تمام تر شاعری اسی اعلی وارفع فکری رجحان کی آئینہ دار ھے ۔ بقول اقبال

گوھر دریائے قران سفتہ ام
شرح رمز صبغۃ اللہ گفتہ ام (٨)

اقبال کا تمام تر فن (ART) اسی ایک مرکز کے گرد گھومتا ھے وہ فن کی مہمیز سے اصلاح ملت کا کام لینا چاھتا ھے جسکے لیے اس نے اپنی تمام تر وجدانی اور الہامی صلاحیتوں سے بھرپور کام لیا ۔ نتیجۃ اسکے یہاں یہ عالمگیر اور مقام انسانیت کی نفسیاتی حقیقتوں سے باخبر سوچ سامنے آتی ھے ۔

کہ من باشم مرا از من ، خبرکن
چہ معنی دارد ، اندر خود سفرکن (٩)

سفر اور تحرک پسندی اقبال کے نظریات کی بنیاد ھیں ۔ اسکے نتیجے ھی میں اسکا فلسفہ زمان ومکان وجود میں آتا ھے ۔ اقبال عالم فطرت اور عالم انسانی کو علم انسانی کا سرچشمہ تسلیم کرتا ھے (١٠) اور نظم حیات مین عالم فطرت اور عالم تاریخ کے تسلسل کا قائل ھے (١١)

اسی لئے اسکے یہاں ماضی ، حال اور مستقبل کی یکساں اهمیت هے اسکے فکر رسا کے مطابق جسد حیات میں اپنی تمام تر تنوع پسندیوں کے باوجود ایک هی رو دوڑ رهی هے جسے روح ادراک حیات کا نام دیا جا سکتا هے اسی لیے وہ مشورہ دیتا هے :

ضبط کن تاریخ را پائندہ شو
از نفس هائے رمیدہ زندہ شـــو
سرانداز ماضی تو حال تـــو
خیـــزواز حال تواستقبال تـــو (١٢)

اور یہ کہ

مشـــکن ارخـــواهی حیات لازوال
رشته ماضی نه استقبال و حـــال
موج ادراک تسلسل زندگی است
مے کشان را شود قلقل زندگی است (١٣)

همارا موضوع اردو شعراء اور اقبال ، شاعر مشرق کے انهی نظریات کی بازگشت ان معنی میں هے کہ مقالے کے شعراء تاریخی تسلسل کے ساتھ اقبال کی توجه اپنی طرف کھینچتے هیں ۔ کچھ اپنے فکر و فن سے محض اقبال کو متاثر کرتے هیں اور کچھ اقبال پر اثر انداز بھی هوتے هیں ۔

اقبال کا شعراء کو پرکھنے کا اپنا ایک پیمانہ هے جسے وہ اپنی نظم فنون لطیفه میں یوں بیان کرتا هے ۔

اے اهل نظر ذوق نظر خوب هے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

جس سے دل دریا متلاطم نهیں هـــوتا
اے قطرہ نیسان وہ صدف کیا وہ گہر کیا

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نهیں قومیں
جو ضرب کلیمی نهیں رکھتا وہ هنر کیا (١٤)

اقبال جانتا هے کہ کسی قوم کی روحانی صحت کا دارومدار اسکے شعراء اور آرٹسٹ

کی الہامی صلاحیت پر ھوتا ھے ۔ لیکن یہ ایسی چیز نہیں کہ جس پر کسی کو قابو حاصل ھو یہ ایک عطیہ ھے ۔

اقبال نے اسی پیمانے پر اپنے دور سے قبل اور ھمعصر شعراء کا جائزہ لیا ھے اقبال اقبال کی ارتقاء پسند انقلابی فطرت کو ھر وہ شخصیت متاثر کرتی ھے جس نے شعروادب کی دنیا میں انقلاب آفریں طرز و احساس اختیار کیا ھے اور زمانی تسلسل میں اسکی نظر قلی قطب شاہ پر جا ٹھہرتی ھے جسے اردو شاعری کا پہلا صاحب کلیات (۱۰۲۵ھ) شاعر سمجھا جاتا ھے (۱۶) جسکا تعلق سرزمین دکن سے ھے وہ دکن جیسے ٹیپو سلطان جیسے شیر دل اور دین اسلام کے پاسدار سپہ سالار اور حکمران میسر آیا ۔ دکن ھی سے متعلق دوسرا شاعر ولی دکنی ھے جسے اردو شاعری کا باوا آدم تسلیم کیا گیا ھے ۔ اور جس نے اپنی جودت طبع سے فارسی شاعری کے رموز و نکات اور فکر و خیال سے استفادہ کرتے ھوئے جنوبی و شمالی ھند میں باقاعدہ اردو شاعری کی بنیاد ڈالی ۔ اقبال نے کہا تھا

اے میان کیسہ ات نقد سخن
بر عیار زندگی اورا بزن (۱۷)

ولی کا کمال اس بات میں ھے کہ آپنی تمام تر صلاحیتوں کو بہ خلوص دل بروئے کار لا کر تمام تر نقد سخن کو عیار زندگی کے حوالے کر کے کلاسیک شعراء میں امر ھو گیا ۔

جنوبی ھند سے ھوتی ھوئی اقبال کی نگاہ انتخاب شمالی ھند تک پہنچتی ھے اور مرزا مظہر جانجانان ، میر تقی میر ، مرزا غالب اور مومن پر جا کر ٹھہر جاتی ھے ۔ مرزا مظہر جانجانان کا عالمیانہ ، صوفیانہ اور قلندرانہ انداز فکر اقبال کو متاثر کرتا ھے ۔ اور میر ، تقی میر کی پاکیزگی عشق سادہ پرکار اور دل میں کھب جانے والا طرز بیان اقبال کو اپنی طرف کھینچتا ھے اقبال کی خاموش نگاھی تسلیم کرتی ھے کہ میر حقیقتاً شہنشاہ غزل ھیں مومن کا ایک شعر اقبال کو بے حد پسند آتا ھے ۔ جبکہ مرزا غالب تمام تر زمانی فاصلوں کے باوجود ذھنی فکری اور روحانی اعتبار سے اقبال کا دمساز ھے ۔ جسکی فکر قدیم و جدید کے درمیان پل صراط کا کام دیتی ھے جو اقبال کی طرح ھر دور کے لے ناقابل تقلید ھے اور جس نے اپنے فکر و فن سے پہلی بار یہ احساس دلایا کہ وہ انسانی نفسیات ، انسانی شعور و لا شعور کی متضاد و مبہم کیفیات اور انسانی مزاج کے فلسفیانہ الجھاؤ سے کس قدر باخبر ھے ۔ اس نے اپنی شاعری اور اپنے خطوط میں حدیث دل کہنے کے باوجود انسانی معاملات و مسائل ھی کو غزل کے دلکش مگر باوقار پیرائے میں بیان کیا ھے ۔

اقبال مرقع چغتائی کے دیباچے میں فنکار کی اهمیت یوں بیان کرتے هیں :

" جو آرٹسٹ زندگی کا مقابلہ کرتا ہے وہ انسانیت کے
لیے باعث برکت ہے ۔ وہ تخلیق میں خدا کا همسر هے
اور اسکی روح میں زمانہ اور ابدیت کا پرتو منعکس هوتا هے (١٨)

غالب حقیقتا اسی پایہ کا شاعر ہے غزل کے اس انقلابی اور روائت شکن دور سے ایک قدم آگے همیں امیر مینائی ، داغ اور ظهیر دهلوی ملتے هیں امیر مینائی کی خالص جذباتی اور رومانی شاعری سے قطع نظر اقبال کو انکی صوفیانہ مزاجی نعتیہ وحمدیہ طرز اظہار ، اور عشق حقیقی کی نسبت سے دھیمی دھیمی سلگاهٹ اقبال کو پسند ہے اقبال کے دل میں امیر مینائی کی کتنی قدر و منزلت تھی اسکا اندازہ اس مادہ تاریخ سے لگایا جا سکتا ہے ۔ جو انکی وفات پر اقبال نے قران مجید کی سورة شعراء سے نکالا تھا یعنی " لسیان صدق فی الاخرین "، ظهیر دهلوی اقبال دور کے بزرگ شاعر تھے جنهین اقبال زبدہ عالم ، لکھتے هیں تاهم اس دور کے شعراء میں داغ کا طوطی بول رها تھا برصغیر میں دور و نزدیک داغ کو احترام و محبت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اقبال کو داغ کی شاگردی پر فخر تھا ۔ اقبال نے اس شاگردی کا حق داغ کے رنگ میں چند غزلین لکھ کر ادا کیا ۔

اقبال کی شاعری اور شعر پسندی کی ایک قابل قدر خوبی یہ ہے کہ انکے یہاں فکری نظریاتی ، احساساتی اور دبستانی اعتبار سے دلی یا لکھنؤ کی کوئی قید نہیں ہے ۔ انھوں نے پہلی بار دبستان دلی ولکھنؤ کی قیود سے آزاد هو کر اپنی ذهنی و احساساتی اپج کے مطابق شعر کہنے کا اعلان یہ کہ کر کیا :

اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
هم تو اسیر هین خم زلف کمال کے (١٩)

افلاطونس کہتا ہے کہ" انسان کی فنی تخلیقات میں حسن قلب سے آتا ہے " (٢٠)

اقبال بھی ابتداء هی سے اس نظریہ کے قائل نظر آتے هیں فن کے ضمن میں

" بیلوری نے تصور اور تخئیل کو جذب و انجذاب کی دو
ایسی موضوعی تخلیقی قوتیں تسلیم کیا ہے جس کے تعامل سے

فن میں " روح " پیدا ہوتی ہے ، اور یہی " روح " ہے
جو فن میں زندگی اور جمال و جلال کی تمام دلکشیاں اور
نظرافروزیاں پیدا کرتی ہے (۲۱)

کروساز کہتا ہے :

کوئی چیز اسی وقت خوبصورت ہو سکتی ہے جب اس کے عناصر
ترکیبی کے تخالف و تضاد ، تنوع یا بوقلمونی میں ہم آہنگی
یا وحدت پائی جائے اور وہ قلب کو تھکائے بغیر مسرور و متکیف
کر دے یا جب اس میں تناسب بطرز احسن پایا جائے ، جب
وہ اپنا ایک موضوع مقام رکھتی ہو (۲۲)

حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ تخلیق جو بے اختیار متاثر کرےحقیقی تخلیق ہے اس میں
دبستانوں کی قید نہیں ہونی چاہیے اگرچہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا
کہ ہر سرزمیں کا اپنا خاص جغرافیاتی ماحول اور خاص فضائی کیفیات ہوتی ہیں جو انسانی
فکر و احساس کی ساخت و پرداخت میں غیر محسوس طور پر نمایاں کردار ادا کرتی ہیں ـ
اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو روحانی اعتبار سے اقبال دہلوی رنگ و آہنگ سے متاثر
نظر آتے ہیں ـ مذکورہ شعراء اسکی نمایاں مثال ہیں ـ

اقبال کے زمانے میں مغرب کے زیر اثر شعروادب کی دنیا میں دو متوازی تحریکیں
نمایاں تھیں ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی تحریکیں اقبال شعوری اور لا شعوری
ہر دو حوالوں سے ادب برائے زندگی کی تحریک سے متاثر تھے اس لیے کہ وہ " ہئیت برائے ہیئت "
کے مقابلے میں فن برائے مقصد کو ترجیح دیتے ہیں ـ فن میں صورتیت کی انکے یہاں چنداں
اہمیت نہیں ہے انکے بقول :

نغمہ می باید جنون پروردہٴ
آتشی درخون دل حل کردہٴ
نغمہ گر معنی نہ دارد مردہ است
سوز او از آتش افسردہ است (۲۳)

یہ وہی خیال ہے جسے غالب نے یوں ادا کیا تھا :

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی (۲۴)

اس پس منظر میں جب ہم اقبال کی نگاہ انتخاب کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ مولانا حالی اکبر آلہ آبادی اور شبلی نعمانی پر جاکر ٹھہر جاتی ہے جنھوں نے اپنی تمام تر زندگی مقصد اور اصلاحی شعر وادب تخلیق کرنے مین گزار دی ۔ مولانا حالی کی مثنوی مدوجزر اسلام ، اکبر کی طنزیہ ومزاحیہ مگر سلگتی ہوئی کیفیات کی حامل شاعری اور مولانا شبلی نعمانی کی اصلاحی و واقعاتی نظمین اسکی نمایان مثالین ہیں ۔ نثر مین شبلی اور حالی کا کام اور بھی گرانقدر ہے ۔ اقبال کیلئے یہ شخصیات قابل احترام و عقیدت ہیں اور قابل تقلید بھی ۔ اقبال کی شاعری ان عظیم شخصیات کے نظام فکر اور مقاصد جلیلہ کی تکمیل سمجھی جا سکتی ہے ۔ ایم ۔ ایم شریف کہتے ہیں :

There are always some historical forces which prepare the ground for a change in the throught and life of men and Nations. (25)

سرسید احمد خان ، حالی ، اکبر الہ آبادی ، شبلی نعمانی ، مولانا محمد علی جوہر ، مولانا شوکت علی جوہر ، مولانا ظفر علی خان اور اقبال اسی دور کی ایسی ہی پر قوت شخصیات ہیں جنھوں نے انگریز سامراج کی انتقامی سیاست کے زیر اثر برصغیر کے زخم خوردہ ، افسردہ ، شکستہ خاطر اور مایوس انسانوں میں اپنی آزادی اور بقائے ملی کا شعور پیدا کیا ۔ اگرچہ اقبال علی برادران اور مولانا ظفرعلیخان کی بقائے ملت کیلیے جرأتمندانہ اور بیباکانہ کوششون سے بہت متاثر تھے خاص طور پر مولانا محمد علی جوہر کی قلندر صفتی بہت پسند تھی تاہم شعر وادب کی دنیا میں جس طرح اقبال نے حالی اکبر اور شبلی سے اثر قبول کیا کسی اور سے نہ کر سکے ۔

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی نے بھی انہی شعری خصوصیات یعنی بدیہہ گوئی ، کاریگری شگفتہ مزاجی اور دہلی ولکھنو کے امتزاجی لب و لہجے کے باوصف اقبال کو خاص متاثر کیا ۔ اور علامہ سید سلیمان ندوی تو اپنی دینی ، علمی ، فکری اور ملی خدمات کے سبب اقبال کیلیے" استاذ الکل " کا درجہ رکھتے ہیں جن سے اقبال کی عالمانہ

اور محققانہ نوعیت کی خط و کتابت انکے عظیم المرتبت جید عالم ہونے کا واضح ثبوت ہے
اقبال نے اپنے خطبۂ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر میں کہا تھا ۔

" In order to became a living member of the Muslim Community the individual besides are unconditional belief in the religious principle, must thoroughly assimilate the culture of Islam. The object of this assimilation is to create a uniform mental out look, a peculiar way of looking at the world, a certain definite stand point from which to judge the value of things which sharply defines our community and transforms it into a corporate individual, giving it a definite purpose and ideal of its own. (26)".

فرد اور جماعت کے ساتھ اقبال کا فن کاروں کو پرکھنے کا بھی یہی معیار ہے ۔ وہ شاعروں ادیبوں ، مصوروں ، نغمہ سنجوں سب سے انسانی اور ملی بقا کا کام لینا چاہتا ہے ۔ اسکی پختہ فکری نے ایسے ہی شعراء اور ادباء کا انتخاب کیا ہے اور انہی کو قابل تقلید جانا ہے ۔

یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ اقبال نظریہ خودی اور نظریہ عشق کا شاعر ہے اقبال کے یہ نظریات انسان کو ترغیب عمل دیتے ہیں ۔ مثبت انقلاب پسندانہ رویوں کو بیدار کرتے ہیں اور تجدید فکر میں معاون ثابت ہوتے ہیں ۔ اقبال جمود و سکوت کا شدید مخالف ہے کیونکہ سوچ کے ساکت رویئے قوموں کی رفتار ترقی کو بھی ساکت کر دیتے ہیں جبکہ حرکی قوتیں روز اول سے ہی نظام حیات کو مسلسل مائل بہ ارتقاء رکھے ہوئے ہیں ۔ اور اس ارتقاء کے راستے میں جب بھی شکستگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں وہ قوموں کی جامد سوچوں کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔ افلاطون شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور حافظ شیراز کے فکر و فلسفہ کے بھی وہ اسی سبب سے مخالف ہیں ۔ اقبال دنیا کے ہر بڑے فنکار سے قوت متحرکہ کی بیداری کی توقع رکھتے ہیں اس لیے کہ اقبال کو اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہے کہ کاروان وجود کبھی ٹھہر نہیں سکتا ۔ اسلیے کہ حیات کی ہر ادنی و اعلی اور چھوٹی و بڑی مخلوق " ہر اک شے سے پیدا رم زندگی

کی علامت ہے ۔ یہی وجہ ہے زبان و بیان ،فکر و نظر اور خیال و احساس میں تعمیری اور آفرین رنگ بھرنے والے شاعر اور فنکار اور فلسفی اقبال کو پسند ہیں ۔ اقبال خود اپنے بارے میں کہتے ہیں :

"میری زندگی میں کوئی غیر معمولی واقعہ
نہیں ہے جو اوروں کے لئے سبق آموز ہو سکے
ہاں خیالات کا تدریجی انقلاب البتہ سبق
آموز ہو سکتا ہے" (٢٧)

اس پس منظر میں بالخصوص داغ کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکے یہاں فکر کا کوئی ایسا انقلاب آفرین رویہ نہیں ملتا پھر بھی اقبال انکی استادی پر فخر کرتے ہیں ۔ تو اس ضمن میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ داغ کی شاگردی کا زمانہ اقبال کی بالکل نوعمری کا زمانہ ہے ۔ اور داغ پورے برصغیر کی شعری و ادبی دنیا پر چھایا ہوا ہے ۔ اقبال طفل مکتب ہے شعر کی دنیا کا ایک گریز پا سا شاعر جسکے یہاں نہ کوئی نظریہ ہے نہ انقلابی فکر کی چھاپ جسکے لئے اس دور کی روش کے پیش نظر داغ کا شاگرد کہلانا اور اصلاح شعر لینا قابل فخر اور باعث اعزاز ہے ، یہی وجہ ہے کہ ابتداء کے دور شاعری میں اقبال داغ کی تقلید کرتے ہیں مگر جیسے جیسے ذہنی ارتقاء کے سفر میں اپنی مخصوص فکری اور نظریاتی اساس کے قریب تر ہوئے جاتے ہیں ویسے ویسے انکا تقلید داغ کا رویہ ختم ہوتا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بانگ درا میں داغ کے رنگ کی چند ایک غزلیں ملتی ہیں

بہر حال اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنے ہم موضوع سے کہاں تک انصاف کر سکے ہیں ہم ادب و تحقیق کی دنیا کے طفل مکتب ہیں اس سبب سے لغزشیں اور کوتاہیاں سرزد ہوجانا یقینی امر ہے ۔ اگر یہ پہلا قدم حوصلہ افزاء ثابت ہوا تو یقیناً تحقیق و تنقید کے اگلے مرحلے میں قدم رکھنا نسبتا آسان ہو جائیگا ۔

****

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
.1	اقبال	کلیات اقبال اردو / بال جبریل	462	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	1990
.2	" "	اسرار رموز	17	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1973
.3	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مسائل اقبال	56		
.4	محمد عبد اللہ قریشی مرتب	مکاتیب [illegible] بنام گرامی	98	اقبال اکادمی کراچی	1969
.5	" "	" "	136	" " "	
.6	The secrets of the self (Asrar-i-Khudi)(essay) by E.M. Farster ______ " The swrod and the sceptre" collected and Edited by Dr. Riffat Hassan -------- Iqbal Academy Pakistan Lahore, - 1977				
	" " "				
.7	The secrets of the self (essay) "The sword and the sceptre" P-262.				
.8	اقبال	مثنوی پس چہ باید کرد	43	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1972
.9	اقبال	زبور عجم / گلشن راز جدید	163	" " "	
.10	علامہ اقبال / سید نزیر نیازی مرتب	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	194	بزم اقبال لاہور ـ	1983
.11	" "	" "	196	" "	1984
.12	اقبال	اسرار و رموز	148	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1972
.1	اقبال	ضرب کلیم		" "	
.15	محمد عبد اللہ قریشی مرتب	معاصرین اقبال کی نظر میں / دیباچہ مرقع چغتائی	6	مجلس ترقی ادب لاہور	1977
.16	ڈاکٹر سلیم اختر	اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	82	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور	1987

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
17.	اقبال	مثنوی اسرار و رموز	38		
18.	محمد عبداللہ قریشی مرتب	معاصرین اقبال کی نظر میں / دیباچہ مرقع چغتائی	8		
19.	" "	حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں	75	بزم اقبال لاھور	1982
20.	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	اقبال اور جمالیات	212	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	1981
21.	" "	" " "	216		
22.	" "	" " "	216		
23.	اقبال	زبور عجم	184-185	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1984
24.	غالب	دیوان غالب	220	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی	
25.	Iqbal's theory of Beauty (essay) by M.M. Sharif " studies in Iqbal thought and Art" by M. Saeed Sheikh P-442. Bazm-i-Iqbal Lahore, 1972				
26.	اقبال / ڈاکٹر سلیم اختر مرتب	ملت بیضا پر ایکعمرانی نظر / اقبال شناسی اور فنون	66	بزم اقبال ـ لاھور	1988
27.	لطیف احمد خان شیروانی	حرف اقبال	132	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی	1984

****

پہلا باب — اقبال کا علمی و شعری پس منظر

علامہ اقبال ۹ نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ آپکی تاریخ پیدائش ایک طویل عرصے تک متنازہ مسئلہ رہی تاہم حکومت کی طرف سے مرکزی تاریخ ولادت کمیٹی کی تحقیقی کاوشوں اور دیگر محققین کی تحقیقات کے مطابق ۳ ذلیقعد ۱۲۹۴ ھ بمطابق ۹ نومبر 1877 ھی کو صحیح تاریخ ولادت قرار دیا گیا ۔ اسی تاریخ ولادت کے مطابق 1977ء کے سال مین ھندوستان اور پاکستان میں بیک وقت اقبال کا صد سالہ جشن پیدائش منا کر اس عظیم شاعر کو خراج تحسین پیش کیا گیا ۔

علامہ اقبال موجودہ صدی کے وہ عظیم شاعر ھیں جنھیں اسلام سے نسبت روحانی تھی، فلسفے کی عقلیت پسندی سے خاص لگاوتھا، اور فارسی زبان کا لچاؤ انکے شعور و لاشعور کا جزو لازم تھا ۔ علامہ نے اپنی تعلیم کے ابتدائی مدارج سیالکوٹ ھی میں طے کے ۔ اقبال کی خوش قسمتی تھی کہ ابتدائی طالبعلمی کے زمانے ھی میں انھین میر حسن (۱۸٤٤—۱۹۲۹) جیسے روشن فکر اور مصالح دین و دنیا پر نظر رکھنے والے صاحب علم استاد میسر آ گئے ۔ سید میر حسن کے بارےمین زندہ دور کے مصنف لکھتے ھیں

> وہ نہ صرف علوم اسلامی اور عرفان و تصوف سے اگاہ تھے بلکہ علوم جدیدہ ،ادبیات ،لسانیات اور ریاضیات کے بھی ماھر تھے ۔ انکے پڑھانے کا انداز ایسا تھا کہ اپنے شاگردون میں اردو ،فارسی اور عربی کا صحیح لسانی ذوق پیدا کردیتے" (۱)

اقبال کے یہان فارسی کا اعلی ذوق سید صاحب ھی کا مرھون منت ھے ۔ پھر مرزا اورغالب جیسے فارسی گواساتذہ کے فکر و فن کا مطالعہ انکے فارسی ذوق کی تربیت میں معاون ثابت ھوا ۔ اقبال کے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالے "ایران مین فلسفہ ما بعد الطبیعات کا ارتقاء" نے بھی فارسي زبان و بیان کے رموز و نکات اور انسانیت کو براہ راست سمجھنے اور غور و خوص کرنےکا اھم موقع فراھم کیا ۔ اور یوں اقبال کے یھاں فارسی زبان و بیان سے لگاو نے فطری ضرورت کی صورت اختیار کر لی اس پر مولانا گرامی جیسے فارسی کا عمدہ ذوق رکھنے والے شاعر سے اقبال کی دوستی اور سید سلیمان ندوی جیسے استاد فارسي سے گہرے قلمي روابط نے اقبال کے فارسي ذوق کو نکھارنےاور سنوارنے میں اھم کردار ادا کیا ۔

جہاں تک علامہ اقبال کی عمومی ابتدائی تعلیم کا معاملہ ہےانھوں نے ١٨٩١ میں مڈل کا امتحان پاس کیا ۔١٨٩٣ میں میٹرک کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن لیکر کامیابی حاصل کی ۔ اور پھر ١٨٩٥ میں اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا ۔ کیونکہ اسکاچ مشن کالج میں ابھی بی ۔ اے کی کلاسیں شروع نہیں ہوئی تھیں ۔ اسلئے اقبال کو مزید تعلیم کیلئے لاہور کی ادبی و علمی فضاؤں کا رخ کرنا پڑا ۔ اقبال کی علمی ، فنی اور فکری زندگی کا یہی وہ اہم موڑ ہے جس نے اقبال کو شاعر انسانیت اور مفکر اسلام بنانے میں اہم کردار ادا کیا ۔

تعلیمی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے علامہ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ١٨٩٧ میں بی ۔ اے عربی و انگریزی میں امتیازی حیثیت کے ساتھ پاس کیا اور فلسفہ کی طرف طبعی رجحان رکھنے کے سبب ایم ۔ اے فلسفے مین داخلہ لے لیا ۔ یہاں اقبال کو پروفیسر آرنلڈ جیسے جوہر شناس استاد مل گئے ۔ جن کی مشفقانہ رہبری نے اقبال کے ذوق تحصیل فلسفہ کو چمکا دیا ۔

یہان ذرا ٹھہر کر جب ہم اقبال کے پسندیدہ علمی مضامین کا جائزہ لیتے ہیں تو زبان وبیان کے حوالے سے فارسی ، عربی اور انگریزی اور فکری رویوں کے حوال سے فلسفہ ، اقبال کے خاص مضامین نظر آتے ہیں ۔ گویا اقبال کےمزاج کی فکری ولسانی سمت کا تعین تھلیم کے ابتدائی رسمی دور میں ہی ہوگیا تھا انھی بنیادون پر اقبال نے آگے چل کر اپنے فکری ولسانی اظہار کی عمارت اٹھائی ۔ اقبال کو قانون سے بھی خاص لگاو تھا ۔ جسکا اظہار انھوں نے ١٨٩٨ مین لاہور لاٴ سکول میں داخلہ لے کر کیا ۔ یہ الگ بات کہ قانون کی تعلیم کی تکمیل لندن مین ہوئی ۔ قانون سے شغف خاص رکھنے کی وجہ سے اقبال کا مزاج تحقیقی اورتجزیاتی انداز اختیار کرگیا تھا ۔ وہ مضامین حیات کو انکے تاریخی وزمانی تسلسل کے ساتھ جزجزکرکے دیکھنے کے عادی ہوگئے تھے ۔ خیال و فکر کے یہی تحقیقی زاویئے اقبال کے ذہنی ارتقاٴ مین اہم معاون ثابت ہوئے ۔

اقبال نے ١٨٩٩ مین ایم اے فلسفہ کا امتحان پنجاب بھر مین اوّل پوزیشن کے ساتھ پاس کیا اور نقرئی تمغہ کے حقدار قرارپائے ۔ اقبال کے ایم اے فلسفہ کی تدریس اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ پروفیسر آرنلڈ جیسے فلسفی و محقق اقبال کے استاذ تھے جو علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف تھے (٢)

اور جنھوں نے اپنی بھرپور علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اقبال کے ذوق تحقیق کو خوب نکھارا اور یہ رائے قائم کی جو اقبالیات کے قارئین کیلئے قابل توجہ ہے کہ " ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے " (۳)

تلاش وتحقیق کے اس تعلیمی سفر میں اقبال کی شعری و فنی صلاحیتیں بھی منظر عام پر آنا شروع ہو جاتی ہیں شیخ عبد القادر کا یہ کہنا کہ :

"ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے ۔ ۱۹۰۱ سے غالبا دو تین سال پہلے میں نے انہیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مشاعرے میں دیکھا " (٤)

شیخ عبد القادر کے اس بیان سے ۱۸۹۸ء کا کوئی مشاعرہ ذہن میں آتا ہے ۔ کہ انھوں نے دو تین سال پہلے کی بات کی ہے ۔ لیکن رسالہ شور محشر لاہور دسمبر ۱۸۹٦ء کے مطابق اقبال نے مجلس مشاعرہ میں پہلی بار اپنی وہ غزل پڑھی تھی جس کے مقطع میں داغ کی شاگردی پر فخر کا اظہار کیا گیا ہے ۔ مقطع ملاحظہ ہو :

نسیم وتشنہ ہی اقبال کچھ نازاں نہیں اس پر
مجھے بھی فخر ہے شاگردئ داغ سخن داں کا (۵)

باقیات اقبال میں بھی مذکورہ غزل کا متن اشاعت (مشاعرہ لاہور کے ماہوار رسالے شور محشر لاہور کے حوالے سے) دسمبر ۱۸۹٦ء ہی درج ہے ۔ عبد اللہ قریشی بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں ۔ جبکہ لاہور کے مشاعروں میں شرکت کے حوالے سے حکیم احمد شجاع لکھتے ہیں :

" نومبر ۱۷۸۵ء کی ایک شام انکے چند ہم جماعت انہیں کھینچ کر حکیم امین الدین کے مکان پر اس مجلس مشاعرہ میں لے گئے مشاعرے میں ارشد گورگانی بھی موجود تھے " (٦)

اس مشاعرے میں اقبال نے جو مشہور غزل پڑھی اسکے دو مشہور شعر یہ ہیں :

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

اقبال لکھنو سے نہ دلی سے ہے فرض
هم تو اسیر هین خم زلف کمال کے (۷)

شیخ عبد القادر مرحوم کا اشارہ بھی غالباً اسی مشاعرے کی طرف ہے کیونکہ انھوں نےبھی بانگ درا کے دیباچے مین " چند همجماعت کھینچ کرلےآئے کا جملہ لکھا ہے ۔ تاهم رسالہ " شور محشر ، باقیات اقبال ، اور حیات اقبال کی گمشدہ کڑیان ، کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ غزل دسمبر ۱۸۹۶ء کے بعد منعقدہ کسی مشاعرہ مین پڑھی گئی ۔ بقول محمد عبد اللہ قریشی :

" اس غزل کے مقطع میں اقبال نے میر و مرزا کی چپقلش اور دلی و لکھنؤ سکول کے جھگڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا مسلک بڑی خوبی سے واضح کیا ہے ۔ . . . . . . اس غزل کے بعض اشعار پر مرزا ارشد گورگانی پھڑک اٹھے تھے " (۸) ۔

بهر حال یہ مسلم ہے کہ اقبال نےلاهور کے مشاعرون میں شرکت کے ابتدائی مرحلوں میں هی اپنے فنی و فکری مستقبل کی ایک روشن جھلک اس دور کے مشهور شعراء کو دکھلا دی تھی ۔

لاهور کے مشاعروں مین اقبال کی شرکت ، نسیم و تشنہ کا تذکرہ ، شاگردی داغ پر فخر اور دلی و لکھنؤ کی فکری حد بندیوں اور بے جا تفاخر کو خاطر میں نہ لانے کا پائیدار احساس سے اس حقیقت کی طرف واضح اشارے ملتے هین کہ اقبال کی شاعری کا سفر بہت پہلے سے شروع هوچکا تھا اور یہ کہ اقبال کے شعری سفر کا وہ دور ہے جب اقبال سیالکوٹ سے لاهور کی علمی فضاؤں کی طرف منتقل هو چکےتھے ۔

جب هم اس شعری سفر کےبالکل آغاز کی طرف دیکھتے هیں تو اقبال سیالکوٹ هی میں اسکول کے زمانے میں شعر کہتے ملتے هیں ۔ اسکا ایک ثبوت زبان دهلی نومبر ۱۸۹۳ء میں اقبال کی پہلی شائع شدہ غزل سے ملتا ہے ۔ اس غزل کا مطلع اور مقطع دیکھئے ۔

کیا مزہ بلبل کوآیا شیوہ بیداد کا
ڈھونڈتی پھرتی ہے اڑ اڑ کر جوگھر صیاد کا
بھول جاتے هیں مجھےسب یار کے جوروستم
میں تو دیوانہ هوں اےاقبال تیری یاد کا (۹)

زبان دهلی فروری ۱۸۹٤ء میں جوغزلیں چھپین انکے ایک دو اشعار یہ ھیں :

رحم آتا ھے ھمیں قیس کی عریانی پر
دھجیان دامن صحرا کی اڑا دیتے ھیں

گر ھم پہ کبھی ھوتا ھے خفا جو وہ بت اقبال
حضرت داغ کے اشعـــار سنا دیتے ھین (۱۰)

اور یہ شعـــر

ھو نہ جائے پردۂ انوار حق تیرا نقاب
تو نےگر اسکو اٹھا کر روز محشر رکھ دیا (۱۱)

بالکل ابتدائی دور کی مذکورہ غزلوں کے مطالعہ سے ایک تو اقبالی لہجے کی بلند آھنگی کا سراغ ملتا ھے جو بعد میں نکھر کر اقبال کی پہچان بن گیا ، دوسرےاس حقیقت کی طرف واضح اشارہ ملتا ھے کہ اقبال ۱۸۹٤ء سے پہلے ھی مرزا داغ دھلوی (۱۸۳۱ء تا ۱۹۰۵ء) کی شاگردی قبول کر چکے تھے ۔ پروفیسر حمید احمد خان زبان دھلی کے نومبر ۱۸۹۳ کے شمارہ کا حوالہ دیتے ھوئے کہتے ھیں کہ اس میں اقبال کی تلمیذ بلبل ھند حضرت داغ دھلوی، لکھا گیا ھے (۱۲) محمد دین فوق (۱۳) اور سری رام (۱٤) بھی اس پر متفق ھین کہ اقبال نےمیٹرک کےبعد ھی یعنی ۱۸۹۳ کے وسط مین داغ سے بذریعہ خط وکتابت تلمذ حاصل کیا ۔ شیخ عبد القادر بانگ درا کے دیباچے میں اقبال کے تلمیذ داغ ھونےکے بارہ مین لکھتے ھیں :

" شعرائے اردو میں ان دنون نواب مرزا خان صاحب داغ دھلوی کا بہت شہرہ تھا ..... سینکڑون آدمی ان سےغائبانہ تلمذ رکھتے تھے ..... شیخ محمد اقبال نے بھی انھیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کیلئے بھیجیں ۔ اس طرح اقبال کو اردو زباندانی کیلئے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ھوئی جو اپنےوقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا " (۱۵)

اسی سبب اقبال کی ابتدائی دور کی غزلوں میں داغ کے اثرات واضح طور پر ملتے ھیں ۔ خاص طور پر باقیات اقبال ،میں ، اقبال کا جو غیر مطبوعہ کلام اکھٹا کیا گیا ھے ان سے

اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے ۔

سیالکوٹ سے لاہور منتقل ہو جانے کے بعد جہاں اقبال مختلف طرحی مشاعروں میں غزلیں کہتے ملتے ہیں وہیں انکی نظمیں بھی منظر عام پر آنے لگتی ہیں ۔ اقبال نے ۱۸۹۶ء میں انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے ایک اجلاس میں فلاح قوم کے عنوان سے ایک نظم پڑھی جو مارچ ۱۹۰۹ کے کشمیری میگزین میں شائع ہوئی ۔ محمد عبد اللہ قریشی نے بھی اس کو پہلی نظم قرار دیا ہے (۱۶) ۔

اسی زمانہ میں انجمن حمایت اسلام سے وابستگی کے سبب اقبال کی ملّی یا عوامی شاعری کی ابتداء بھی ہوئی ۔ اقبال ۱۲ نومبر ۱۸۹۹ کو انجمن کی مجلس منتظمہ کے رکن منتخب کیے گئے ۔ اور یوں ان کے انجمن کے ساتھ تعلقات کی ابتداء ہوئی (۱۷) ۔

انجمن حمایت اسلام لاہور کا قیام ۱۸۸۴ مین عمل میں آیا جسکا بنیادی مقصد مسلمانون کی تعلیم و تربیت کے لئے سکول و کالج کھولنا، جدید و قدیم علوم کو فروغ دینا اور اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت تھا ۔ علامہ اقبال نے اس تعمیری مقاصد کی حامل انجمن کے جلسون میں گہرے ملّی شعور کی حامل یادگار اور لافانی نظمیں پڑھیں ۔ ۲۴ فروری ۱۹۰۰ء کو انجمن کے پندرھویں سالانہ اجلاس میں نالہ یتیم پڑھی جسکے بارے میں اجلاس کے صدر شمس العلماء مولانا نذیر احمد (۱۸۳۱ تا ۱۹۱۲) نے فرمایا :

" میں نے دبیر اور انیس کی بہت سی نظمین سنی ہیں مگر واقعی ایسی دلخراش نظم کبھی نہیں سنی " (۱۸) ۔

نظم " خدا حافظ " ۵ مئی ۱۹۰۰ ، پیسہ اخبار لاہور کے مالک منشی محبوب عالم کے یورپ روانہ ہونے کی موقعہ پر پڑھی (۱۹) ماہ ستمبر ۱۹۰۱ کے کشمیری گزٹ میں اقبال کی کچھ رباعیات بھی پڑھنے کی ملتی ہیں (۲۰) پھر انجمن کے سولھویں اجلاس منعقدہ ۱۹۰۱ میں " یتیم کا خطاب ھلال عید سے ، پڑھی (۲۱) ملکہ وکٹوریہ کی وفات ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ کے موقع کی مناسبت سے اشکِ خون کے عنوان سے انکا مرثیہ " مطبع خادم التعلیم " مین کتابچے کی صورت میں چھاپ کر تقسیم کیا گیا ۔ (۲۲) پنجئہ فولاد " ۱۹۰۱ میں لکھی ۔

انجمن حمایت اسلام ، کے سترھویں سالانہ جلسے میں جو ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ فروری

۱۹۰۲ کو اسلامیہ کالج میں منعقد ہوا ، اقبال نے علی الترتیب ،خیر مقدم " ، " دین ودنیا " ،اور اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے ، کے عنوان سے تین نظمیں پڑھ کر سنائیں — ۲۳ فروری ۱۹۰۲ کو پڑھی جانے والی اس آخری نظم کی مطبوعہ کاپیاں دس دس روپے مین فروخت ہوئیں (۲۳) ۱۹۰۲ ؁ ھی میں اقبال کی مشہور نظمیں خفتگاں خاک سے استفسار ، شمع وپروانہ ، صدائے درد ، ایک آرزو اور آفتاب ، مخزن کے مختلف شمارون میں شائع ھوئیں (۲٤) —

اقبال کی نظم آفتاب ، شذرہ تمھیدی کے ساتھ مخزن میں چھپی تھی — جسکے مطالعہ سے اقبال کے لسانیاتی شعور کی طرف واضح اشارے ملتے ھین یہ نظم رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ھے جسکا سنسکرت میں عنوان " سوتر " ھے اقبال کے بقول :

" اردو لفظ نہ مل سکنے کے باعث ھم نے لفظ آفتاب ،رکھا ھے
اصل مین اس لفظ سے مراد اس آفتاب کی ھے جو فوق المحسوسات
ھے اور جس سے یہ مادی آفتاب کسب ضیاء کرتا ھے " (۲۵)

اقبال کے یہاں نظم آفتاب " ھی کے مفھوم کی حامل ایک اور نظم خطاب بہ مہر عالمتاب " کے عنوان سے انکی مشہور مثنوی " پس چہ باید کرد " مین موجود ھے " جس میں اقبال مہر عالمتاب سے خطاب کرتے ھوئے اپنا مقصد حیات اور نظریہ فکر و فن یون بیان کرتے ھین

تا بروز آدم شب افطار شرق — برفروزم سینئہ احرار شرق
از نوائے پختہ سازم خام را — گردش دیگر وھم ایام را
فکر شرق آزاد گرد و از فرنگ — از سرور من ھگیرد آب و رنگ
زندگی از گرمی ذکراست و بس — حرمت از عفت فکراست و بس (۲۶)

اور پھر یہ نتیجہ نکالتے ھیں کہ :

پس نخستین بایدش تطہیر مگر — بعد ازان آسان سود تعمیر مکیر (۲۷)

اقبال نظم آفتاب کے لسانیاتی معاملات پر اظہار خیال کرتے ھوئے لکھتے ھیں :

" مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کئے گئے ھین لیکن
حق یہ ھے کہ زباں سنسکرت کی نحوی پیچیدگیون کی وجہ سے السنہ

حال میں وضاحت کے ساتھ اسکا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ھے" (۲۸)

آگے چل کر ترجمے کی مشکلات کا بیاں کرتے ھوئے اپنے لسانی شعور کا اظہار یوں کرتے ھیں :

" ترجمے کی مشکلات سے ھر شخص واقف ھے لیکن اس خاص
صورت مین دقت اور بھی بڑھ گئی ھے کیونکہ اصل آواز کی
موسیقیت اور طمانیت آمیز اثر جو ان کے پڑھنے سے دل پر
ھوتا ھے اردو زبان مین منتقل نہیں ھو سکتا " (۲۹)

گاتیری کے مصنف نے ملک الشعراء ٹینی سن کی طرح اپنے اشعار
مین ایسے الفاظ استعمال کیے ھین جن میں حروف علّت اور صحیح
کی قدرتی ترتیب سے ایک ایسی لطیف موسیقیت پیدا ھو جاتی ھے ۔
جسکا غیر زبان میں منتقل کرنا نا ممکنات میں سے ھے اس مجبوری
کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمے کی بنیاد اس سوکت (گفتار زیبا) پر
رکھی ھے جس کو سوریا نرائن اپنشد میں گاتیری مذکور کی
شرح کے طور پر لکھا گیا ھے ۔ مگر مجھے اندیشہ ھے سنسکرت دان
اصحاب اس پر وھی رائے قائم کریں گے جو چیپ میں نے پوپ کا
ترجمہ ھومر پڑھ کر قائم کی تھی ۔ یعنی شعر تو خاصے میں لیکن
یہ گاتیری نہیں ھے " (۳۰)

نظم سے متعلق علامہ اقبال نے فکر و خیال ، محسوسات ، تاثرات اور لفظی موسیقیت کا تذکرہ جس گہرائی وگیرائی کے ساتھ کیا ھے اس سے معلوم ھوتا ھے کہ شعری اظہار کی ابتدائی منازل مین ھی انہیں الفاظ ، معنی اور مفہوم کا گہرا ادراک حاصل تھا اور لفظ کی معنوی احساساتی اور تاثراتی قیمت کو وہ بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے یہی وہ لسانی شعور ھے جس نے آگے چل کر اقبال کو زبان و بیان کے وسیع تر پیمانے عطا کیے ۔

" سید کی لوح تربت ، عشق اور موت اور فریاد امت ، یہ وہ مشہور نظمین ھیں جو ۱۹۰۳ میں سامنے آئی ھین ۔ فریاد اُمت ، انجمن کے اٹھارھوین سالانہ اجلاس میں پڑھی گئی ۔ یہ نظم " ابر گہر بار " کے عنوان سے لکھی گئی تھی ۔ مگر فریاد اُمت ، کے نام سے ۱۹۱۳ میں علامہ اقبال کی اجازت سے چھاپ دی گئی ۔

انجمن کے ۱۹۰٤ کے اجلاس میں نظم" تصویر درد " پڑھی گئی اس موقع پر دیگر شخصیات کے علاوہ مولانا حالی ،ارشد گورگانی ، محمد شفیع ایڈووکیٹ ، شیخ عبد القادر فضل حسین ،مولانا ابوالکلام آزاد اور خواجہ حسن نظامی موجود تھے اس نظم کے ایک شعر سے مولانا حالی اتنے متاثر ھوئے کہ بے اختیار دس روپے کا نوٹ پیش کیا جو انجمن کے چندے میں جمع کر دیا گیا ـ دس روپے کی رقم اُس زمانے میں خاصی بڑی رقم تھی ـ

یکم ستمر ۱۹۰۵ سے اقبال اعلی تعلیم کیلئے لندن کی جانب سفر کا آغاز کرتے ھیں اس سفر کی پہلی منزل لاھور سے دھلی تھی ـ جہان اقبال ۲ ستمبر ۱۹۰۵ کو پہنچے اس موقع پر اقبال نے حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کے سرھانے بیٹھ کر اپنی نظم "التجائے مسافر " پڑھی اور یہ غالبا اقبال کی آخری نظم تھی جو انھوں نے لندن روانگی سے قبل لکھی ـ

شیخ عبد القادر نے دیباچہ بانگ درا میں اقبال کی شاعری کو تین ادوار مین تقسیم کیا ھے انکی تقسیم کے مطابق ۱۹۰۵ ء تک کا دور یہاں آکر ختم ھو جاتا ھے ـ

اس مقام پر ذرا توقف کرکے جب ھم علامہ اقبال کے اسلوب بیاں اور انکے فکری و فنی احساسات کا جائزہ لیتے ھیں تو ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم کے ان خیالات کی تائید کرنی پڑتی ھے :

" اس دور مشق و تقلید میں بھی اس اقبال کی جھلکیان دکھائی دیتی ھیں جس کا آفتاب کمال بہت جلد افق سے اُبھرنے والا تھا اس دور کی شاعری کو اقبال کی شاعری کی صحیح کاذب کہنا چاھیے جس کی روشنی طلوع آفتاب کا پیش خیمہ ھوتی ھے " (۳۱)

شیخ عبد القادر کے مطابق دوسرا دور ۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک پر محیط ھے یہ اقبال کا قیام لندن کا زمانہ ھے ـ اور تیسرا دور ۱۹۰۸ سے ۱۹۲٤ یعنی بانگ درا کی اشاعت تک کا زمانہ ھے ـ اقبال کی تمام تر شاھکار تخلیقات اس تیسرے دور کی یادگار ھیں ـ

شعری مشق وتقلید کے ابتدائی زمانے میں جبکہ اقبال گورنمنٹ کالج لاھور سے

وابستہ تھے انکی کچھ بڑی تصنیفات بھی سامنے آتی ھیں ۔ مثلا معاشیات کے موضوع پر اقبال کی پہلی کتاب علم الاقتصاد کے نام سے ۱۹۰٤ مین شائع ھوئی (۳۲) ۔

یہ کتاب کارخانہ پیسہ اخبار لاھور سے دو سو سولہ صفحوں میں شائع ھوئی تھی (۳۳) ۔ اقبال اس کتاب کے بارےمیں مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتےھین کہ " علم الاقتصاد پر اردو میں سب سے پہلی مستند کتاب میں نے لکھی ھے (۳٤) علم الاقتصاد کے دیباچے سے پتہ چلتا ھے کہ اقبال نے یہ کتاب پروفیسر آرنلڈ کی تحریک پر لکھی تھی اور علامہ شبلی نے اس کی زبان کے بارےمین اصلاحی مشورے دئے تھے ۔ (۳۵)

" انتخاب نکات بیدل ،اقبال نےجدید بی ۔ اےکورس فارسی کیلئے ترتیب دی تھی جو ۱۹۲۲ مین لاھور سے طبع ھوئی (۳٦) ۔

" تاریخ ِ ھند "، لالہ رام پرشاد پروفیسر تاریخ گورنمنٹ کالج لاھور کےاشتراک سے مرتب کی اور پہلی بار ۱۹۱۳ مین منشی گلاب سنگھاینڈ سنزنےلاھور سے شائع کی (۳۷) یہ الگ بات کہ اس کتاب کے مندرجات اقبال کے فکر و خیال سے مطابقت نہیں رکھتے بھر حال یہ اس دور کی بات ھے جب فکر اقبال ابھی زیر تعمیر تھی ۔

• آئینہ عجم ،فارسی نظم و نثر کے منتخبات پر مبنی ھے اقبال نے اسے میٹروکولیشن کے طلبہ کیلئے مرتب کیا تھا یہ ۱۹۲۷ مین لاھور سےشائع ھوئی (۳۸) ۔

" اردو کورس کی کئی کتابیں (پانچوین ،چھٹی ، ساتوین اور آٹھوین جماعت کیلئے) حکیم احمد شجاع کے تعاون سے ترتیب دی گئین اور گلاب چندکپور اینڈ سنز کے زیر اھتمام لاھور سے ۱۹۲٤ اور ۱۹۳۰ میں شائع ھوئین (۳۹) ۔

ان کتابون کی اھمیت اس بات مین ھے کہ تعلیم و تدریس سے متعلق اقبال کے نظام فکر کا اندازہ ھوتا ھے اور پتہ چلتا ھے کہ علم کی لگن اور تحقیق و تجسس اقبال کی شخصیت اور شناخت کا جزو لازم تھین اور اسکے آثار آغاز فکر و فن ھی سے اقبال کے یہاں نظر آنے لگے تھے ۔

اقبال کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں علمی ، فکری اور فنی سفر کے آغاز ھی میں ایسے ایسے علم و تحقیق کے متوالے میسر آگئے کہ انکی عظیم شخصیت کی تعمیر کی پہلی اینٹ ھی درست رکھی گئی ۔ تربیت کی بالکل ابتدائی منزل مین شریعت و طریقیت کے حامل صوفیانہ

اور درویشانہ مزاج رکھنے والے اقبال کے والد بزرگوار جنکا سینہ عشق رسالت سے سرشار تھا اور توحید پرستی و توکل وغنا جنکی سرشت مین شامل تھا اور جن کی یہ گرانقدر نصیحت کہ :

" بیٹا جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم پر ھی
اترا ھے یعنی اللہ خود تم سے ھمکلام ھے (۴۰) ۔

آخری دم تک اقبال کی روح میں تحلیل ھوکر انکے ذھن ودل کو فکری وروحانی ارتقا کا سامان فراھم کرتی رھی ۔ اقبال نے اپنے والد کی اس نصیحت کو اس شعر کے قالب میں ڈھال کر ھمیشہ کے لئے امر کردیا :

" تیرےضمیر پہ جب تک نہ ھو نزول قرآن
گرہ کشا ھے نہ رازی نہ صاحب کشاف (۴۱)

شیخ نور محمد کے بعد شمس العلماء مولوی میرحسن دوسری اھم شخصیت ھین جنھوں نے روحانی وفکری ارتقاء کے اس سفر میں دینی ،لسانی اور علمی تحقیق وتلاش کے دروازے بھی کھول دئے ۔ ان سے ایک قدم آگے پروفیسر آرنلڈ کے فلسفہ وفکر کے جدید رنگ شامل کرکے اقبال کی تحقیقی صلاحیتون کو قدیم سے جدید کی طرف مہمیز لگائی اور اقبال کے تحقیق پسند مزاج میں فلسفہ کی گہری تشنگی بھی شامل کردی ۔

اقبالی فکر و خیال کا یہی وہ اھم موڑ ھے جس نے اقبال کےیہان منطقی بنیادوں پر مذھب ،فلسفہ اور تصوف میں ھم آھنگی تلاش کرنےکے انداز فکر کو وجود دیا ۔ جسکےسبب آنے والے زمانے مین اسے شاعر ، فلسفی ،حکیم الامت ،شاعر الاسلام اور اسلامی تصوف کا شارح سمجھا گیا ۔ آج بھی وہ زیادہ تر انھی حوالوں سے پہچانا جاتا ھے ۔ دراصل اقبال کو اقبال بنانے مین انکے تحقیقی مقالے " ایران میں فلسفہ ما بعد الطبیعات کا ارتقاء " کا بہت زیادہ عمل دخل ھے اور پی ۔ ایچ ۔ڈی کے اس مقالےکے پس منظر میں پروفیسر آرنلڈ کی محبتوں اور جوھر شناسیوں کا بھی کافی سے زیادہ عمل دخل تھا ۔ جن کی کوششوں کے سبب اقبال آرنلڈ تک پہنچنے کیلئےاس پختہ عزم کا اعلان کرتے ھیں کہ :

کھول دے گا دشت وحشت عقدۂ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا مین پنجاب کی زنجیر کو (۴۲)

اقبال اور فکر اقبال کی تعمیر میں ان تین کلیدی نوعیت کی شخصیات کے علاوہ اس زمانے کے ہندوستان کی علمی ،ادبی ،شعری اور سیاسی فضاؤں اور انداز فکر کا بھی بہت عمل دخل ہے ـ

اقبال کا زمانہ سید احمد خان تحریک کے عروج کا زمانہ ہے ـ مختلف اصناف نثر وجود میں آرہی ہین ـ ایک طرف نثر ہے جو مرزا غالب (١٧٩٧ تا ١٨٨٩) کی انسان دوستی اور معاشرتی شعور کے سبب داستان کی بوجھل ، خیالی اور مافوق الفطرت دنیاؤں سےنکل کر برصغیر کے تمام تر سماجی مسائل کو اپنا موضوع بناتی ہے اور ایک قدم آگے بڑھ کر سرسید اور انکے ہمنواؤں کے زیر اثر اظہار وبیان کا آسان و عام فہم راستہ اختیار کرتی ہے ـ انسانی سماج کا کونسا مسئلہ اور موضوع ہے جو اردو نثر مین ادا نہین کیا گیا ـ دوسری طرف شاعری خواجہ الطاف حسین حالی (١٨٣٧ تا ١٩١٤) کےاس اعلان کے بعد فکر وخیال کي نئی جہت اختیار کرلیتی ہے :

> " محبت کچھ ہوا وہوس اور شاہد بازی وکام جوئی پر موقوف نہیں ہے ،بندہ کو خدا کے ساتھ ، ـــــ ماں باپ کے ساتھ ـــــ ، اولاد کے ساتھ ـــــ ، بی بی کے ساتھ ـــــ ، خاوند کے ساتھ ـــــ آقا کیساتھ ـــــ ، بادشاہ کیساتھ ـــــ ، دوستوں کیساتھ ـــــ ، جانور کیساتھ ـــــ ، مکان کیساتھ ـــــ ، وطن کیساتھ ، ملک کیساتھ ، قوم کیساتھ ، خاندان کے ساتھ ، غرض ہر چیز کیساتھ لگاو اور دلبستگی ہوسکتی ہے ـ پس جبکہ عشق و محبت میں اسقدر احاطہ اور جامعیت ہے ـــــ توکیا ضرور ہے کہ عشق کو محض ہوائے نفسانی اور خواہش حیوانی میں محدود کرد یا جائے اور ایسے سر مکتوم کو فاش کرکے اپنی تنگ ظرفی اور بےحوصلگی ظاہر کیجائے" (٤٣)

عشق کے مفہوم کو وسعت ملی تو شاعری کےتمام رنگ ہیی بدل گئے ـ حد بندیوں کو بیکناری عطا ہوئی اور پھر برصغیر کے مخصوص سیاسی حالات نے حالی کی رہنمائی مین شاعری کو قومی وسلامتی کے اظہار کی نئی راہ دکھائی ـ انگریزوں کے فاتحانہ و حاکمانہ تشدد اور ہندووں کی ظالمانہ عصبیت نے مسلمانون کےجذبِ قومی و ملّی کو بیدار کیا ـ

خاص طور پر مولانا حالی کی مسدس مدوجذر اسلام نے مسلمانون کے شاندار ماضی اور تباہ شدہ حال کا تقابلی جائزہ لیکر ملت اسلامیہ کو اس شکست کے اسباب بتاتے ہوئے انھین گھری نیند سے بیدار کرنے مین بنیادی کردار ادا کیا بقول حافظ محمود شیرانی :

" مسدس کیا تھا ؟ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ھادی
ایک آواز میں سارے سوئے ہوؤں کو جگا دیا " (٤٤)

اقبال کے فلسفہ عشق کو آفاقیت عطا کرنے میں مولانا حالی کے عشق کے لا محدود نظریے کی معاونت بھی شامل ھے ۔ فکر و فلسفہ کی گھرائی اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں پر اظہار خیال کا انداز مرزا غالب سے سیکھا ۔ امیر مینائی (۱۹۲۹ تا ۱۹۰۰) کی شعری بڑائی کے بھی وہ قائل نظر آتے ھیں بلکہ اس شاعر کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف مغرب والون سے کرانا چاھتے تھے ۔ میر تقی میر (۱۷۲۰ تا ۱۸۱۰) کا سازو گدازاور شدت تاثیر بھی ان کے یہاں ملتی ھے ۔ پھر یہ کہ اقبال جس دور میں زندہ تھے وہ مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ ــ ۱۹۱۰) مولانا شبلی نعمانی (۱۹۵۷ تا ۱۹۱٤) اکبر الہ آبادی (۱۸٤٦ ــ ۱۹۲۱) مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ ــ ۹۳۱ مولانا شوکت علی جوہر (۱۸۰۰ ــ ۱۹۳۸) مولانا سید سلیمان ندوی (۱۸۸۲ ــ ۱۹۵۳) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۹ ــ ۱۹۵۹) خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۳ ــ ۱۹۵۵) مولوی عبد الحق (۱۸۷۰ ــ ۱۹٦۱) وغیرہ کا زمانہ ھے جوعلمی ،ادبی ،سیاسی اور تحقیقی میدانوں میں برصغیر کے مسلمانوں کےقابل قدر رھنماھیں ۔

انھی گران قیمت شخصیات کی صحبتوں کا اثر تھا کہ اقبال کے یہاں حصول علم اور رموز حیات کوجان لینےکی تڑپ شدت اختیار کرتی چلی گئی ۔ چنانچہ جب ستمبر ۱۹۰۵ مین اقبال لندن پہنچتےھیں تو تحقیقی عمل کے دوران یورپی دنیا کا انتہائی قریب سے مشاھدہ و مطالعہ کرنےکا موقعہ ملتا ھے ۔ اس مشاھدہ و مطالعہ کےنتیجے میں اقبالی روح کا فکری اضطراب بڑھتا نظرآتا ھے ۔ اور انکے یہاں رموز حیات اور رازھائے سربستہ کوجان لینےکی تڑپ شدت اختیار کر لیتی ھے ۔ اپنے اس اضطراب و بیچینی ، فکر کا تذکرہ نومبر ۱۹۳۱ کی ایک تقریر میں کیا جولندن کی اقبال ایسوسی ایشن کے سپاسنامے کے جواب میں کی تھی اور جس مین گول میز کانفرنس کے تقریبا تمام مندوبین کے علاوہ کم و بیش چار سو منتخب افراد موجود تھے ۔ اقبال نے اپنی تقریر میں کہا تھا :

"۱۹۰۵ میں جب میں انگلستان آیا تھا تو میں محسوس کر چکا تھا کہ مشرقی ادبیات اپنی ظاہری دلفریبیوں اور دلکشیوں کے باوجود اس روح سے خالی ہیں جو انسان کے لیے امید ، ہمت اور جرأت عمل کا پیغام ہوتی ہے اور جسے زندگی کے جوش اور ولولے سے تعبیر کرنا چاہیے ۔ یہاں پہنچ کر یورپی ادبیات پر نظر ڈالی تو وہ اگرچہ ہمت افروز نظر آئیں لیکن ان کے مقابلے کے لئے سائنس بھی جوان کو افسردہ بنا رہی تھی ۔ ۱۹۰۸ میں جب میں انگلستان سے واپس آیا تو میرے نزدیک یورپی ادبیات کی حیثیت بھی تقریباً وہی تھی جو مشرقی ادبیات کی تھی ۔ ان حالات میں میرے دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ ادبیات کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنی چاہیے اور ان میں روح پیدا کرنے کیلئے کوئی نیا سرمایہ حیات فراہم کرنا چاہیے (٤٥) ۔

چنانچہ اقبال نے یورپ ہی میں اپنی شاعری کا رخ " سعدیٰ و سلیمیٰ " (٤٦) کی جانب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسی سرمایہ حیات کی فراہمی پر بھرپور توجہ دینا شروع کر دی تھی ۔

شیخ عبد القادر کی تقسیم کے مطابق اقبال کی شاعری کے دوسرے دور میں یعنی ۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک جو کہ قیام یورپ کا زمانہ تھا ہمیں ۲٤ نظمیں اور سات غزلیں ملتی ہیں (٤٧) ۔ اقبالی اظہار کا مخصوص رنگ و آہنگ یہاں زیادہ فکری گہرائی کے ساتھ سامنے آتا ہے نظموں کی بلند آہنگی میں غزلوں کا سا گداز اور غزلوں کی دلگدازی لے میں نظموں کی سی بلند آہنگی اپنے بھرپور تاثر کے ساتھ موجود ہے ۔ اقبال نظم نما غزل اور غزل نما نظم لکھتے ہیں جو انکے فکری ، موضوعاتی اور مقصدی لہجے کی بنیادی ضرورت ہے بقول رشید احمد صدیقی :

" اقبال نے اپنی غزل میں عام غزل گو شعراء کی طرح نہ زبان رکھی ، نہ موضوع ، نہ لہجہ بلکہ ایسی زبان ، موضوع اور لہجہ اختیار کیا جن کا غزل سے کوئی ایسا رشتہ نہ تھا ۔ اس کے باوجود ان کی غزلوں میں تنوع ، تاثیر ، شیرنی و شائستگی ، نزاکت و نغمگی کے علاوہ جو اچھی غزل کے لوازم ہیں وہ فرو فرزانگی اور دلبری و قاہری ملتی ہے جو بعض مناظر فطرت

اور صحف سماوی مین ملتی ہے ۔ اقبال کی غزلوں کے سامنے
هم بے ادب یا بے تکلف ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے ۔ (۴۸)

اقبال کی یہ چوبیس نظمیں جن میں محبت ، حقیقت حسن ، طلبہ علی گڑھ کالج کے نام ، حسن وعشق ، سلیمٰی ، انسان ، جلوہ حسن ، پیام عشق ، عبد القادر کے نام ، اور صقلیـــہ جیسی یادگار نظمین بھی شامل هین اور اقبال کی فکری سمت کا تعین کرتی دکھائی دیتی هیں ۔ دوسری طرف اقبال کی سات غزلیں هیں جن میں نظمیہ لہجے کی بلند آهنگی اور مقصد کی بلندی بدستور موجود ہے ۔ خاص طور پر اس دور کی ساتویں غزل مین جو مارچ ۱۹۰۷ مین لکھی گئی ۔ اقبال کا لہجہ ایک پیغمبر کا لہجہ دکھائی دیتا ہے ۔ جس میں اقبال کی الہامی اور وجدانی صلاحیتیں اپنے عروج پر هین ۔ وہ کاشف راز حیات دکھائی دیتا ہے ۔ اور مغرب کی دکاندارانہ ذهنیت کو جھنجوڑتا ہوا زندگی کی اعلی اخلاقی قدروں کی پائیداری و دوام کی خوشخبری دیتا هے یہاں اسکا ایمان غیر متزلزل اور اسکا لہجہ ایسی روحانی فکر کا حامل هے جس پر آنے والے زمانوں کے حجابات اٹھ گئے هوں اور جو اس لفظی صداقت کا امیں هو :

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی هستی دکان نہیں هے
کھرا جیسے تم سمجھ رہے هو وہ اب زرکم عیار هوگا ۔
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ هی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار هوگا ۔

—

مین ظلمت شب مین لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں هوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار هوگا ۔ (۴۹)

اس غزل مین اقبال علاقائی حد بندیوں سے نکل کر عالم انسان ، عالم اسلام اور عالم آفاقی کی بات کر رہے هیں جس مین خودی سے بیخودی کی طرف سفر کرنے کا فکری رویـــہ نمایاں هے ۔

تیســرے دور کی شاعری جو ۱۹۰۸ سے بانگ درا کی اشاعت یعنی ۱۹۲۴ تک سفر کرتی هے اس مین بانگ درا کی (۷۰) ستر نظمین ۸ غزلیں اور اکبر الہ آبادی کے ظریفانہ رنگ میں لکھی گئیں ۔ ۲۹ چھوٹی چھوٹی نظمین شامل هیں (۵۰) ان

میں سے پیام عشق ،اکتوبر ۱۹۰۸ اور " عبد القادر کے نام " دسمبر ۱۹۰۸ مین قیام یورپ کے آخری ایام مین چھپی تھین ـ انکے علاوہ بلاد اسلامیہ اپریل ۱۹۰۹ ، شکریہ ، جون ۱۹۱۰ ،گورستان شاھی " جون ۱۹۱۰ اور فلسفۂ غم، جولائی ۱۹۱۰ میں مخزن مین چھپی تھیں ـ فکری بلندی اور نظریاتی ارتقاء کے لحاظ سے یہ اقبال کی شاعری کا تکمیلی اور لافانی دور ھے ـ جسکا سلسلہ تا حیات جاری رھتا ھے اور اقبال کی قابل قدر شعری تخلیقات منظر عام پر آتی ھیں ، شکوہ ، ترانۂ ملّی ، حضور رسالت مآب مین ، ۱۹۱۱ میں۔ شمع و شاعر ۱۹۱۲ جوابِ شکوہ ۱۹۱۳ خضرارہ ، والدۂ مرحومہ کی یاد میں ،اور طلوع اسلام جیسی نظمیں اس دور کی یادگار ھیں جوابدی اھمیت کی حامل ھیں ـ ان نظموں میں اقبال کا کل فلسفہ سما گیا ھے ـ

عالم اسلام اس وقت جس سیاسی ،سماجی ،اقتصادی ،معاشی اور معاشرتی بحران اور اخلاقی ،تہذیبی ،ثقافتی اور مذھبی زوال سے دوچار تھا ـ اقبال نے ان طویل نظمون میں ان تمام حالات و واقعات کا بھرپور طریقے سےجائزہ لیا ھے اور سائنسی و نفسیاتی طریقے سے اسلامی ذھن کا تجزیہ کرتے ھوئے انکی دیرینہ بیماری کا علاج بھی تجویز کیا ھے ـ

اقبال کے اس دور پر جب ھم نظر ڈالتے ھیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ھے کہ سماجی و معاشرتی گھٹن کی وہ داستان جو غالب کے ذاتی غم سے شروع ھوکر سید احمد خان ،حالی اور اکبر کے ملی و قومی غم مین تحلیل ھوجاتی ھے ، جب اقبال تک پہنچتی ھے تو محض سماجی گھٹن کی افسردہ داستان نہیں رہ جاتی بلکہ اقبال کی صورت میں اسکا جذباتی طنطنہ ، احساساتی وقار اور اظہار کا پُر اعتماد بلند آھنگ لہجہ یورپ کی استعماری قوتوں کے لئے ایک چیلنج بن جاتا ھے ـ

غالب نے علاج غم دریافت کرنے کیلئے نفسیاتی حربوں کو آزمایا ـ پوری سید احمد خان تحریک اور دیگر رھنمایان قوم نے سراسیمگی کے عالم میں انتشار فکر کے ساتھ ملی و قومی درد کا مداوا کرنا چاھا مگر اقبال اظہار فکر کے اس تیسرے مرحلے پر ایک زیادہ ترقی یافتہ ،پرعزم ،پریقین اور منظم فکر معالج کی صورت میں منظر عام پر آئے اور فرد و ملت کیلئے مرحلہ وار خودی سے بیخودی کی راھون پر گامزن ھوجانیکا پیغام لاتے ـ

دراصل یہ علامہ اقبال کی خوش نصیبی تھی کہ وہ غالب کی سی شدید تنہائی

کا شکار نہیں تھے ـ بلکہ انھین سرسید تحریک ،آزاد و حالی کی قومی و ملی شاعری بالخصوص مثنوی " مدو جذر اسلام " اور اکبر کی طنز نگاری کی صورت میں فکر و خیال کی وہ بنیادیں میسر آ گئی تھین جن پر انھین اپنےعشق و خودی اور بیخودی سے متعلق مختلف فلسفون کی شاندار ،پر شکوہ اور پر جلال و جمال عمارت تعمیر کرنے مین دقت پیش نہیں آئی ـ اس عمارت کی تعمیر میں جس درویشانہ ، قلندرانہ ،پیغمبرانہ مگر صحرائی لہجے کی ضرورت تھی وہ اقبال کو خصوصی طور پر فطرت سے ودیعت کرد یا گیا تھا ـ

اظہار وبیان کے لہجے اور اصناف کی پزیرائی اپنے مخصوص سیاسی ، معاشرتی اور تہذیبی حالات کے مرہون منت ہوتے ہیں ـ چنانچہ جب ہم غالب ،سرسید تحریک اور اقبالی ادوار کا انگریز حکمرانون کے تناظر مین جائزہ لیتے ہیں تو ۱۸۵۷ کے فورا بعد انگریز فاتح اور مسلمان مفتوح نظر آتے ہیں ـ یہ ظلم وجبر ،خوف وہراس اور صبر و برداشت کا انتہائی دور ہے ـ مسلمان اپنے اس تہذیبی ، سیاسی اور قومی زوال کے عالم میں مہر بہ لب گوشہ عافیت کی تلاش میں مصروف ہیں تاکہ رہی سہی عزت اور جھوٹے وقار کو قائم رکھ سکین ـ غالب کی شاعری ایسے ہی گھٹن زدہ بیزار کن دور کی پیداوار ہے سرسید دور میں اگرچہ انگریز کے قدم بظاہر جم چکے ہیں سرسید جیسے جرات مند مسلمانوں کی کوششوں سے انگریزوں اور مسلمانوں میں ایک خاموش سمجھوتہ بھی نظر آتا ہے ایسے مین انگریزوں کی طرف سے تمام تر حق تلفیوں کے باوجود مسلمانوں کی جراُتیں بیدار ہو رہی ہیں ـ گویا شدید قسم کی معاشرتی گھٹن کا طلسم ٹوٹ رہا ہے ـ اظہار وبیان اور خیال وفکر کو بھی کچھ نہ کچھ آزادی میسر آتی جا رہی ہے ـ حالی ، شبلی اور آزاد جیسے زعما انگریزوں کو برا بھلا کہنے کے بجائے اپنی تخلیقات (حیات جاوید یادگار غالب ،حیات سعدی (حالی) المامون ،الغزالی ،الفاروق ،سیرت النعمان ، سوانح مولانا روم ، سیرۃ النبی (شبلی) نیرنگ خیال ،سخندان فارس ،آب حیات (مولانا محمد حسین آزاد) مین مسلمانوں کےشاندار ماضی اور عظیم شخصیات کے کارنامون کو دھرا کر مسلمانون پر انگریزی استعمار اور شکست کے غم سے طاری گہری مایوسی وغفلت سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہے ہین ـ ایسی ہی حوصلہ بخش کوششوں کے دوران اقبال اپنے فکر شعر کے ساتھ میدان عمل میں آتے ہیں ـ

۱۹۰۵ تک اقبال کے یہان ملی ،قومی اور وطنی احساس محدود انداز نظر کیساتھ سامنے آتا ہے ـ ۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک اقبال یورپ میں رہ کر حیات وکائنات ،

مذهب و اخلاق اور تہذیب و تصوف کے بارے میں اہل یورپ کے نکتہ ہائے نظر کو انتہائی قریب سے دیکھتے ہیں ۔ دوسری طرف اپنے ہی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالے کے توسط سے ایرانی تصوف کو سامنے رکھ کر مشرقی مزاج کی آسودہ فکری اور سہل پسندیوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیتے ہیں ۔ یہاں سے اقبال کی شاعری مشرقی و مغربی فکر کے درمیان تقابل و توافق کا پیرایہ اختیار کرتی ہے ۔ اقبال یہ نتیجہ نکالتے ہیں :

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا ، وہاں بے ذوق ہین صہبا (۵۱)

مگر اسکے ساتھ ہی اقبال یہ حیات بخش نظریہ بھی قائم کرتے ہیں :

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کی سحر کر (۵۲)

یورپ سے واپسی پر یعنی ۱۹۰۸ کے بعد برصغیر کے حالات بتدریج مسلمانوں کے حق میں جار رہے تھے ۔ ایک طرف تو یورپ کی استعماری طاقتین عسکری قوت کے نشے میں سرشار دو دھڑوں مین بٹی ہوئی تھیں اور حالات تیزی سے پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ دوسری طرف برصغیر سے باہر بھی عالم اسلام مین (ترکی ، ایران ، لیبیا ، شام ، عراق ، مصر وغیرہ مین) تیزی سے ملوکیت اور یورپین استعمار کے خلاف بیداری کی لہر پیدا ہورہی تھی ۔ ادھر خود برصغیر مین تحریک خلافت کے نام پر اخوت اسلامی کا جذبہ بیدار ہو رہا تھا ۔ مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی جوہر ، مولانا ابو الکلام آزاد ، مولانا ظفر علیخان اور مولانا فضل الحسن حسرت موہانی وغیرہ شوق آزادی کی قیمت جیلین کاٹ کر ادا کر رہے تھے ۔ ادھر مولانا محمود الحسن ، مولانا عبید اللہ سندھی ، مولانا محمد میان ، مولانا حسین احمد مدنی ، مولانا عزیز گل اور دیگر علماء نے عثمانی ترکیہ کی جنگ مین شرکت کرنے والے انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے جاری کر دئے تھے ۔ گویا اسلامی دنیا سے سیاسی ، ذہنی اور مذہبی حبس کا خاتمہ ہو رہا تھا ۔ ان تمام حالات نے مل کر اقبالی لہجے کو بیباکی جرأت مندی اور پیغمبرانہ صداقتین عطا کر دین ۔ اسکے ساتھ ساتھ اقبال کو اپنے زمانے کے مذہبی پیشواون (مولانا

شبلی نعمانی ،سید سلیمان ندوی ،خواجہ حسن نظامی) بے باک سیاسی رہنماون (سید احمد خان ،مولانا محمد علی جوہر ، مولانا شوکت علی جوہر ، مولانا ظفر علی خان ،حسرت موہانی اور قائداعظم) اور لسانی و فکری اعتبار سے اس زمانے کے مایہ ناز شاعرون ادیبوں (اکبر الله آبادی ،عبد القادر گرامی ،امیر مینائیؒ ، داغ دہلوی ، مولانا حالی) اور ان سے ذرا پیچھے مرزا بیدل اور مرزا غالب جیسے شاعرون کے کلام اور شخصیات سے فیضیاب ہونے کا موقعہ ملا ۔ ادھر مغرب مین اقبال برگساں سے مل چکے تھے جیسا کہ لارڈ لوتھیان کے نام اپنے خط محررہ ۱۷ مارچ ۱۹۳۲ میں اسکی ملاقات سے متعلق ذکر کرتے ہیں :

پیرس میں قیام کے دوران میری برگسان سے ملاقات ہوئی ۔ جدید فلسفہ اور تمدن پر ہماری گفتگو تقریبا دو گھنٹے تک جاری رہی " (۵۳)

اس وقت تک اقبال افلاطون ،گوئٹے اور نطشے کا گہرا تنقیدی مطالعہ کر چکے تھے ۔ مشرق میں قدماء مین سے ابن عربی ،مولانا رومؒ اور حافظ شیرازی اقبال کے زیر مطالعہ رہے تھے ۔ یہ وہ چیدہ چیدہ شخصیات ہیں جنکے تحقیقی تنقیدی اور تقلیدی جائزے نے اقبالی فکر کو مرکزیت عطا کرنے میں معاونت کی . . اقبال کا تمام تر فلسفہ اپنے بھرپور ،متحرک اور زندہ جاوید رنگ میں انہی شخصیات کے فکر و فن کے گہرے مطالعے کے بعد ہی وجود میں آتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر اقبال کا مطالعہ قران و اسوہ رسالت جس نے انکے لہجے کو روحانیت کی پاکیزہ مزاجی عطا کی .

درحقیقت ۱۹۰۵ کے بعد یورب میں قدم رکھنے اور تحقیقی مقالے کے آغاز کے ساتھ ہی اقبالی فکر میں ہلچل پیدا ہو گئی تھی ۔ یہی وہ مقام فکر تھا جہاں اقبال نے اپنے فکری قبلے کا تعین کیا اور یہی وہ منزل ہے جہاں اقبال کی فارسیت اپنی تمام تر فکری ،احساساتی اور تاثراتی گہرائی کے ساتھ مائل بہ ارتقا ہو جاتی ہے .

مذکورہ تمام تر علمی ،فکری ،شخصی ،لسانی ،سیاسی اور تہذیبی منابع سے استفادہ کرتے ہوئے اور اپنی ذاتی ،آفاقی اور خداداد صلاحیتوں کو اخلاص فکر کے ساتھ بروئے کار لاتے ہوئے اقبال جن قابل قدر اور لافانی تخلیقات کو وجود دیتے ہیں انکی ترتیب و تفصیل ملاحظہ ہو :

اسرار خودی ۱۹۱۵ ، رموز بیخودی ۱۹۱۸ (۱۹۲۳ میں اسرار و رموز کے نام سے ان دونوں مثنویوں کو یکجا کر دیا گیا)

پیام مشرق ـ ۱۹۲۳ ـ بانگ درا ۱۹۲٤ ـ زبور عجم ۱۹۲۷

جاوید نامہ ـ ۱۹۳۲ + مسافر ـ ۱۹۳٤ ـ بال جبریل ۱۹۳۵

ضرب کلیم ـ ۱۹۳٦ ـ پس چہ باید کرد ۱۹۳٦ ـ ارمغان حجاز ـ ۱۹۳۸ء

ارمغان حجاز اقبال کی سب سے آخری تخلیق ہے جو اردو اور فارسی کلام پر مشتمل ہے ـ پیام مشرق ، جاوید نامہ اور زبور عجم اقبال کی اہم فارسی تخلیقات ہیں .

تاہم بانگ درا کی اشاعت سے تقریبا ۹ سال قبل یعنی ۱۹۱۵ میں اقبال کی شہرہ آفاق فارسی مثنوی اسرار خودی ، منظر عام پر آ چکی تھی جس نے فکر و نظر کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اور مغرب و مشرق کو یکساں طور پر متاثر کیا تھا ـ اور جسکے بارے میں خواجہ حسن نظامی نے اپنے زیر ادارت ہفتہ وار توحید ، میرٹھ مین یکم اگست ۱۹۱۳ کو " مثنوی اسرار خودی " کے زیر عنوان اس طرح اظہار خیال کیا تھا :

" یہ نظم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی شہرۂ آفاق اور ہر دلعزیز شاعری میں ایک نئے باب کا افتتاح کرتے ہیں ـ ڈاکٹر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں : اقبال مثنوی لکھو عرض کیا مثنوی کا حق تو آپ ادا کر گئے فرمایا نہیں تم بھی لکھو ـ التماس کی : آپ فرماتے ہین خودی کو مٹاو اور مجھ کو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خودی قائم کرنے کی چیز ہے ـ ارشاد ہوا :
نہین ہمارا مطلب بھی یہی ہے جو تم سمجھتے ہو " (٥٤)

مثنوی اسرار و رموز کا انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے اسکے دیباچے میں

The secrets of the self: A Moslem Peots interpretation of vitalism
(Reynold A. Nicholson)

کے عنوان سے ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن لکھتے ہیں

" He dreams of a world ruled by Religion Not by poliics ---------------------- A free and independent Muslem fraternity, having the Ka'ba as its centre and knit together in spe ritual union by have of Allah and devotion to the prophit ----- such is Iqbal's ideal. In the two poems already mentioned and preaches it with a burning sincerity. " (55)

آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ھے :

The Muslem poet acknowledges the Authority of Law, Mortality and religion as revealed in the Koran; He feels that his inner strength is derived from love af God and developed by Love of man. (56).

The secrets of the self , (Asrar-i-KhudI (E.M. Forster) ای ایم فاسٹر

کے عنوان کے تحت مثنوی اسرار خودی کی زبان کے بارےمین یوں تبصرہ کرتے ھیں :

He has also written in persian and this brings us an interesting point. If a Moslem is conciliating Hindus He will certainly write in Urdu which is becoming their common speach ------------------------- but if the Poet feels religious rather than Nationalist, if he sings not of a new India but of the glorious past of his own community, then a more antique and consecrated Medium may attract him; if a Moslem he may turn to persian of even to Arabic ---------------. It is addressed to Moslems only, is philosophie, Separatist; an its literary side it depends upon classical perisa". (57).

نثری فکریات میں فلسفہ عجم ایران میں فلسفہ ما بعد الطبیعات کا ارتقاء ، ١٩٠٨
میں تکمیل پزیر ہوئی ۔ یہ پی ۔ ایچ ۔ ڈی کا مقالہ تھا ۔

" The development of Mataphysics in Persia."

کے نام سے لکھا گیا ۔

" تشکیل جدید الهیات اسلامیہ ،
"The reconstruction of Religious thought in Islam". ١٩٣٤ میں شائع ہوئی جبکہ اس سے قبل
یہی کتاب Six lectures on the reconstruction of religious thought in Islam."
یعنی (اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل جدید پر چھ خطبات) کے عنوان سے
١٩٣٠ مین شائع ہوچکی تھی ، ١٩٣٤ کی اشاعت میں مزید ایک خطبے
"Is religion possible" (کیا مذہب کا امکان ہے " ١٩٣٢) کا اضافہ کیا گیا تھا ۔
یہ مقالہ لندن کی Aristotetion Society کے اجلاس مین پروفیسر جان میک مر
Professor John Macmurray کی زیر صدارت پڑھا گیا ۔ اور Proceedings of
the Aristotetion Society New series. میں شائع ہوا ۔

ان کے علاوہ اقبالی خطوط کے وہ گیارہ مجموعے ہیں جو انھوں نے اپنے زمانے
کی علمی ،ادبی ،سیاسي ، دینی اور تخلیقی شخصیات کے نام لکھے تھے ۔ اور جو مختلف
حضرات نے بڑی محنت شاقہ سے جمع کرکے شائع کئے ہین اور جن سے اقبالی مزاج کے ہشت
پہلوں کو سمجھنے میں خاص طور پر مدد ملتی ہے ۔

یہ ہے وہ تخلیقی وعلمی سرمایہ جو علامہ اقبال نے نا صرف ملت اسلامیہ بلکہ عالم
انسانیت کو تحفے میں دیا ۔ اور ہر مذہب و قوم و نسل کے مفکرین ،ناقدین ، محققیــن اور
مذہبی پیشواوں کو ایک زیادہ جدید اور زیادہ قابل عمل انداز مین سوچنے کی ترغیب
دی ۔ ڈاکٹر گوکل چند نارنگ اقبال کی اس قابل رشک عظمت کا یون اعتراف کرتے ہیں :

" اقبال موجودہ زمانے کا سب سے بڑا شاعر ہے ۔ ان کے اشعار
نے اسلامی ہند کی مردہ ہڈیون مین نئی روح حیات پھونک
دی ہے ۔ اقبال کا فلسفہ خودی انھی کے ایک شعر سے ظاہر
ہوتا ہے جس مین وہ فرماتے ہین کہ میرا جسم کشمیر کے باغات
کا ایک پھول ہے ۔ مرا دل حجازی ہے اور میری آواز شیراز سے

مستعار لی گئی ہے ——— افسوس میرا ملک اور میری
قوم کسی ہندو اقبال کو پیدا نہ کرسکی جو ہندوستان کے
ہندوؤں کی مردہ ہڈیوں میں از سرنو تازگی ٔ حیات پیدا
کردیتا ۔ (۵۸)

۲۰ اپریل ۱۹۳۱ کو بروز پیر لندن روہنز ہوٹل میں انڈیا سوسائٹی کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس مین ڈاکٹر ملک راج آنند نےعلامہ اقبال کی شاعری کو یون خراج تحسین پیش کیا گیا ۔

" اقبال کے فرقہ وارانہ عقائد کے متعلق کوئی کچھ کہے
لیکن ایک شیریں بیان شاعر کی حیثیت سے ہر شخص
اس کےلاثانی کمالت کا معترف ہے "

اور یہ کہ :

" آجکل مشرق مین تجدید و احیاء کی جو تحریک جاری ہے
اس کےعظیم تریں رہنما کی صف اول مین اقبال کو ایک خاص
اور نمایاں حیثیت حاصل ہے ——— آپ نے
——— صرف ہندوستان کے ادبی و قومی احیاء
کی تحریک ہی کو تقویت نہین پہنچائی ۔بلکہ ترکی ، ایران
مصر ،افغانستان ،عرب اور تقریبا تمام اسلامی ممالک کو ان
کے زمانہ ترقی و ارتقاء مین بہترین شاعرانہ ہدایت والقا سے
مالا مال کر دیا ہے " (۵۹)

اقبال کی اس تمام تر بقائے فکر مین اقبال کے اظہاری وسیلوں کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے ۔ اظہاری وسیلے جو زبان اردو ،عربی اور خاص طور پر زبان فارسی سے مستعار لیے گئے ۔ اگرچہ کلام اقبال مین فارسیت کا عمل دخل تو شمس العلماء مولوی میر حسن کی تعلیم کا مرہون منت تھا جو بالکل ابتدائی اردو کلام میں بھی نظر آتا ہے اور جیسے ہم فارسی زبان کے بارےمیں اقبال کے لاشعوری رویوں سےتعبیر کر سکتے ہیں لیکن بعد میں علامہ اقبال نےشعوری طور پر ایک خاص علمی ،فنی ،فکری اور ابلاغی مقصد کے پیش نظر فارسیت کو اپنے اظہا کا جزو لازم بنا لیا اور وقت کےساتھ ساتھ اقبال کی فارسیت انکے شعور سےلاشعور مین سرایت کرتے ہوئے بےساختہ اور بلیغ ہوتی گئی ۔

حــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ	ناشر	سن اشاعت
1.	ڈاکٹر جاوید اقبال	زندہ (۱)	60	شیخ غلام علی اینڈ سنز ـ لاہور	985
2.	شیخ عبد القار	کلیات اقبال اردو (دیباچہ بانگ درا)	38	اقبال اکادیمی پاکستان لاہور	990
3.	بشیر احمد ڈار / محمد دین فوق	انوار اقبال / حالات اقبال (مضمون)	80	اقبال اکیڈمی کراچی	967
4.	شیخ عبد القادر	کلیات اقبال اردو (دیباچہ بانگ درا)	٣٩		
5.	" " "	" " " "	70	" "	
6.	حکیم احمد شجاع	لاہور کا جیلسی (مضمون	31-32	نقوش شمارہ نمبر ١٠٤	
7.	محمد عبد اللہ قریشی	حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں	75		
8.	محمد عبد اللہ قریشی	حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں	75	،	
9.	عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	379	آئینہ ادب لاہور	966
10.	" "	" "	380		
11.	" "	" "	380		
12.		صد سالہ اقبال نمبر ـ راوی	80		974
13.	بشیر احمد ڈار	انوار اقبال	83		
14.		ضمخانہ جاوید جلد اول	307		
15.	شیخ عبد القادر	کلیات اقبال اردو دیباچہ بانگ درا	37		
16.	محمد عبد اللہ قریشی	حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں ـ	278		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ	ناشر	سن اشاعت
17.	ڈاکٹر جاوید اقبال	زندہ (۱)	97		
18.	عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	34		
19.	" "	" "	52		
20.	" "	" "	32		
21.	" "	" "	56		
22.	" "	" "	72		
23.	" "	" "	98		
24.	" "	" "	98		
25.	" "	" "	135		
26.	اقبال	مثنوی پس چہ اقبال باید کرد ۔	10	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1972
27.	"	" "	11		
28.	عبدالواحد معینی	باقیات اقبال	135		
29.	" "	" "	136		
30.	" "	" "	136-137		
31.	خلیفہ عبد الحکیم	فکرِ اقبال	26	بزم اقبال لاہور	1968
32.	ڈاکٹر فرمان فتحپوری	اقبال سب کیلئے	38	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۔	1981
33.	سید وحید الدین فقیر	روزگار فقیر حصہ اول	244		
34.	سید محی الدین قادری زور مرتب	شاد اقبال	45	ایٹم پریس حیدرآباد دکن ۔	1942
35.	ڈاکٹر فرمان فتحپوری	اقبال سب کیلئے	42		
36.	شبیر احمد ڈار	انوار اقبال	24		
37.	" "	" "	24		
38.	" "	" "	25		
39.	" "	" "	22		
40.	نذیر نیازی	اقبال کے حضور جلد اول	60-61		
41.	اقبال	کلیات اقبال اردو ۔ بالِ جبریل ۔	402		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ	ناشر	سن اشاعت
.42	اقبال	کلیات اقبال اردو ــ (بانگِ درا)	105		
.43	مولانا الطاف حسین حالی	مقدمہ شعر و شاعری	123-124	کتب خانہ علم و ادب دھلی	
.44	حافظ محمود شیرانی	مقالات شیرانی جلد اول	321	مجلس ترقی ادب لاھور	
.45	محمد عبد اللہ قریشی	حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں	223		
.46	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	158		
.47	"	کلیات اقبال اردو فہرست بانگ درا حصہ دوم	24 to 26		
.48	پروفیسر رشید احمد صدیقی	جدید شاعری	122	نگار	1965
.49	اقبال	کلیات اقبال اردو :	167-168		
.50	"	فہرست بانگ درا حصہ سوئم	34		
.51	اقبال	کلیات اقبال اردو بالِ جبریل	360		
.52	"	" ضرب کلیم	621		
.53	ڈاکٹر جاوید اقبال	زندہ (جلد سوم)	496		
.54	" "	" (جلد دوم)	223		

.55 Dr. Riffat Hassan (Collecter) "The sward and the sephtre" P-262 - Iqbal Academy Pakistan Lahore 1977

.56 " " " " " "

.57 P-275 " " " " Dr. Riffat Hassan P-281 -282

.59-58 روزنامہ انقلاب ــ جلد ٥ نمبر ١٤٣ جمعہ ٢٨ نومبر ١٩٣٠
" " " " " " " "

دوسرا باب

اقبال اور فارسیت

برصغیر کا مزاج اور فارسیت :

اقبال اپنے خطبے مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار مین لکھتے ھین کہ :

" ھم لگاتار بدلتے رہتے ھین ۔ ھمارے داخل اور باطن مین
کوئی چیز بھی ساکن نہین ۔ جو کچھ ھے ایک مسلسل حرکت ،
کیفیات کا ایک پیہم رد و بدل ، ایک دوامی بہاؤ جسکی کوئی
منزل ھے نا مقام " (۱)

زمان و مکان کے اس تاریخی تسلسل اور ارتقائی عمل کا اطلاق انسانی زبان و بیان پر ویسا ھی ھوتا ھے ۔ جیسا کہ انسانی تہذیب و ثقافت اور بدلتے ھوئے سماجی رویون پر ۔ کیونکہ زبان و بیان کی تبدیلی و ارتقاء تہذیب و ثقافت اور سماجی رویون کے بدلنے مین اھم کردار ادا کرتا ھے ۔

اس پس منظر مین جب ھم دنیا کے لسانیاتی سانچون کا سرسری جائزہ لیتے ھین تو یہ حقیقت واضح ھو جاتی ھے کہ روز اول سے مختلف زبانین ایک دوسرے پر اثر انداز ھوتی رھی ھین ۔ مگر ھر دور مین اظہار و ابلاغ کے اعتبار سے وھی زبانین طاقتور ھوتی ھین ۔ جنھین فاتحین کی سرپرستی حاصل رھی ھو ۔ تاھم یہ بھی حقیقت ھے کہ فاتح زبان نے مفتوح زبان کی اعلی قدرون ، تہذیبی و ثقافتی روایات اور اسالیب سے یکسر رشتہ کبھی بھی نہین توڑا کہ ایسا کرنا لسانیات کے فطری اصولون کے خلاف تھا ۔ اسی اصول کے پیش نظر انگلستان مین انگریزی نے فرانسیسی کی جگہ لی ۔ (۲) رومیون نے یونانی کی بجائے لاطینی کو ذریعہ اظہار بنایا (۳) اور پھر اٹلی مین اطالوی زبان لاطینی کی قائم مقام بن گئی (۱) ۔

یہی کچھ برصغیر کے لسانیاتی سانچون کے ساتھ ھوا ۔ برصغیر کی علاقائی زبانون پر عربی و فارسی کے اثرات جنوبی ھند کے سواحل پر ٦٢٨ مین قاصدان رسول کی آمد اور اس سے بھی قبل عربون کی آمد و رفت سے ظاھر ھونا شروع ھو جاتے ھین (٤) ۔ پھر ۷۱۲ مین سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ (٥) ادھر ٧٩٨ مین محمود غزنوی کا بطور فاتح برصغیر مین داخل ھونا (٦) اس بات کی دلیل ھے کہ برصغیر کی زبانین تیزی سے اپنے فاتحین کی زبانون (عربی ، و فارسی کے تہذیبی و ثقافتی اور اسالیبی اثرات کے زیر اثر آنا شروع ھو گئی تھین ۔

جنوبی ھند گولکنڈہ مین قطب شاھی حکمرانون کا بانی سلطان قلی ، قطب شاہ بھی

ترک نژاد تھا جو ھمدان کے بادشاہ اویس قلی کا لڑکا تھا اور جان بچا کر ایران سے دکن آیا تھا (۷) اور بیجا پور کی عادل شاھی سلطنت کے بانی یوسف خان بھی ترک نژاد تھے اور ایران سے آئے تھے ـ (۸)

یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے ادب کی تمام تر تہذیبی و ثقافتی اور اسالیبی روایات عربی و فارسی اور علاقائی زبانون کے لسانیاتی اخذ و اکتساب کے عمل سے گزر کر ھم تک پہنچی ھین ـ اس تمام تر لسانیاتی عمل مین روحانی اور مذھبی شعور ھر دور مین نمایان رھا ہے ـ اسلئے کہ برصغیر کے شعر و ادب کی بنیاد ھی تبلیغی مقاصد پر رکھی گئی تھی جن مین تصوف کا عمل دخل زیادہ تھا ـ حسن شوقی ، نصرتی ، شاہ داول ، روشن علی حسین ذوقی ، سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز ، میران جی شمس العشاق ، شاہ امین الدین اعلی ، امیر خسرو بابا فرید جیسے صوفی بزرگون کی تحریرین اسکی نمایان مثال ھین (۹) جنھون نے اپنی تحریرون اور کتابون کے عنوانات مین فارسی تراکیب اور عربی کے شمسی و قمری حروف و لسانی تکنیک سے بھر پور استفادہ کیا ھے (۱۰) ـ

شعر و شاعری کے عمومی اور ملے جلے انسانی جذبات کے حامل رویون کے بیان مین جدید تحقیق نے اگرچہ قلی قطب شاہ (۱۵٦۵ ـ ۱٦۱۱) کو اردو زبان کا پہلا شاعر قرار دیا ھے (۱۱) ھم شعر و ادب کی اس تہذیبی ثقافتی ، لسانی و اسالیبی روایت نے ولی (۱٦٦۸ ـ ۱۷۲۵) کے یہان زیادہ مضبوطی سے چونکا دینے والے انداز مین قدم جمائے ـ ان کے یہان فارسیت کے رنگ زیادہ نکھر کے سامنے آئے انکی غزل تمام تر ایرانی اسالیب سے متاثر نظر آتی ھے ـ بعد مین جنوبی ھند سے شمالی ھند کی طرف شعر و ادب ارتقائی سفر قابل قدر ھے ـ سراج ، شاہ حاتم ، ابرو اور فائز سے ایک قدم آگے مرزا مظہر جانجانان (۱۷۰۰ ـــ ۱۷۸۰) میر تقی میر (۱۷۲۰ ـ ۱۸۱۰) سودا (۱۷۸۳ ـ ۱۷۱۳) اور درد (۱۷۸۷ ـ ۱۷۲۱) کا زمانہ جیسے آبحیات کی زبان مین متقدمین کا دور کہا گیا ھے ـ (۱۲) اپنے اندر تمام تر سادہ بیانی کے باوجود فارسیت کے گہرے اثرات رکھتا ھے ـ

دبستان دھلی کے اس طرف دبستان لکھنؤ مین بھی عربیت و فارسیت کا اثر زیادہ نمایان نظر آتا ھے کیونکہ لکھنؤ مین علوم کی ترقی و ترویج کا شعور تیزی سے بڑھ رھا تھا اور

" منطق و فلسفہ و طب و علم کلام کی حمارست زیادہ تھی ـ خود بخود طبعتین اس بات کی مقتضی ھوئین کہ بول چال مین ھندی الفاظ رفتہ رفتہ ترک اور انکی جگہ عربی الفاظ کثرت سے داخل ھونےلگے " (۱۳)

نتیجةً

قافیه پیمائی رعایت لفظی ـــــ مراعاة النظیر کی کثرت ،

مقفع و مرصع اور رنگین بندشین ـــــ تشبیهه و استماره مین پیچ دار باریکی (١٤)

لکھنوی نثر کے معیار قرار دئے گئے ــ مصحفی ، جرأت ، انشاء آتش ، ناسخ اس دبستان کے نمائندہ شاعر ہین ــ یه وہ زمانه هے جب پورے برصغیر پر انگریز کا حکم چل رہا تھا ــ بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت قلعه معلی تک محدود هو چکی تھی ــ انگریزی فکر عوامی ذہن کی جڑون مین اترنے کیلئے راستے تلاش کر رہی تھی ــ چنانچه زبان کو پل صراط بنایا گیا ــ ١٩٣٤ مین فارسی کی بجائے اردو کو سرکاری زبان قرار دیدیا گیا ــ عدالتی زبان اردو هو گئی اور عیسائی لٹریچر اور قانون کی کتابین اردو مین لکھی جانے لگین (١٥) مگر فارسی کے ساتھ اس انتقامی روش کے باوجود انگریز ، فارسی کا زور نه توڑ سکے ــ فارسی نے برصغیر مین کئی قابل ذکر قیمتی صدیان گزاری تھین ــ بر عظیم کا تمام تر ادب و ثقافت ، تہذیبی ، تمدنی ، سماجی ومعاشرتی رویے ، انداز فکر و نظر ، سیاسی و قانون طریق کار ، اخلاق وآداب اور مذهب و تصوف اس زبان کے توسط سے اپنی جڑون کی پائیداری کے ساتھ زندہ تھے ــ اور انگریز سرکار تہذیبی و ثقافتی ولسانی ارتقا کے اس فطری عمل کو جدید دور سے منقطع کرنے کی کوشش مین مصروف تھی ــ یقیناً انگریز جانتے تھے که :

"جس قوم کی روایات کا تسلسل ٹوٹ جائے : اس کیلئے تاریخی یا عملی طریق کار اختیار کرنا بڑا مشکل هو جاتا هے ــ اس کے لائحه عمل کی جڑین ماضی کی آب رسان اور روح پرور سر زمین مین نہین هوتین بلکه هوا مین لہراتی هین اور هوا کے جھونکون سے قومی خیالات کا رخ ادلتا بدلتا رہتا هے ــ (١٦)

تاهم انگریز اپنے تمام تر لسانی تعصب کے باوجود برصغیر مین مسلمان حکمرانون کے دور رس اثرات ، انکی زبان اور عرفی ، فیضی ، نظیری ، ابو طالب ، کلیم غنی کاشمیری ، صائب اور بیدل کی فارسی روایت کو ختم نہین کر سکے (١٧) بہادر شاہ ظفر ، غالب ، مومن اور ذوق اس دور کی فارسیت کے نمائندہ شاعر هین ــ

آگے چل کر سر سید تحریک نے اظہار کی تمام تر سادگی کے باوجود فارسیت کی اس روایت کو برقرار رکھا ــ شبلی ، مولانا محمد حسین آزاد ، ڈپٹی نذیر احمد کی تحریرین اور مولانا حالی کی مسدس حالی اسکی نمایان مثالین هین ــ

انیسوین صدی جہان مسلمانون کے ھزار سالہ دور حکومت کے زوال کی خبر لیکر آئی وھان اسی زوال کے اندر سے مسلمانون کے منفرد قومی تشخص کا پودا بھی سر اٹھاتا اور قدم جماتا نظر آتا ھے ۔ شاہ ولی اللہ کے بعد انکے صاحبزادون ، دیگر مذھبی پیشواؤن اور سرسید تحریک نے اسے قدآور درخت بنایا ۔

اس تحریک کے زیر اثر انیسوین صدی کے آخر مین ایک طرف مولانا ظفرعلیخان ، علی برادران ، علامہ اقبال اور قائداعظم اور دوسری طرف مہاتما گاندھی اور پنڈت جواھر لال نہرو ھندوستانی سیاست کے اھم ستون نظر آتے ھین ۔ جبکہ مرکزی سطح پر انگریزکی علمداری ھےجو اپنی حکومت کی استواری اس بات مین سمجھتی ھے کہ ھندوستانی قومیت کو دو ٹکڑون مین تقسیم کر دیا جائے ۔ یہ سلسلہ تقسیم ھند ۱۹٤۷ تک چلتا رھتا ھے ۔ اور ھندوستانی سیاست دوقومی نظریے اور لسانی فسادات کے گرد گھومتی رھتی ھے ۔ اس دور مین لسانی تعصب اس وقت اپنی انتہا کو چھولیتا ھے جب گاندھی جی ایک ھندو تنظیم بھارتیہ ساھتیہ پرشد کے ۲۵ اپریل ۱۹۳۱ کے اجلاس مین یہ اعلان کرتے ھین کہ :

> " اردو زبان مسلمانون کی مذھبی زبان ھے ۔ قران کے حروف مین لکھی جاتی ھے اور مسلمان بادشاھون نے اسے بنایا اور پھیلایا مسلمان چاھین تو اسے رکھین اور پھیلائین " (۱۸)

جواباً مسلمانون مین اپنی زبان کےتحفظ کا احساس شدید تر ھوگیا ۔ چنانچہ بابائے اردو مولوی عبد الحق صاحب اس جوابی رد عمل کے ساتھ میدان مین اترے :

> " ایسی صورت مین ھمارےلئے اس کےسوا اب کوئی چارہ باقی نہین رھا کہ ھم اپنی زبان کے بجانے اور اس کی اشاعت و ترقی کیلئے کمر بستہ ھو جائین " (۱۹)

علامہ اقبال کی فارسیت :

ھندو مسلم تنازعات کا یہی وہ ماحول ھے جس مین اقبال اپنی فکری و فنی زندگی کا آغاز کرتے ھین ۔ کیونکہ اس دور مین اسلامی فکر اسلامی لسانیاتی سانچون مین ڈھل کر پروان چڑھتی ھے چنانچہ فارسیت کی وہ روایت جسکا آغاز برصغیر مین مسلمانون کی آمد سے ھوتا ھے ، جب اقبال تک پہنچتی ھے تو اسکی روایتی پختگی فکری گہرائی اور اسلوب بیان کی بلاغت ایک زیادہ وسیع و ھمہ گیر اور موثر پیرایہ اختیار کر لیتی ھے جیسا کہ عبد الشکور صاحب لکھتے ھین :

" فارسی کو اس برصغیر مین نہ صرف سرکاری بلکہ تہذیبی ، ادبی اور ثقافتی

حیثیت حاصل رھی اور یہان فارسی زبان و ادب نےمستقل اور منفرد
طور پر نشوونما پائی جو اپنی وسعت و اھمیت مین ایران کے فارسی
ادب سےکم نہین ــــــــــ انھی ثقافتی اور تہذیبی روایات کا
نتیجه تھا که علامه اقبال نے بھی بچپن مین عربی کے ساتھ ساتھ اپنے
فاضل استاد مولانا سید میر حسن سے فارسی زبان پڑھی "(٢٠) ـ

اردو زبان پر فارسی زبان کے آثار وعلامات کی وضاحت سےیه بتانا مقصود ھے که اقبال کی شاعری
مین فارسیت کے رنگ خود بخود وجود مین نہین آ گئے تھے بلکه صدیون کی طویل ھمه گیر قابل
قابل قدر اور پرشکوہ روایت تھی جو ھر دور کے زندہ ادب مین پروان چڑھتی رھی ـ برصغیر مین
فارسی کے سیاسی زوال کے باوجود فارسیت کو زوال نہین آیا ـ اقبال کو یه ھزار ساله
لسانی روایت چودہ سو ساله صدائے اسلامی کی بازگشت سے مکمل طور پر ھم آھنگی کی صورت مین
ملی ـ اس دور مین فکر اور لفظ کا رشته بہت گہرا تھا ـ اقبال نے اپنی تمام تر فکری و فنی
صلاحیتون کو بروئے کار لاتے ھوئے فارسیت کی اس لفظی و معنوی روایت سے بھرپور استفادہ
کیا ـ اقبال کی شاعری مین فارسیت کے عمل دخل کی یه پہلی اور بنیادی وجه تھی ـ ٹی
ایس ایلیٹ نے انگریز شعراء کو ھدایت کی تھی که :

" اگر حقیقتاً کہین انگریزی زبان کے شاعر کو یه سیکھنا ھے که وہ اپنے زمانے مین
لفظون کو کیسے استعمال کرے تو اس کیلئے ضروری ھے که وہ ان لوگون کا گہرائی
کے ساتھ مطالعه کرے جنہون نے اپنے زمانے مین لفظون کو بہترین طریقے پر استعمال
کیا تھا اور زبان کو بالکل نیا بنا دیا تھا ـ (٢١)

ایلیٹ آگے چل کر لکھتا ھے :

" کیونکه ایک صحت مند سماج مین ھر حصے کا دوسرے حصے پر مسلسل باھمی
اثر پڑتا رھتا ھے اور یہی وہ چیز ھے جسے مین وسیع ترین معنی مین شاعری
کے سماجی منصب کا نام دیتا ھون اور جو اپنی علویت اور زور تاثیر سے ساری
قوم کی گفتگو اور شعور و ادراک کو متاثر کرتی رھتی ھے ـ (٢٢)

اقبال کے شعری اسلوب نے قدماء کا گہرائی سے مطالعه کرتے ھوئے اس سماجی منصب کو بھرپور
طریق سے ادا کیا ھے یہی وجه ھے که اقبال کے یہان فکری و فنی علویت اور زور تاثیر اپنے نقطه کمال
پر ھے ـ اقبال نے لسانی اور فکری اعتبار سے حال اور مستقبل کو ماضی سے مربوط رکھنے کی شعوری
کوشش کی ھے ـ اقبال حیات کی بدلتی ھوئی اقدار کو زمان و مکان کے تسلسل مین دیکھنے کے

قائل هین اور وقت کی اس مربوط ارتقائی حقیقت کو بخوبی سمجھتے هین که :

" کسی قوم کا ادب نه صرف قومی روایات کا آئینه هوتا هے بلکه اس سے
قومی کریکٹر کی تشکیل مین بڑی مدد ملتی هے ـ ایک قوم کو اپنے مراحل
حیات مین جن مسائل سے دوچار هونا پڑتا هے وه سورتین تو بدلتے رهتے هین لیکن
ان کی تهه مین تاریخ اپنے آپکو دهراتی رهتی هے اور جس قوم کا ناطه
ماضی سے برقرار رهتا هے اس کیلئے مسائل کا حل کرنا اور نئے حالات مین
توازن برقرار رکھنا بڑا آسان هوتا هے " (۲۳)

اقبال کی شاعری مین فارسیت کی دوسری اهم وجه مولوی میر حسن کی شاگردی هے ـ اقبال
کی ابتدائی طالبعلمانه زندگی پہر سید میر حسن (۱۹۲۹ - ۱۸٤٤) کی شخصیت حاوی هے
سید میر حسن ایک منور الفکر اهل علم تھے جو شاگردون کو مصالح دین اور مصالح دینا پیش نظر
رکھ کر تربیت دیتے تھے وه نه صرف علوم اسلامی اور عرفان و تصوف سے آگاه تھے بلکه علوم جدیده ادبیات
لسانیات اور ریاضیات کے بھی ماهر تھے اور اپنے شاگردون مین اردو ، فارسی اور عربی کا
لسانی ذوق پیدا کردیتے تھے ـ (۲٤)

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا هے :

" سید میر حسن نے اقبال کو عربی ، فارسی اور اردو ادبیات ، علم و حکمت
اور تصوف وغیره کی تعلیم دیکر علوم قدیمه اور اسلامیه کیلئے انکے دل مین
بے پناه تشنگی پیدا کردی تھی " (۲۵) ـ

مولوی میر حسن کی تربیت هی کا نتیجه تھا که اقبال کے شوق فن اور ذوق فکر نے اپنی شناخت
کے لافانی راستے دریافت کرلیے ـ علوم قدیمه اور اسلامیه کیلئے اقبال کی تشنگی نے تمام تر اسلامی
فقه ، فلسفے ، تصوف ، علم کلام ، تاریخ ، سیاست اور شعر و ادب کو کنگھال ڈالا ـ شوق
مطالعه نے ذوق فکر اور حسن اظهار کو جلا بخشی اور یون فارسیت ابتداء هی سے اقبال کی
شاعری کا جزو لازم بن گئی ـ جیسا که انکی بالکل ابتدائی دور کی نظمون سے ظاهر هوتا هے (۲٦)
اقبال سید میر حسن کی استادانه عظمت کا یون اعتراف کرتے هین :

مجھے اقبال اس سید کے گھر سے فیض پهنچا هے
پلے جو اسکے دامن مین وهی کچھ بن کے نکلے هین (۲۷)

اقبال کی شاعری مین فارسیت ، کی تیسری وجه انکا فارسی شعر و ادب کا گهرا مطالعه تھا ـ
انهون نے سبک خراسانی کے فردوسی ، ناصر خسرو ، سنائی ، انوری ، خاقانی ، خواجه معین

الدین چشتی (۲۸) سبک عراقی کے : رومی ، سوری ، بو علی قلندر ، امیر خسرو ، حافظ ، جامی بابا فغانی (۲۹) اور سبک هندی کے ۔ عرفی ، فیضی ، نظیری ، غنی ، صائب ، بیدل اور غالب (۳۰) وغیرہ کے فکر و فن ، موضوعات اور اسالیب بیان کو تحقیق و تجسس کی نگاہ سے دیکھا تھا اور انکے حسن بیان کی نزاکتون ، لطافتون اور فکری گہرائیون سے متاثر بھی ہوئے تھے چنانچہ فارسی کے اس وسیع مطالعہ نے بھی انکی اردو شاعری مین فارسیت کے رنگ بھرنے مین شعوری اور لاشعوری طور پر مدد کی ۔

چوتھی اور آخری وجه اقبال کی افتاد طبع یا جبلت کہی جا سکتی هے جو فارسی کے خمیر سے اٹھائی گئی تھی ۔ اور جسکا گہرا ادراک اقبال کو سفر یورپ کے دوران هوا جبکه وہ اپنا پی ۔ ایچ ۔ ڈی کا تحقیقی مقاله ایران مین فلسفه ما بعد الطبیعات کا ارتقاء" لکھ رہے تھے ۔ جسکے لئے انھین ایرانی ادبیات کا وسیع فکری اور نظریاتی مطالعه کرنا پڑا ۔ جس سے اقبال کی فارسی جبلت کو مزید تقویت ملی ۔ اقبال کی فارسی سے متعلق ایران کی مشہور ادبی شخصیت سید محیط طباطباتی مرحوم لکھتے هین :۔

" اقبال حد درجه اول مسلمان و در رتبه دوم هندی و درجه سوم ایرانی است ، علاقه او بتاریخ زبان فلسفه ، سیاست و اوضاع اجتماعی ایران کمتراز علاقه نیست که لنسبت بزاد و بوم اصل خود دارد (۳۱) ۔

تاهم سفر لندن سے قبل هی جبکه اقبال ابھی اپنے وطن هی مین درس و تدریس مین مشغول تھے اور گورنمنٹ کالج لاهور مین بی اے کے طالبعلم تھے نومبر ۱۸۹۵ مین پہلی بار انجمن مشاعرہ کے تحت حکیم امین الدین کے مکان پر منعقدہ مشاعرہ مین اپنی غزل پڑھتے هین اور جب اس شعر پر پہنچتے هین

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے
اقبال لکھنؤ سے نه دلی سے هے غرض
هم تو اسیر هین خم زلف کمال کے (۳۲)

تو ارشد گورگانی صدر مشاعرہ بےاختیار اس نوجوان کو داد دیتے هین اور جب هم ان اشعار کے لسانی اسلوب پر نظر ڈالتے هین تو شان کریمی ، عرق انفعال ، خم زلف کمال کی تراکیب و تشبیهات اس بات کی طرف اشارہ کرتے هین که اقبال کے هان آغاز هی مین فارسی کے آثار موجود

تھے ۔ اس زمانے مین دلی اور لکھنو دبستانون کی جگہ الہ آباد اور لاھور شعر و ادب کے اھم مرکز تھے ۔ (۳۳) مولانا محمد حسین آزاد کی کوششون سے لاھور مین ۱۸۷٤ مین انجمن پنجاب کی بنیاد رکھی گئی (۳٤) اور غزلیہ مشاعرون کی بجائے نظمیہ موضوعاتی مشاعرے شروع ھوئے ۔ حالی نے اردو مین قومی و ملّی شاعری کی بنیاد ڈالی ۔ آزاد نے اس معاملے مین انکا بھرپور ساتھ دیتے ھوئے انگریزی کی تقلید مین نیچرل شاعری پر زور دیا ۔ اور اردو شاعری کی پرانی روش کو موضوعاتی سطح پر بدلنے کی کوشش کی ۔

"آزاد ھی کی بدولت نیچرل شاعری کے مفہوم سے لوگ آشنا ھوئے اور آزاد ھی کی ڈالی ھوئی بنیادون پر جدید دور کے سخن طرازون نے اپنی اپنی عمارتین تعمیر کین (۳۵)

اقبال نے نظم جدید مین حالی اور آزاد کی کوششون سے استفادہ کیا :

"اقبال اردو شاعری مین پہلے شخص ھین جنھون نے انگریزی خیالات کو کامیابی کے ساتھ اردو نظمون مین سمجھ کر مولانا آزاد کی آرزو پوری کی ۔ نئے تصور فن کے لحاظ سے ان کی سب سے پہلی نظم "ھمالیہ" کو نئی شاعری کا ایک کامیاب نمونہ قرار دیا " (۳٦)

نیچرل شاعری سے آزاد کی مراد مناظر فطرت ، مظاھر قدرت اور مسائل انسانی کو نظم کے پیرائے مین بیان کرنا ھے بانگ درا کی ابتدائی نظمین اس معیار پر پوری بھی اترتی ھین مگر حقیقت یہ ھے کہ اقبال اس آواز کے ساتھ زیادہ دیر تک اور زیادہ دور تک نہین چل سکے بلکہ اگر بنگاہ غور دیکھا جائے تو آج آزاد ، شبلی اور حالی کی نظمین اپنے اندر وہ تاثیر نہین رکھتین ۔ جو کلام اقبال کی شان ھے ۔ حتیٰ کہ مولانا حالی کی مدو جذر اسلام اپنے تمام تر پر خلوص اظہار ملی و جذبہ ھمدردی کے باوجود اقبال کے شکوہ اور جواب شکوہ سے پیچھے رہ جاتی ھے ۔

حقیقت یہ ھے کہ انگریزی خیالات موضوعات کی اردو مین سمونے اور انگریزیت کی شعوری تقلید کی کوشش مین فارسیت ، کے صدیون کے لا شعوری اور فطری عمل کو پیچھے دھکیلنے سے اردو شاعری اظہار و بیان کے بے ساختہ پن ، جذبے کی شدت و گھرائی ، لب و لہجے کی چاشنی اور مٹھاس اور دلون مین بے خطر اتر جانے والی تاثیر سے محروم ھو گئی لیکن

اقبال کی شاعری کیساتھ ایسا نہین ہوا ۔ کیونکہ وہ " علوم مغربی کا بحر بے پایان ہونے کے باوجود فارسی اور اردو شاعری اور ان دونون زبانون کے غوامض کے ماہر تھے (٣٧) ۔ اقبال کی شاعری جدید اور قدیم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے (٣٨) بقول پروفیسر محمد منور :

" ہمین علامہ اقبال کی غزلین عجمی صنعت اور عربی طبعیت عجمی لباس اورعربی مزاج کی مالک دکھائی دیتی ہین " (٣٩) ۔

اقبال کا فکر وفن چودہ سوسالہ اسالیب بیان کے تناظر مین ترقی یافتہ روایات کے ساتھ آگے بڑھتا ہے ۔ اقبال کے یہان فاصلاتی نظام کی کوئی اہمیت نہین ۔ اسکا فکر بلند تمام فاصلون کوتوڑتا نظر آتا ہے ۔ اس نے آغاز شاعری ہی مین جوعنوانات منتخب کیے ہین ان مین بلندی ،حرکت وروانی ،روشنی وتابانی اور حیات، کا ایک نہ ختم ہونے والا تسلسل ہے ۔

اقبال ١٢ نومبر ١٨٩٩ کوانجمن حمائیت اسلامی کی مجلس منتظمہ کے رکن بنتے ہین اور یہین سے اقبال کی ملی یا قومی شاعری کا آغاز ہوتا ہے ۔ تصویر درد ، نالۂ یتیم ،خیر مقدم ، دین ودنیا ،اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانون سے ، فریاد امت اور ہمالہ جیسی نظمین اس انجمن کے جلسون مین پڑھتے ہین ۔ ہمالہ کے بارےمین سر عبد القادر اپنی رائے یون دیتے ہین :

" اقبال کی نظم ہمالہ نئے رنگ کی نظم تھی جس مین خیالات مغربی تھے اور بندشین فارسی اور ساتھ ہی حب وطن کی چاشنی اس مین موجود تھی " (٤٠)

ابتدائی دور مین ہی تشبیہات و استعارات ، تراکیب ،علامات ،تلمیحات اور بندشین زیادہ تر فارسیت ،کی حامل ہین ۔ جنہین اقبال کی جدت پسندی ندرت فکر نےتازگی بخشی ہے ایک دو مثالین ملاحظہ ہون :

" فصیل کشور ہندوستان ، دیرینہ روزی ، امتحان دیدہ ظاہر سوئے خلوت گاہ دل ، گلکدہ مہرعالم تاب ، جنبش موج نسیم صبح کنج خلوت خانہ قدرت ، فیل بے زنجیر ، آئینہ سیّال ، عراق دلنشین ، زلف رسا ،مسکن آبائے انسان ، غازۂ رنگ تکلف " (٤١)

شناسائے خراش عقدہ مشکل ، شریک شورش محفل ، غیر از نگاہ ،

چشم صورت بین ، برگِ ریاض طور ، زخمی شمشیر ذوق جستجو ، چراغ خانۂ حکمت (٤٢)

نظم مرزا غالب ،اول تا آخر فارسیت کے زیر اثر ھے ۔ یہ تو صرف ابتدائی دو تین نظمون کا رنگ ھے ۔ ھم نے مذکورہ مثالون مین ایسی بندشون اور تراکیب کو پیش کیا ھے جو سہ لفظی اور چہار لفظی ھین دو لفظی تراکیب کا معاملہ اس سے الگ ھے ۔ یہ اس دور کا کلام ھے جبکہ اقبال کے ناقدین کے بقول ابھی انکی فکر پر فارسیت اور فارسی کا غلبہ نہین ھوا تھا ۔ حالانکہ اقبال کی فنی جبلت اور فکری شعور و لا شعور مین فارسیت کے آثار بالکل آغاز ھی مین نظر آجاتے ھین ۔ یورپ کے سفر اور تحقیقی مقالے کی تیاری نے اتنا کیا کہ اس شعور کو مزید وسعت ،گہرائی ، روانی اور فکر و فن کی پختگی عطا کر کے لا شعوری عمل کا بے ساختہ پن ، عطا کردیا اور

" جون جون انکا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ھوتا چلا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاھا تو انھون نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے مین اردو کا سرمایہ بہت کم ھے اور فارسی مین کئی فقرے اور جملے سانچے مین ڈھلے ھوئے ایسے ملتے ھین جن کے مطابق اردو مین فقرے ڈھالنے آسان نہین " (٤٣)

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ھے :

" فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ھوا کہ جو نظمین اردو مین دو رسوم مین لکھی گئین ھین ان مین سے اکثر مین فارسی ترکیبین اور فارسی بندشین پہلے سے بھی زیادہ ھین اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضمین کی گئی ھے گویا یہ معلوم ھوتا ھے کہ اشہب قلم جو فارسی کے میدان مین گامزن ھے ۔ اسکی باگ کسی قدر تکلف کیساتھ اردو کی طرف موڑی جا رھی ھے ، (٤٤)

اقبال کا موضوع اور فارسیت :

فارسی اور فارسیت کی طرف میلان کی اھم وجہ اقبال کا وہ مقصدی موضوع تھا جسکے سلسلے ایران کے راستے سے ھوتے ھوئے سرزمین عرب تک جاتے ھین ۔ اقبال شاعری کے ابتدائی دور مین جیسے عبد القادر ١٩٠٥ تک بتاتے ھین اپنی منزل شاعری اور مقصد حقیقی کا تعین نہین کر پائے تھے ۔ البتہ ذوق تجسس اور مقصد حیات ابتداء ھی سے انکی شاعری مین موجود ھے

لندن مین جبکه دوران تحقیق رموز حیات اور رازهائے سربستہ کو جان لینے کی تڑپ شدت اختیار کر گئی اور اقبال کو اپنی شاعری مین اس تڑپ کی تسکین نہین ملی تو انھون نے گھبرا کر شاعری چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ۔ لیکن جیسا کہ سر عبد القادر نے سمجھایا کہ

" ان کی شاعری ایسی شاعری نہین هے جسے ترک کرنا چاهیے بلکہ ان کے کلام مین وہ تاثیر هے جس سے ممکن هے کہ هماری درماندہ قوم اور همارے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج هو سکے ۔ اسلئے ایسی بیکار خداداد طاقت کو بیکار کرنا درست نہ هوگا ۔ (٤٥)

بہر حال آرنلڈ صاحب اور عبد القادر کے سمجھانے سے اقبال نے شاعری کا سلسلہ جاری رکھنے کا جو فیصلہ کیا وہ انکی بڑھتی هوئی فارسیت کا نقیب بن گیا ۔ اب اقبال اپنے موضوع کا تعین کر چکے تھے اور انھون نے شاعری کے باب مین یہ فیصلہ کر لیا تھا :

اٹھ کے ظلمت هوئی پیدا اُفق خاور سے — بزم مین شعلہ نوائی سے اجالا کر دین
اهل محفل کو دکھا دین اثر صیقل عشق — سنگ امروز کو آئینہ فردا کر دین
جلوہ یوسف گم گشتہ دکھا کر ان کو — تپش آمادہ تر از خون زلیخا کر دین
رخت جان بتکدہ چیں سے اٹھا لین اپنا — سب کو محو رخ سعدی و سلیلی کر دین
دیکھ ! یثرب مین هوا ناقہ لیلی بیکار — قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دین
بادہ دیرینہ هو اور گرم هو ایسا کہ گداز — جگر شیشہ و پیمانہ و مینا کر دین

شاعری کے دوسرے دور هی سے اقبال کے یہان بادہ دیرینہ کی گرمی سے جگر شیشہ و پیمانہ و مینا کو گداز کرنے کے ایمانی فکری رویون کا آغاز هو جاتا هے ۔ یوسف زلیخا ، سعدی و سلیلی ، یثرب ، ناقہ لیلی اور قیس جیسی علامتین بتاتی هین کہ اقبال کو اپنی شاعری کا حقیقی قبلہ میسر آ گیا هے ۔ تصور خودی اور تصور عشق کو قبلہ نما کی حیثیت حاصل هو گئی هے ۔ اطاعت ضبط نفس ، اور نیابت الٰہی تربیت خودی کے مراحل ٹھہرے ۔ توحید اور رسالت پر ایمان استحکام خودی کے بنیادی معاون سمجھے گئے اور آئین ملت محمدیہ قران است کا روح بپرور اعلان هوا ۔ جنکی علمی تعبیر زیادہ بلاغت اور گہرائی کے ساتھ اسرار و رموز مین مل جاتی هے ۔ یہ وہ حقائق تھے ۔ جنکی ترویج کیلئے اقبال کو ایرانی تصوف کی شد و مد سے نفی کرنا پڑی اور اس مقصد کے تحت تمام ایرانی ادب کو کھنگالنا پڑا ۔ ڈاکٹر ریاض ایرانی ادب کے اس گہرے مطالعہ پر یون اظہار خیال کرتے هین :

" فارسی زبان و ادب کا ان کا مطالعہ حیرت انگیز حدتک وسیع
تھا ۔ کتنے ھی اساتذہ کے دواوین اور کلیات ان کی نظر سے گزرے
ان مین قدیم و جدید ھر قسم کے شعراء ھین " (٤٧) ۔

صوفیاء مین محی الدین ابن عربی ،امام غزالی ،مجدد الف ثانی اور پھر شاہ ولی
اللہ کی کتب کا مطالعہ جو عربی اور فارسی مین تصنیف کی گئین ھین ۔ سیاست زمانی
کے تقاضون ، تصوف ،تمدن ،شریعت ،کلام پر گہرے عجمی اثرات ، اور پھر اقبالی
موضوعات کی ترجیحات نے اقبال کو شعوری اور لاشعوری طور پر اس بات کی طرف مائل کیا
کہ وہ "حجازی مے" اور "حجازی لے" کو ہندی نغمے کے ساتھ ساتھ عجمی خم مین پیش
کرے ۔ یہی وجہ ھے کہ :

" اقبال کا اردو کلام اردو کے ھر دوسرے شاعر کے مقابلے مین فارسی سے زیادہ
قریب ھے ۔ بلکہ قران مجید کی آیات ،احادیث رسول ،بزرگان دین کے اقوال اور تاریخ
اسلام کی تلمیحات سمونے کی جو روایت اردو نثر نگارون اور شاعرون کے ھان موجود ھے
وہ بھی اقبال اور ان کے ھم سن معاصرین پر تقریبا ختم ھو گئی " (٤٨) ۔

عابد علی عابد اقبال کی فارسیت اور فارسی ذوق کے ضمن مین لکھتے ھین :

" میر حسن شاہ نے جب اقبال کو گلستان ،بوستان ،سکندر نامہ
انوار سہیلی اور ظہوری کی تصانیف پڑھائین تو رسمی انداز
تدریس سے قطع نظر کرکے یہ کوشش کی کہ اقبال کے دل مین فارسی
ادب کا احترام پیدا ھو جائے ۔ اور نتیجۃً اس ذوق سلیم کی تربیت ھو
جس کے بغیر مطالعہ بالکل بیکار اور بیثمر ھوتا ھے "(٤٩) ۔

ذوق سلیم کی تربیت کے سبب فارسیت کے ھی وہ انداز ھین جو ھمین ١٩٠٨ سے ١٩١٠
تک مخزن مین چھپنے والی معروف نظمون مین ملتے ھین ۔ مثلا پیام عشق ١٩٠٨ عبد القادر
کے نام دسمبر ١٩٠٨ (یہ دونون نظمین قیام یورپ کے دوران لکھی گئین) بلاد اسلامیہ
اپریل ١٩٠٩ ، شکریہ ،جون ١٩١٠ گورستان شاھی ، جون ١٩١٠ اور فلسفہ غم ۔ جولائی
١٩١٠ وغیرہ (٥٠) ۔

یہ وہ زمانہ ھے جب تمام کا تمام عالم اسلام یورپی استعمار مین تھا ۔ جنگ طرابلس اور جنگ بلقان

لڑی جا رہی تھی اور ترکی مین عثمانی خلافت کو بچانے کی کوششین انتہا پر تھین ۔ عالم اسلام کی مذہبی، سیاسی، تہذیبی، ثقافتی، اقتصادی اور عسکری حالت دگرگون تھی ۔ اقبال کی نظمین شکوہ، جواب شکوہ شمع و شاعر وغیرہ انھی حالات کے زیر اثر لکھی گئی ۔ پھر خضر راہ، اور طلوع اسلام، (اسلام اور بقائے ملت کا فلسفہ) اور اسی دوران والدہ مرحومہ کی یاد مین (زندگی اور موت کا فلسفہ) جیسی طویل نظمین سامنے آتی ھین ۔ جن مین فارسیت اپنی بھرپور بندشون، حسن تراکیب و حسن الفاظ، تلمیحات اسلامی، اور مشرقی واسلامی روح کے حامل تشبیہات و استعارات کے ساتھ جلوہ فرما نظر آتی ھے گویا

" انکی شاعری کی زبان انکے تصورات کی طرح کا ملاً مسلمان ھے
انکے ھان حرم، کعبہ مسلمان، کافر، دین اور اسی قسم کے مذہبی
الفاظ اپنے اصلی معنون مین استعمال ھوتے ھین " (٥١) ۔

اقبال کی فارسی پسندی اور فارسیت، کی ایک نمایان اور منفرد خوبی یہ ھے کہ انھون نے فکر و احساس اور الفاظ و بیان مین بڑا توازن قائم رکھا ھے ۔ انھون نے عجمی لے مین نطق اعرابی کی پیروی کی ھے ۔ یعنی بات تو فارسی مین کی ھے ۔ مگر عرب کے سید ھے، صریح اور بلیغ انداز میں کی ھے وہ عجمی فکر پر تنقید کرنے کے باوجود عجمی لے کی شیرینی کو وسیلہ اظہار بناتے ھین علامہ عجمی فکر پر یون تنقید کرتے ھین :

" عجمی تصوف سے لٹریچر مین چمک اور حسن پیدا ھو جاتا ھے
مگر ایسا کہ طبائع کو پست کر دینے والا ھے ۔ اسلامی تصوف
دل مین قوت پیدا کرتا ھے اور قوت کا اثر لٹریچر پر ھوتا ھے " (٥٢) ۔

علامہ نے اپنی شاعری مین ھر ممکن طور پر علویت پیدا کرنے کی کوشش کی ھے ۔ انکا پیغام ھمہ گیر اور آفاقی تھا جو اردو کے محدود پیمانے مین نہین سما سکتا تھا جبکہ عجمیت اپنے مزاج مین تکلف، تصنع، نکتہ آفرینی اور نزاکت (٥٤) کے عناصر رکھنے کے ساتھ ساتھ وسیع تر اسلامی دنیا کی زبان تھی ۔ اقبال نے اپنی شاعری مین فارسی زبان کے مزاج کی تمام مثبت خوبیون سے بھرپور استفادہ کیا ۔ اپنی فارسیت اور فارسی پسندی کے ضمن مین اقبال مولانا گرامی کے نام اپنے خطوط مین اکثر اظہار خیال کرتے ھین ۔ کبھی مولانا گرامی کی شاعرانہ فکر و فن اور کبھی فارسی شعراء کے موضوع و اسالیب کی داد دیتے ھین چند تحریرین ملاحظہ ھون :

۳۱ مارچ ۱۹۲۱

" ظہوری کے شعر مین جو تصرف آپ نے کیا ھے لا جواب ھے مولانا

رومی نے بھی اس خیال کو ظاہر کیا ہے ـــــــــــ البتہ
عرفی کے عتاب کو مین حق بجانب سمجھتا ہون ۔ (٥٥)

٣٠ دسمبر ١٩٢١

" سبحان اللہ ایکنہایت طویل و عریض مضمون کو آپ نے ایک
مصرع مین نظم کر دیا ۔ سلطان ابو الخیر کی روح بھی تڑپ
اٹھی ہوگی (٥٦) ۔

١٣ جنوری ١٩٢٢

محمود شبستری نے جن سوالات کا جواب گلشن راز مین دیا
ہے انھی سوالات پر مین نے زمانہ حالہ کے مشاہدات و تجربات
کے لحاظ سے نظر ڈالی ہے (٥٧) ۔

فارسی الفاظ کے استعمال مین اقبال کی نزاکت خیالہ ، باریک بینی اور فنکارانہ جودت اور ناقدانہ
نظر ملاحظہ ہو ۔

١٧ فروری ١٩٢٢

" اس مطلع مین خیال کا لغظ مجھے بھی کھٹکتا ہے مگر بہار رخش ،
بھی لطیف نہین ، قدم کشا کے ، پر اعتراض ہو تو " دمے مانیست ،
یک خرام ، ہو سکتا ہے مجھے تو قدم کشا کے ہی خوب معلوم ہوتا
ہے آپکی کیا رائے ہے ۔ (٥٨) ۔

فارسی اور فارسیت سے اسقدر گہری دلبستگی کے سبب اقبال کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے

١٨ جنوری ١٩١٥

" اردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہوتا جاتا ہون ۔
فارسی کی طرف زیادہ میلان ہوتا جاتا ہے اور وجہ یہ کہ دل کا
بخار اردو مین نکال نہین سکتا " (٥٩)

اقبال کی شاعری تمام کی تمام مذہب ، تصوف ، فلسفے اور علم کلام پر مشتمل ہے ۔ اردو زبان
ابھی اتنی نکتہ رس اور دقیقہ سنج نہین ہوئی تھی کہ ان بھاری حکیمانہ موضوعات کا بوجھ
تن تنہا اٹھا سکتی ۔ وہ اپنی بقا ، ہمہ گیریت اور تاثر انگیزی کیلئے ابھی تک فارسیت کی محتاج
تھی ۔ چنانچہ اقبال نے اردو زبان کی اس احتیاج کو بدرجہ اتم اور بدرجہ کمال پورا کیا ۔ اردو

زبان ابھی زیر تعمیر تھی اور اقبال سمجھتے تھے کہ :

" جو زبان ھمه وجوہ کامل ھو اور ھر قسم کے ادائے مطالب پر قادر ھو اس کے محاورات و الفاظ کی نسبت تو اس قسم کا معیار خود بخود قائم ھو جاتا ھے لیکن جو زبان ، ابھی زبان بن رھی ھو اور جس کے محاورات و الفاظ جدید ضروریات کو پورا کرنے کیلئے وقتا فوقتا اختراع کیے جا رھے ھون ۔ اسکے محاورات وغیرہ کی صحت و عدم صحت کا معیار قائم کرنا میری رائے مین محالات مین سے ھے " (۶۰) ۔

اقبال اور لفظیاتی نفسیات کا ادراک :

جب ھم کلام اقبال کا مطالعه کرتے ھین تو ھمین انکی لفظیات اور فکریات مین گہری ھم آھنگی ، توازن ، تناسب مین روان دوان مسحور کن اثر انگیزی ملتی ھے ۔ حکیمانه ، فلسفیانه ، مذھبانه اور صوفیانه افکار ، جذب و احساس کی صداقت اور شاعر کے فنکارانه اخلاص سے ملکر اظہار مین تہه در تہه جلالی و جمالی وصف کو منظر شعر پر نمایان کرتے ھین بقول ڈاکٹر سید عبد الله :

" اقبال کا کلام حکیمانه اور عارفانه مباحث سے معمور ھے مگر ان مباحث کو انھون نے جس بدیع الاسلوبی اور ھنر وری سے عاشقانه اور جذباتی الفاظ اور اسالیب مین جذب کیا ھے ۔ وہ ان کی اعلی صلاحیتون کا ناقابل تردید ثبوت ھے " (۶۱) ۔

اقبال کی شعری لغظیات گہرا روائتی شعور اور تہذیبی و ثقافتی پس منظر رکھتی ھے جس مین مزاج کے اعتبار سے ھندی کی نرماھٹ ، فارسی کی شستگی اور عربی زبان کی بلاغت بیک وقت کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر سموئی گئی ھین :

" انھون نے فارسی شاعری کے وسیع ذخیرہ الفاظ مین صدھا ایسے جذباتی پیرائے انتخاب کیے جو سوچ اور احساس کے نئے پیمانون مین سما سکنے کی استعداد رکھتے تھے ۔ ان کے یه منتخب الفاظ ایسے تھے جو ھمارے عصری احساسات کی تسکین کی کامل اھلیت رکھتے تھے ۔ اور بقدر ضرورت ھماری حیات فکری کے ترجمان بھی ھو سکتے تھے " (۶۲)

اقبال کا نظریه تھا کہ " فن کا پہلا اصول یه ھے که اسکا ھر لفظ نفسانیت کے جوش سے مبرا ھو " (۶۳) اقبال اپنی لفظیات فکری اور احساسات شعری کے اعتبار سے غزل سے زیادہ نظم کا مزاج لیے آئے تھے ۔ اگرچه فارسی شاعری اور اسکی تقلید مین اردو شاعری جو اپنی عظمت و برتری و

وجدائی شعور اور تاریخی بصیرت کا بیمثل ادراک رکھتی تھی اور جس نے نفسیات ، فلسفے، ریاضی ،سائنس مذھب ، علمِ کلام اور دیگر سماجی مسائل کو اپنےاندر سمونے کی صلاحیت کا ثبوت بھی دیا تھا ۔ مگر پیچیدہ مسائل کو نظم کی بلاغت کے ساتھ منظرعام پر لا کر حل کرنیکا شعور عطا کرنے کی صلاحیت اس مین موجود نہین تھی ۔ لفظ اور موضوع کے نفسیاتی اور بیکران رمزی، ایمائی ، کنائی اور اشاری پہلوؤں کا شعور بھی اقبال کی فارسیت کا معاون ثابت ھوا ۔

اگرچہ لفظ کی نفسیاتی اساس کا شعور توکسی بھی زبان کی شاعری مین ھمشیہ سےموجود رھا ھے ۔ مگر اسکا انحصار زیادہ تر شعراء کے سلیقہ اظہار اور اختراع الفاظ پر رھا ھے تراکیب اور اضافتین ، ضمائر تذکیر و تانیث ، حرکی اور ساکن رموز لفظی ، وزن ، روان دوان بحرین ، ردیف اور قافیون کی فکری ھم رشتگی شاعری کی ھیت ، شکل و صورت اور شبیہہ کو بنانے مین بڑی اھمیت رکھتی ھے ۔ اقبال نے اس ضمن مین فارسی بندشون اور تراکیبون سے بھرپور استفادہ کرتے ھوئے زبردست اجتہادی صلاحیتون کا مظاھرہ کیا ھے ۔ علامہ کی شاعری پر ایک سرسری نظر بھی ڈالین تو ابلاغی صداقت اور فکری جلال و جمال کے بہت سے پیرائے سامنے آتے ھین ۔ مثلاً پیغام حرکت و صداقت اور شان خلیل ،کی امین ایک چھوٹی سی نظم 'شاعر' ملاحظہ ھو :

جوئے سرود آفرین آتی ھے کہسار سے پی کے شراب لالہ گون مےکدہ بہار سے
پھرتی ھے وادیون مین کیا دخترخوش خرام ابر کرتی ھےعشق با زبان سبزہ مرغزار سے

اور

شان خلیل ھوتی ھےاسکےکلام سےعیان کرتی ھےاسکی قوم جب اپنا شعار آزری
اھل زمین کو نسخہ زندگی دوام ھے خونِ جگر سے تربیت پاتی ہےجو سخنوری (٦٤)

ان چار شعرون مین فطرت کی نظارگی حسن کےساتھ دلون مین اترتی ھوئی بلاغت صرف اور صرف فارسیت کی وجہ سے ھے اقبال نےفارسی بندشون اور تراکیب کی مدد سےلفظون کو مجسم نہین کیا ۔ بلکہ شاعری کی سکرین پر معنویت سےبھر پور متحرک روان دوان پیکر تراشے ھین ۔ ھم اقبال کی فارسیت مین لفظون کو پڑھتے ھی نہین بلکہ لاشعور کے پردے پر انکی معنوی گہرائی کی انگلی پکڑ کر حال سےماضی اور مستقبل کی طرف سفر شروع کر دیتے ھین ۔ حال اس سفر مین پل کا کام دیتا ھے ۔ اس لامکانی و لا زمانی سفر مین اقبال کی جودت فکر کی بجلیان ھماری ھمسفر ھوتی ھین جو فکری احساساتی ابہام کے اندھیرون مین ھمارا ساتھ دیتی ھین ۔ سید باقر حسین

رضوی کہتے ھین :

> الفاظ کے مفہوم اور محل استعمال کو مشخص کرنے سے ادائے
> خیال مین صحت پیدا ھوتی ھے " (٦٥)

اقبال کا کمال یہ ھے کہ انھون نے الفاظ کو مشخص ھی نہین کیا بلکہ متحرک بھی کیا ھے ـ
اسی ضمن مین کلیم الدین احمد کا خیال ھے کہ :

> " ھر لفظ کا ایک پیکر ھوتا ھے ـ اس کو ھم بولتے ھین تو
> اسکی ساخت کو ھم منہ مین محسوس کرتے ھین ـ سنتے ھین
> تو ایک خاص صوتی کیفیت کا احساس ھوتا ھے ـ سوچتے ھین
> تو اندرون آنکھون کو اسکا خاص صوری پیکر نظر آتا ھے " (٦٦)

پورا نظام حیات الفاظ کا محتاج ھے ـ اس مین ھر زبان کے حروف تہجی کو خاص اھمیت حاصل
ھے ـ جنکا اپنا ایک محسوساتی ، تاریخی ، نفسیاتی ، سماجی اور ابلاغی تاثر ھوتا ھے ـ
عربی ، فارسی اور اردو حروف تہجی براہ راست اور بالواسطہ طور پر اپنا ایک مسلسل تاریخی ،
تہذیبی اور محسوساتی نظام رکھتے ھین ـ جنکا الگ الگ ابلاغی تاثر ھے ـ مثلا کچھ حروف
سنجیدہ اور خشک ھوتے ھین مثلا ب ، ت ، ج ، ح کچھ حروف پاکیزہ پاکیزہ اور تحرک
پسند ھوتے ھین مثلا ص ـ ض ـ ط ـ ظ ، ع ، غ ـ کچھ حروف محسوساتی
طور پر پھتریلے اور دیہاتی ھوتے ھین مثلا ڈ ، ڑ ، ٹ (یہ حروف غیر عرب ھین) کچھ
انا پرست ھوتے ھین ـ جو عموما لسانیات کی دنیا مین کم معاونت کرتے ھین مثلا ث ، ژ
وغیرہ ـ کچھ متوازن احساس بڑائی کے حامل ھوتے ھین مثلا ف ـ ق ، ل ، کچھ حروف
تو ھوتے ھین ـ مگر بھلے مانس نہین لگتے مثلا پ اور چ (یہ بھی غیر عرب ھین) کچھ
خاموش طبع اور سکون بخش جیسے ، خ ـ س ـ کچھ اداس اداس اور تنہا تنہا سے
لگتے ھین مثلا ا ، و ، ہ ـ کچھ ھر جگہ مگر کہین نہین کے مصداق ھوتے ھین ی ـ ے
، ء ، وغیرہ ـ اور کچھ م ، ن اور ش کی طرح شوخ مترنم اور موہ لینے والے ھوتے ھین ـ
اس مفہوم مین " ش " ، تو اپنے اندر بےپناہ کشش رکھتا ھے ـ (٦٧) ـ

لسانیاتی نظام کی تعمیر مین تمام حروف اپنا کردار ادا کرتے ھین اور فرد قائم
ربط ملت سے ھے تنہا کچھ نہین ، کے مصداق لفظ سازی مین اپنے اپنے محسوساتی ، صوتی اور
اور صوری نظام کے تحت اپنا لسانی فرض نبھاتے ھین جبھی تو :

"لسانیات کے ماهرون نے حروف تہجی کو ذهنی ، حسی اور فکری روایت کی تاریخ اور اصول ارتقاء کے مطالعه کا پہلا صحیفه کہا هے (٦٨) ـ

حروف تہجی سے وجود مین آنے والے لفظ کے لسانی تفکر کے بارے مین ساحل احمد اظہار خیال کرتے هوئے لکھتے هین :

" دراصل هر لفظ کسی نه کسی موضوع یا فکر سے وابسته تاریخ هے اور تاریخ ، وقت اور ماحول تہذیب و معاشرت ، سیاست و حکومت مذهب و انسانیت کے داخلی و خارجی محرکات کی پیروی کرتی هے اور اسی کے سانچے مین اپنی حیثیت و نوعیت کا احاطه کرتی هے" (٦٩) ـ چنانچه فکر کو مرتکز رکھنے مین الفاظ کا انتخابی هونا شرط هے (٧٠) ـ

علامه اقبال نے حرف اور لفظ کے اس ترکیبی وانتخابی رشتے کو خوب نبھایا هے انکی لفظیات اور فکریات ایک دوسرے مین جذب هین ـ انکے قاری کیلئے یه بات مشکل هے که وه فکر کو لفظ سے الگ دیکھے ـ اقبال کو حرف اور لفظ کے محسوساتی نفسیاتی تاریخی اور تہذیبی نظام کا مکمل ادراک هے انکی شاعری مین تاریخ اور زمان و مکان للّٰهی حقیقتین هین جو ضمیر حیات کی سربستگی کو مسلسل آشکار کر رهی هین ـ متناهی اور محدود خودی کو لا محدود اور لا متناهی خودی مین جذب کرنے کے ارتقائی عمل سے دوچار هے ـ اقبال نے اپنے همه جہت موضوع کیلئے الفاظ کے انتخاب مین اجتهاد سے کام لیا هے ـ اگرچه انکے هان حسب موضوع هر قسم کے الفاظ مل جاتے هین مگر سنجیده ، متین اور مترنم اور کہین کہین شوخ لفظون کے استعمال نے اقبال کے نظام ابلاغ اور نظام احساس کو زیاده اثر انگیزی اور فکری گہرائی عطا کی هے ـ

اقبال کی فارسیت نے تراکیب سازی ، اضافتون اور تشبیہات و استعارات کی مدد سے لفظون کو وه تاریخی اور تہذیبی مفہوم عطا کر دئے هین که لفظون سے متعلق تاریخ کا ایک مکمل دور هماری نظرون کے سامنے مصور و متحرک هو جاتا هے چند مصرعے اور شعر ملاحظه هون

کیا نہین اور غزنوی کار گہه حیات مین (٧١)

قافله حجاز مین ایک حسین بھی نہیـن (٧٢)

فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقـــاب (٧٣)

عشق تمــام مصطفیٰ ، عقل تمام بولہب (۷٤)
صحبت اهل صفا نور و حضور و سرور (۷۵)
سر خوش و پرسوز هے لاله لب آبجـــو

اسی طرح مسجد قرطبه کے ابتدائی شعر دیکھئے :

سلسله روز و شب نقش گر حادثــات
سلسله روز و شب اصل حیات و ممــات
سلسله روز و شب تارِ حریر دو رنگ
جس سے بناتی هے ذات اپنی قبائے صفات
سلسله روز و شب سازِ ازل کی فغــان
جس سے دکھاتی هے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا هے یه مجھ کو پرکھتا هے یه
سلسله روز و شب صیـــــــــرفیٔ کائنات (۷٦)

پہلے مصرع مین غزنوی ، اسلامی تاریخ کی ایک بھرپور عسکری بت شکن قوت هے اور کار گہه حیات ، یہان محض عمومی یا اسم نکره کے معنی مین نہین بلکه اسم معرفه کے طور پر استعمال هوا هے جس مین حیات اپنی خیر و شر کی قوتون کے ساتھ حیات کے گروهی ، نسلی ، اور مذهبی انتشار کو واضح کرتی هے ۔ زمانے مین آزری مزاج کی تجدید نے غزنوی کی تڑپ مین شدت پیدا کر دی هے ۔ اقبال کو یقین هے که جب سومنات زمانے مین تیزی سے پنپنے لگتے هین تو غزنوی کا عالم وجود مین آنا یقینی هو جاتا هے ۔ آپ ان تمام اشعار کو پڑھتے چلے جائین ۔ آپکو فارسیت کی قبا، حجازی تفکر کا غلبه اور عشق کی آفاقیــت اور بھی زیاده موثر اور بلیغ دکھائی دے گی ۔ اقبال کے مذکوره تمام شعر بھرپور فارسیت کے حامل هونے کے باوجود اپنی بے ساخته روانی کے اعتبار سے اردو هی کے شعر لگتے هین ۔ اسلوب پر اقبال کی مضبوط گرفت کی وجه انکا خلوص فکر ، انکے جذبه عشق و خودی کا آفاقی پس منظر ، اور انکے جذب و احساس و ادراک کا روحانی نظام هے ۔ اقبال نے ٹھیک هی کہا هے

"میری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
که فطرت خود بخود کرتی هے لالے کی حنا بندی" (۷۷)

علامہ اقبال کےفکر و فن کی اس فطری ساخت وپرداخت نے اسکی شاعری مین علویت پیدا کردی تھی اور علویت اعلی دماغ کی صدائے بازگشت ھے (۷۸) اورکسی پوشیدہ قوت سے ھماری روحون کو بلند کرتی ھے (۷۹) ۔ اقبال کی شاعری مین "کاملیت ، وحدت اور مواد وھیت کا اٹوٹ رشتہ ھے ۔ (۸۰) اسکی وجہ اسکا گہرا مذھبی شعور ھے جو اپنے فارسیت اورعربیت سے مزین اسلوب بیان کے ساتھ وجود مین آیا ھے ۔ ایسا اسلوب و بیان جس سے نہ صرف اسلامی دنیاون کو بیدار کرنا مطلوب تھا ۔ بلکہ غیر مسلمون پر بھی شکوہ مسلمانی اور عظمت اسلامی کو بہ طرز جدید منکشف کرنا تھا ۔ اقبال کو اس علمی و تاریخی حقیقت کا ادراک تھا کہ " فن مذھب کیساتھ عوام کےاحساسات کوتشکیل دینے کا سب سےاھم ذریعہ ھے (۸۱) ۔ اور یہ کہ اچھے فن مین یہ صفت ھونی چاھیۓ کہ وہ ایک قوم کو متاثر کرکے بدل سکے (۸۲) ۔ اقبال شاعر سےمتعلق اپنا فکری و فنی نقطہ نگاہ یون بیان کرتے ھین ۔

سینہ شاعر تجلی زار حسن	خیزد از سینائے او انوار حسن
خضر در ظلمات او آبحیات	زندہ تر از آب چشمش کائنات (۸۳)
کاروانہا از درایش گام زن	درپئے آواز نالیش گام زن
اھل عالم را صلا بر خوان کند	آتش خود را چو باد ارزان کند (۸٤)

اقبال کا اسلوب بیان کیونکہ مذھبی ادراک سےپیدا ھوا ھے ۔ اس لئے کسی قدر عام فہم ھے ۔ مذھبی ادراک کے معنی ھین خدا سے انسان کا رشتہ جس کے ذریعے انسان خدا سے اور انسان، انسان سے متحد ھو جاتا ھے (۸۵) ۔ ٹالسٹائی کےخیال مین انفرادیت ،صفائی اور خلوص (۸٦) اچھے فن کی بنیادی صفات ھین ۔ اقبال کے موضوع اور فکر مین یہ تینون خوبیان موجود ھین ۔ لان جائنس اعلی فن کی تعریف مین علویت کے پانچ مخرج گنواتے ھوئے لکھتا ھے :

" شاندار طرز کے پانچ مفید مخرج ھین اور یہ پانچون قدرت زبان کی مشترک بنیاد پر قائم ھین ۔ پہلا اور اھم مخرج عظیم تصورات کو تشکیل دینے کا ملکہ ھے دوسرا محرک طاقتور اور الہامی جذبہ ھے ۔ علویت کے یہ دونون عناصر زیادہ تر پیدائشی ھوتے ھین ۔ باقی عناصر فن کی پیداوار ھوتے ھین ۔ یعنی دو قسم کے صنائع ۔ صنائع معنوی اور صنائع لفظی

کی موزون ترتیب اور اسی کے ساتھ ایک اعلی طرز ادا کی تخلیق ،
جو انتخاب الفاظ ، امیجری کے استعمال اور اس اسلوب سے
جو محنت سے بنا کر مکمل کیا گیا ہو پیدا ہوتا ہے ــ علویت کا
پانچوان مخرج جو ان سب کا احاطہ کرتا ہے ـــــــ وہ مجموعی
تاثر ، ہے جو رفعت اور وقار سے پیدا ہوتا ہے " (۸۷) ــ

اقبال کے اسالیب ہائے شعری مین مذکور تمام خوبیان موجود ہین ــ اسکے عظیم تصورات ، طاقتور الہامی جذبے امیجری اور مجموعی تأثر معرب ہین تو صنائع لفظی و معنوی ، اعلی طرز ادا ، انتخاب الفاظ خالصتاً مفرس ہین ــ اقبال کی شاعری کے تناور درخت کو اسلام کے شاندار ماضی نے تخلیق کیا ہے ــ تخلیق کا یہ عمل براستہ ایران ، افغانستان برصغیر اور اقبال تک پہنچا ہے ــ کیونکہ فارسی کا عربی سے براہ راست تعلق قائم ہوا تھا چنانچہ عربی کے لسانی ، فکری ، نظریاتی ، مذہبی ، احساساتی اور جذباتی رویون کو فارسی بولنے والون نے کچھ اس طرح مفرس کیا کہ اہلیان برصغیر کی نگاہین لسانی و فکری اعتبار سے فارسی اور فارسیت پر ہی مرکوز ہو کر رہ گئین ــ وجہ اسکی برصغیر والون کا فارسیت سے براہ راست رابطہ تھا ــ اقبال کا فکری و فنی کمال یہ ہے کہ فنی اعتبار سے انہون نے فارسی سے بھر پور استفادہ کیا اور فارسیت کو اپنایا مگر فکری اعتبار سے انکی اجتہادی و ایمانی نظر فارسیت کے اس طرف عرب کے غلاف کعبہ پر مرتکز ہے جو اقبال کے نزدیک دنیا کے تمام عظیم انقلابات کا مرکز و منتہا ہے ــ انکے خیال مین :

فکر صالح در ادب می بایدت — رجعتے سوئے عرب می بایدت (۸۸)
دل بہ سلمائے عرب باید سپرد — تا دمد صبح حجاز از شام گرد (۸۹)

کیونکہ یہی وہ مرکز ہے جہان سے مسلسل انعکاس نور ہو رہا ہے ــ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی تمام تر تشبیہات ، استعارات ، علامات ، اصطلاحات ، تلمیحات ، فارسیت کے غلبے کے باوجود متحرک اسلامی مفاہیم کی حامل ہین :

" اقبال شاعر حیات ہے اس نے اپنے کلام مین سوز و ساز زندگی کے
موضوع کو نہایت لطیف اور نادر استعارون اور تشبیہون مین بیان
کیا ہے ــ فارسی اور اردو مین اس نے سب سے پہلے اس موضوع پر
خامہ فرسائی کی " (۹۰) ــ

تراکیب اضافتین ، بند شین اور اقبال کی فارسیت

اقبال کو اپنے بسیط اور ہمہ گیر موضوع کے اظہار کیلئے قدم قدم پر اضافتوں اور تراکیب کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھین اپنے اظہار کو بلیغ بنانے کیلئے فارسیت کو بروئے کار لانا پڑا ۔ کہ پھیلے ہوئے مضامین کو سمیٹنے کا یہی طریقہ تھا ۔ اقبال کی اردو کتب سے ترتیب وار کچھ مثالین ملاحظہ ہون :

عروق مردۂ مشرق (۹۱) کتاب ملت بیضا (۹۲) غبار آلودہ رنگ و نسب (۹۳) خروش آموز بلبل (۹٤) جوئے شیرو تیشہ و سنگ گران (۹۵) گر می گفتار اعضائے مجالس (۹٦) شہید نغمہ مستانہ (۹۷) طلسم ماہ سیمایان ہند (۹۸) اے پیمانہ بردار خستان حجاز (۹۹) خلاق آئین جہان داری (۱۰۰) مثل چراغ لالہ صحرا (۱۰۱) آسودہ دامان خرمن (۱۰۲) نا امید نور ایمن (۱۰۳) برتراز سود و زیان (۱۰٤)

ازبانگ درا

غم کدہ رنگ و بو (۱۰۵) پرکالہ آتش (۱۰٦) زیر فلک مطلع انوار (۱۰۷) جامہ عقل و خردکان روپو (۱۰۸) مین فقیر بے کلاہ و بے گلیم (۱۰۹) فاتح عالم خوب و زشت (۱۱۰)

ازبال جبریل

عالم مشرق کا جنیوا (۱۱۱) مردہ لا دینی افکار (۱۱۲) خدنگ سنیئہ گردون (۱۱۳) خون ترک معمار (۱۱٤) پیغام حیات ابدی (۱۱۵) مردہ دیرینہ قاش قاش (۱۱٦) برّہ معصوم کی تلاش (۱۱۷) داشتئہ پیرک افرنگ (۱۱۸)

از ضرب کلیم

مومن کی تیغ بے نیام (۱۱۹) طواف و حج کا ہنگامہ (۱۲۰) ساکنان عرش اعظم (۱۲۱) روح مزدک کا بروز ہمسر شاہین و چرغ (۱۲۲) سلطانی جمہور کا غوغا (۱۲٤) آدم یزدان صفات (۱۲۵)

از ارمغان حجاز اردو

مذکورہ تمام بسیط معانی کی حامل تراکیب اضافتین اور بند شین اپنے اندر بھرپور تشبیہاتی

اور استعاراتی حسن بھی رکھتی ھین — اور یہی اقبالی اسلوب کی خوبی ھے کہ وہ
اضافتون کی مدد سے تشبیہات واستعارات اور رمز و ایما وکنایہ کو بیک وقت اکھٹا
کرکے حسن بیان کا ایک منفرد اور بےمثال انداز پیدا کردیتے ھین بقول مصنف روح اقبال

" اقبال تشبیہات کا بادشاہ ھے —— مضمون کی طرفگی اور حسن
کو اپنی تشبیھون سے دوبالا کر دیتاہے (١٢٦) —— " اسکی شاعری کا
کمال اسکی رمزیت اور کنائے مین مضمر ھے — لیکن وہ مغربی رمزیت کی گی
طرح قدیم ادبی روایات کو کلیتاً ترک نہین کرتا اور نہ اپنے کلام کو
چسیتان بناتا ھے " (١٢٧)

دراصل اقبال :

" اپنے آرٹ کے ذریعے اجتماعی وجدان کی صلاحیتون کو بروئے کار لانا
چاھتا ھے — وہ آرٹ کی مہمیز سے اپنے ھمرہان سست عناصر کو
منزل مقصود کی جانب تیز گام دیکھنے کا متمنی ھے " (١٢٨)

ساحل احمد اقبال کی لسانی وفنی تیکنیک پریون اظہار رائےکرتے ھین :—

" اقبال کی اضافتین ، تشبیہات و استعارات کی قائم مقام
بھی ھین جن کے باعث شعری حیثیت مین بہ مقابلہ تشبیہات
و استعارات زیادہ کیفیت جاگزین ھوتی ھے " (١٢٩) —

سکتون ، حرکتون ، سوالیہ اور خطابیہ اسلوب کی تیکنیک اور اقبال کی فارسیت

اقبال کا اسلوب فکر اور اسلوب بیان کوزے مین دریا بند کرنے کا اسلوب ھے
فارسی زبان مین یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ھے — اقبال سکتون ، حرکتون ، سوالیہ اور
خطابیہ لسانی تیکنیک کی مدد سے تشکیل شدہ ایک ایک مصرع مین دعوت فکر بھی دیتے ھ
اور اپنے قاری کی توجہ تاریخ کے اوراق کی طرف منتقل کرتے ھوئے دعوت تحقیق بھی ، عزیز
احمد نےٹھیک ھی کہا ھے کہ :

" اقبال کا پورا کلام پڑھنے کے بعد اقبال کے اطراف مین بہت کچھ پڑھنا

پڑتا ھے ۔ رومی ، نطشے ، برگسان ، الجیلی ، یونانی فلسفہ ، اسلامی فلسفہ ، قدیم ھندو فلسفہ ، جدید یورپی فلسفہ ، جرمن ، اطالوی ، انگریزی شاعری ، فارسی غزل ، اردو غزل اور سب کچھ پڑھنے کے بعد پھر اقبال کو پڑھئے تو ضرورت محسوس ھوتی ھے کہ ابھی اور بہت کچھ پڑھنا ھے " (۱۳۰)

اقبال کی مذکورہ لسانیاتی تیکنیک کی چند مثالین ملاحظہ ھون :

تیری نسبت براھیمی ھے ، معمار جہان تو ھے (۱۳۱)

وہ شعلہ روشن تیرا ، ظلمت گریزان جس سے ھے (۱۳۲)

شیدائی غائب نہ رہ ، دیوانہ موجود ھو (۱۳۳)

شکوہ تیر کمانی ، ذھن ھندی ، نطق اعرابی (۱۳٤)

خدا کا آخری پیغام ھے تو ، جاودان ھو جا (۱۳٥)

آہ یہ دنیا ، یہ ماتم خانۂ برنا و پیر (۱۳٦)

وہ کیا تھا زور حیدر ، فقر بوذر ، صدق سلمانی (۱۳۷)

از بانگ درا

لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب (۱۳۸)

تمدن ، تصوف ، شریعت کلام (۱۳۹)

یہ موج نفس کیا ھے ، تلوار ھے (

خودی کیا ھے ، تلوار کی دھار ھے (۱٤۰)

ھمدم دیرینہ ، کیسا ھے جہان رنگ و بو (۱٤۱)

اسکے حق مین تقنطوا اچھا ھے یا لا تقنطو (۱٤۲)

از بال جبریل

زمانہ ایک ، حیات ایک ، کائنات بھی ایک (۱٤۳)

وہ چاند ، یہ تارہ ہے ، وہ پتھر ، یہ نگین ہے (١٤٤)

اگرچہ پیر ہے آدم ، جوان ہیں لات و منات (١٤٥)

معجزہ اہل فکر ، فلسفہ پیچ پیچ (١٤٦)

معجزہ اہل ذکر ، موسیٰ و فرعون و طور (

از ضرب کلیم

کیا امامان سیاست ، کیا کلیسا کے شیوخ (١٤٧)

مزدکیت فتنہ فردا نہین ، اسلام ہے (١٤٨)

یہ پریشان روزگار ، آشفتہ مغز ،آشفتہ مو (١٤٩)

اے سرافیل ، اے خدا کے کائنات ،اے جان پاک (١٥٠)

یہ علم ، یہ حکمت ، یہ سیاست ، یہ تجارت (١٥١)

از ارمغان حجاز اردو

ایک جہان معانی اور جہان تحقیق ہے جو ان چند مصرون مین سمودیا گیا ہے ـ ایک ہی مصرع مین اقبال سوال بھی اٹھاتے ہین اور جواب بھی دیتے ہین ـ اور سکتون کی مدد سے بسیط مضامین ایک ایک مصرع مین ادا کر دیتے ہین ـ جوکسی عمومی فکر شاعر کے بس کی بات نہین ہے اسکے ساتھ ہی اقبال نے الفاظ سے جوصوتی حسن اور صوری پیکر تخلیق کیے ہین ـ وہ اقبال کے فکر و نظر کی ہم آہنگی کا کمال ہے ـ یہ تو چند گنتی کی مثالین ہین اقبال کی ساری شاعری اس جودت فکر وکمال کی آئینہ دار ہے ـ اسکی وجہ اقبال کا ذوق جمال ہے جو فکر کے تحت الشعور اور لاشعور سے برآمد ہوکر انکے موضوع و اسلوب کا جزو لا ینفک بن جاتا ہے ـ انھون نےفکر تازہ کو اسلوب تازہ مین سمونےکی کامیاب کوشش کی ہے

شعری تلمیحات اور اقبال کی فارسیت

اقبال کی فارسیت کو نمایان کرنے مین انکی تلمیحات کا بھی کافی عمل دخل ہے ـ اقبال تلمیحات جو زیادہ تر ماضی کےشاندار دفینون سے برآمد کی گئی ہین ـ جن کے سلسلے اکثر و بیشتر سرزمین عرب وعجم سے جا ملتے ہین ـ

" اقبال کی تلمیحات ان کی تاریخ بینی متصوفانہ فکر اور دینوی انہماک کی صحت مند علامت ہین ۔ اور جس طرح انھون نے وسیع بنیادون پر انکے برتنے کا اصول ملحوظ رکھا ھے وہ انکی قادرانہ بصیرت اور عالمانہ شعور آگہی کے مظاہری اوصاف ہین ۔ (١٥٢)

اقبال کے گہرے تاریخی شعور ، فکر و فلسفے کا ہمہ جہتی مطالعہ ، تاریخ ادیان عالم کے بسیط تقابلی جائزے ، مشرق و مغرب کے شعر و ادب کے فکری و نظریاتی اسالیب کی درون بینی ، اور سب سے بڑھ کر قرآن ، حدیث اور فقہ کے گہرے ادراک نے اقبال کو محض ملائے خشک ، حکیم بے منزل بنانے کے بجائے بیک وقت فلسفی شاعر یا شاعر فلسفی بنا دیا ۔ اقبال کی شاعری کے فکری و فنی پہلو بتاتے ہین کہ اقبال کو اپنی جمالیاتی حسون کا مکمل ادراک تھا ۔ اقبال کی تلمیحات جہان انکی مومنانہ بصیرت کی گواہی دیتی ہین وہان انکے عالمانہ شعور اور جمالیاتی احساس کو بھی نمایان کرتی ہین ۔ انھون نے اپنی تلمیحات کا انتخاب زیادہ تر قرآن ، پیغمبرون کی مذہبی و روحانی دنیا سے کیا ھے ۔ قرآن اور پیغمبر جو سرتاسر لامتناہی خودی یعنی خدا کے جلال و جمال کی عظمتون اور خلاقی کے مظہر ہین ۔ اسکے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین اور دیگر اولیاء و اصفیا بھی اقبال کے پیش نظر رہے ہین ۔ مذہبی تلمیحات کے ساتھ تاریخی تلمیحات بھی اقبال کے ہان موجود ہین ۔

اقبال پیغام عمل اور جہد مسلسل کا شاعر ھے ۔ اسکے فکر و فلسفے مین کہین بھی ٹھہراؤ یا جمود کی کیفیت نہین ملے گی ۔ کیونکہ وہ تو ہر قدم پر " تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست " (١٥٣) کا حوصلہ بخش پیغام دیتا ھے ۔ انکی تلمیحات انکے اسی جذب و احساس اور شعور و ادراک کی آئینہ دار ہین ۔ مثلاً :

" کشتئی مسکین وجان پاک و دیوار یتیم (١٥٤) علم موسیٰ (١٥٥) سرآدم (١٥٦) رمز آیة ان الملوک (١٥٧) ، ضمیر کن فکان (١٥٨) ، آگ ھے، اولاد ابراھیم ھے ، نمرود ھے (١٥٩) چشم جہان بین خلیل (١٦٠) طلسم سامری (١٦١) بتان آزری (١٦٢) خاک حجاز (١٦٣) گرفتار ابوبکر و علی (١٦٤) شاخ ہاشمی (١٦٥) براھیمی نظر (١٦٦) وقد کنتم به تستعجلون ، یاجوج و ماجوج (١٦٧) تفسیر حرف ینسلون ، لیس للانسان الا ما سعی (١٦٨) از بانگ درا

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کراری (١٦٩) مولائے یثرب ،
(١٧٠) مثل کلیم (١٧١) ارنی ــ حدیث کلیم و طور (١٧٢)
دبدبہ نادر ، شوکت تیموری (١٧٣) حیرت فارابی ، تاب و
تب رومی (١٧٤) نکتئہ لولاک (١٧٥) صدق خلیل ، صبر حسین
(١٧٦) گنبد آبگینہ رنگ مراد رسول اکرم کی ذات مبارک (١٧٧)
عشق تمام مصطفیٰ ، عقل تمام بولہب (١٧٨) کلیم بوذر و دلق
اویس و چادر زہرا (١٧٩) سبیل ختم الرسل (١٨٠) مولائے کل
(١٨١) فروغ وادی سینا (١٨٢) لغت ہائے حجازی (١٨٣)
مثل کلیم (١٨٤) طائر لاہوتی (١٨٥) ــ بال جبریل :

حرف لا تدع مع اللہ الٰہا آخر (١٨٧) اسکندر و چنگیز (١٨٨)
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام (١٨٩) مجذوب فرنگی (١٩٠)
صفت سورۂ رحمن (١٩١) وصال مصطفوی ، افتراق بولہبی
(١٩٢) انا الحق (١٩٣) مکالمات فلاطون (١٩٥)
مقام محمود (١٩٦) لن ترانی ، صاحب تحفۃ العراقین
(١٩٧) حرف قل العفو (١٩٨) الحکم للہ ، الملک للہ (١٩٩)

ضرب کلیم (١)

علم کلام (٢٠٠) کلیم بے تجلی ، مسیح بے صلیب ، در بغل
دارد کتاب (٢٠١) رومۃ الکبریٰ ، آل سیزر (٢٠٢) یادگار
کمالات احمد و محمود (٢٠٣) موج نیل و فرات ، تمام لات و
منات (٢٠٤) نور لا الہ (٢٠٥) سکندرانہ جلال (٢٠٦)
شکوہ پرویز (٢٠٧)

از ارمغان حجاز اردو

آپ اگر مذکورہ چند تلمیحات پر سرسری نگاہ بھی ڈالیں گے تو موضوع اور اسلوب کا ایک مکمل خاکہ آپکے شعور و فہم میں مرتب ہو جائیگا ــ اور اقبال کا وہ مقصد تخلیق واضح طور پر سمجھ آ جائیگا ــ جسکے پیش نظر اقبال نے کہا تھا :

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوئے قطار می کشم ناقہ بی زمام را (۲۰۸)

اپنے ایک خط مین اسی خیال کو انھون نے یون تحریر کیا :

۳ ستمبر ۱۹۱۷

" میرا مقصد کچھ شاعری نہین بلکہ مین چاھتا ھون کہ ھندوستان کے مسلمانون مین احساس ملّیہ پیدا ھو جو قرون اولی کے مسلمانون کا خاصا تھا ۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبارت ھے نہ کہ شہرت ۔ کیا عجب کہ نبی کریم کو میری یہ کوشش پسند آ جائے اور ان کا استحسان میرے لئے ذریعہ نجات ھو جائے (۲۰۹) ۔

اقبال کی تلمیحاتی وسعتین اورگہرائیان اظہار کی فارسیت اور فکر کی عربیت کے ساتھ اپنے اندر علامتی حسن بھی بدرجہ اتم رکھتی ھین ۔ اور بحیثیت مجموعی ارتکاز قوت ، جہد مسلسل صدق و صفا ، توحید و رسالت ، مذھبی عقائد ، فکر حکیمانہ ، جہاد و اجتہاد ، فقر و غنا ، زھد و قلندری اور متناھی اور لا متناھی خودی کے باھمی رشتہ و پیوند کے مفاھیم سے عبارت ھین ۔ اقبال ماضی کی شاندار علامتون اور تلمیحات کی مدد سے جدید اسلامی دنیا کو اس کی نشاۃ ثانیہ سے ھمکنار کرنا چاھتے ھین ۔ اس ضمن مین صرف ایک سامنے کی علامت یا تلمیح کی مثال کافی ھوگی اقبال و تیمور ، کی علامت یا تلمیح کی وضاحت سے اپنا مقصود فکر بتاتے ھوئے لکھتے ھین :

تیمور کی روح کو اپیل کرنے سے تیموریت کو زندہ کرنا مقصود نہین بلکہ وسط ایشیا کے ترکون کو بیدار کرنا مقصود ھے (۲۱۱) ۔

اقبال کی تلمیحات جدید فکری مفاھیم کی حامل ھونے کے ساتھ حیات کی متحرک تجلیوں سے بھر پور ھین بقول وقار عظیم :

" اقبال جن کا ذھن حکیمانہ اور قلب شاعرانہ ھے اپنے فلسفیانہ مثلث کی تکمیل مین ان بہت سی علامتون سے کام لیتے ھین ۔ جو شاعری کی روایت نے انھین دی ھین اقبال نے ان علامتون کو حکمت کے اظہار کا وسیلہ بتاتے ھوئے نیا مفہوم بھی دیا ھے اور انکے امکانات کا سراغ بھی لگایا ھے ، (۲۱۲)

لفظون کی عطف بندی اور اقبال کی فارسیت

لفظون کی عطف بندی کے سبب بھی کلام اقبال مین فارسیت کا رنگ گھرا ھوگیا ھے علامہ نےکم سےکم الفاظ مین زیادہ سےزیادہ بات کھنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ھے وہ انھی کا کمال ھے ۔ گفتگو کا یہ انداز عربی کا طرہ امتیاز ھے اور فارسی کا بھی ۔ اور اقبال فکری اور فنی لحاظ سے اردو کے مقابلے مین ان دونون زبانون کے قریب تر تھے ۔ شاعری کے ابتدائی دور مین جبکہ اقبال کی ارتقائی فکر ابھی عالم اعتراف مین تھی ۔ انکے ھان گھری فارسیت کے باوجود مصرعون کی عطف بندی کم کم نظر آتی ھے ۔ لیکن جیسے جیسےاقبال کی فکر نے مکمل طور پر قبلہ روئی اختیار کر کے اپنی منزل فکر کا تعین کر لیا تو انکی فارسیت ، حسن تراکیب بندشون کی چستی ، تلمیحات وعلامات کا تاریخی و اجتھادی شعور ، رمز وایما کے حسن ، رموز و ایما کے حسن ، رموز واوصاف کی اشاراتی دلکشی سے فکری گھرائی مین جذب ھوتی چلی جاتی ھے ۔ اقبال نے اسی فکری گھرائی اور لسانی ادراک کی مدد سے ایک ایک مصرع مین معانی کے جھان آباد کردیئے ھین جن مین حروف عطف "و" کا اھم کردار ھے ۔ آپ اقبال کےایسے عطف بند مصرعون پر الگ الگ بسیط مقالے لکھ سکتے ھین دو لفظون کو حرف عطف سےمرکب کرنےکی مثالین تو اقبال کےھان کثیر تعداد مین مل جائین گی چنانچہ ھم نے ایسے مصرعون کو پیش نظر رکھا ھے ۔ جو تین اور چار اورکھین کھین پانچ لفظو عطف بندی کےحامل ھین اور فکر و معانی کےسمندر اپنے اندر سمیٹے ھوئے ھین ۔ کچھ مصرع ملاحظہ ھون :

بانگ درا (۱)

تم خطا کار و خطابین ، وہ خطا پوش وکریم (۲۱۳)

مقام لبست و شکست و فشار و سوز و کشید (۲۱٤)

حیات شعلہ مزاج وغیور و شور انگیز (۲۱۵)

ملک یمین ودرھم ودینار و رخت و حسین (۲۱٦)

اسپ قمر سم و شترو قاطر و حمار (۲۱۷)

جوئے شیر و تیشہ و سنگ گران ھے زندگی (۲۱۸)

بالِ جبریل

سکوت کوہ ولب جوئے ولالـــہ خود رو (۲۱۹)

پُر سوز ونظـــر باز ونکــوبین وکم آزار (۲۲۰)

آزاد وگرفتـــار وتہی کیسہ وخـرسنـــد (۲۲۱)

شکوہ سنجـر وفقـر جنیـــد و بسـطامی (۲۲۲)

زمین وآسمان و کـــــرسی و عـــرش (۲۲۳)

تجھ سے میری زنـــدگی سوز وتب ودرد وداغ (۲۲٤)

رنگ ہو یا خشت سنگ ، چنگ ہو یا حرف وصوت (۲۲۵)

اسکے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب ونیـــل (۲۲٦)

بیکاری وعریانی و مے خواری و افـــلاس (۲۲۷)

جان لاغـــر وتن فربہ وملبوس بدن زیـب (۲۲۸)

مین پا تمال وخـوار وپریشـان ودرد منـد (۲۲۹)

ضربِ کلیم (۱)

میری مشکل مستی وشور وسرور ودرد وداغ (۲۳۰)

قہاری وغفاری و قـدوسی و جبـــروت (۲۳۱)

حیات کیا ہے ؟ حضور وسرور ونور وجـــود (۲۳۲)

سرور وشعر وسیاست کتاب و دین و ہنر (۲۳۳)

شباب ومستی وذوق وسرور ورعنـــائی (۲۳٤)

ہند کے شاعر وصورت گــر و افسانہ نویـس (۲۳۵)

کنیزا ہرمن ودون نہاد ومردہ ضمیـــــر (۲۳٦)

یہ حسن ولطافت کیون ، وہ قوت وشوکتکیون (۲۳۷)

ارمغان حجاز اردو (۲)

کانپتے ہین کوہسار ومرغـزار وجــــوئبار (۲۳۸)

کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف (۲۳۹)

مسیح و میخ و جلیب ، یہ ماجرا کیا ہے (۲۴۰)

خود گیری و خود داری وگلبانگ انا الحق (۲۴۱)

خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مفاجات (۲۴۲)

دل جنید ونگاہ غزالی و رازی (۲۴۳)

مصرعون کی یہ عطف بندی اقبال کے بحر خیالات کی طغیانی کے زیر اثر انکا زور کلام اور فکری بلاغت ، فارسیت سے ایک قدم آگے مکمل فارسی آہنگ واسلوب مین ڈھل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال کے اردو کلام مین آپکو پورے پورے شعر سبک اقبال کی نمائندگی کرتے ہوئے مل جائین گے ۔ معطوف مصرعون کی فارسیت ، ہماری اس بات کی تائید کرتی ہے ۔

"اقبال نے اپنے مقصد اور موضوع کو ہمیشہ اولیّت دی ہے اور اپنے بیمثال فن کے بارے مین اس عاجزی اور منکسر المزاجی کا اظہار کیا ہے :

۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹

" شاعری مین لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمع نظر نہین رہا کہ فن کی باریکیون کی طرف توجہ کرنے کیلئے وقت نہین ۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات مین انقلاب پیدا ہو اور بس ۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہون ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہون کیا عجب کہ آئندہ نسلین مجھے شاعر تصور نہ کرین " (۲۴۴)

اس تمام عاجزانہ اظہار کے باوجود انکا کلام بتاتا ہے کہ اقبال کو اسلوب موضوع کی ہم آہنگی کا مکمل ادراک ہے ۔ اس مین انکی سلبی صلاحیتون کا بھی دخل ہے اور کسبی شعور کا بھی ۔ لفظون اور حرفون کے محسوساتی اور نفسیاتی نظام پر انکی گرفت بڑی مضبوط ہے ۔ انکے ہان اس بات کا گہرا احساس ملتا ہے کہ کس بات کو اسلوب کی کونسی تیکنیک کے ساتھ ادا کرنا ہے ۔ اسکی ایک نمایان مثال اقبال کی مشہور نظم " خضر راہ ہے جسکے انداز بیان کی حکیمانہ خشکی اور قوت متخلیہ کی کمی پر اقبال کے معاصرین نے اعتراض کیا اور مولانا گرامی بھی معاصرین کے اعتراض سے متاثر نظر آئے تو اقبال نے لفظ واحساس کی نفسیات سے متعلق اپنی حکیمانہ نظر کی یون وضاحت کی :

کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف (۲۳۹)

مسیح و میخ و جلیب ، یہ ماجرا کیا ہے (۲٤۰)

خود گیری و خود داری وگلبانگ انا لحق (۲٤۱)

خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مفاجات (۲٤۲)

دل جنید و نگاہ غزالی و رازی (۲٤۳)

مصرعون کی یہ عطف بندی اقبال کے بحر خیالات کی طغیانی کے زیر اثر انکا زور کلام اور فکری بلاغت ، فارسیت سے ایک قدم آگے مکمل فارسی آہنگ و اسلوب مین ڈھل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال کے اردو کلام مین آپکو پورے پورے شعر سبک اقبال کی نمائندگی کرتے ہوئے مل جائین گے ۔ معطوف مصرعون کی فارسیت ،ہماری اس بات کی تائید کرتی ہے ۔

"اقبال نے اپنے مقصد اور موضوع کو ہمیشہ اولیّت دی ہے اور اپنے بیمثال فن کے بارے مین اس عاجزی اور منکسر المزاجی کا اظہار کیا ہے :

۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹

" شاعری مین لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمع نظر نہین رہا کہ فن کی باریکیون کی طرف توجہ کرنے کیلئے وقت نہین ۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات مین انقلاب پیدا ہو اور بس ۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہون ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہون کیا عجب کہ آئندہ نسلین مجھے شاعر تصور نہ کرین " (۲٤٤)

اس تمام عاجزانہ اظہار کے باوجود انکا کلام بتاتا ہے کہ اقبال کو اسلوب موضوع کی ہم آہنگی کا مکمل ادراک ہے ۔ اس مین انکی سلبی صلاحیتون کا بھی دخل ہے اور کسبی شعور کا بھی ۔ لفظون اور حرفون کے محسوساتی اور نفسیاتی نظام پر انکی گرفت بڑی مضبوط ہے ۔ انکے ہان اس بات کا گہرا احساس ملتا ہے کہ کس بات کو اسلوب کی کونسی تیکنیک کے ساتھ ادا کرنا ہے ۔ اسکی ایک نمایان مثال اقبال کی مشہور نظم " خضر راہ ہے جسکے انداز بیان کی حکیمانہ خشکی اور قوت متخلیہ کی کمی پر اقبال کے معاصرین نے اعتراض کیا اور مولانا گرامی بھی معاصرین کے اعتراض سے متاثر نظر آئے تو اقبال نے لفظ و احساس کی نفسیات سے متعلق اپنی حکیمانہ نظر کی یون وضاحت کی :

قدم رکھنا اور زبان سے متعلق انگریز کی سیاست کو خاطر مین نہ لانا ، دیدہ دلیری ھی سمجھی جائیگی ـ اور پھر فارسیت ھی پر نہین موقوف آگے چل کر تو اقبال کے موضوعات کی بے کناری اور گہرائی مکمل طور پر فارسی اسلوب اختیار کر لیتی ھے ـ اردو کے برعکس فارسی مین اقبال کی سات کتابین انکے فکری اخلاص اور فنی باریکیون کی آئینہ دار ھین ـ اقبال کے اسلوب کی انفرادیت کا اعتراف کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر حسین خطیبی کہتے ھین :

" اقبال کے سبک شاعری کو سبک اقبال کا نام دینا مناسب ھے ــــــــ نئے مضامین و موضوعات کی بناء پر ان کا سبک ، سبک اقبال بن گیا ھے (٢٤٧) ـ

ڈاکٹر محمد ریاض صاحب سبک اقبال کی خصوصیات گنواتے ہوئے لکھتے ھین :

" سبک (طرز) اقبال کی پہلی خصوصیت فکر و فن کا حسین ترین امتزاج ھے (٢٤٨) ـــــــ دوسری خصوصیت ، سادگی اور سادہ بیانی ھے ـــــــ اقبال کا مقصد ابلاغ عام تھا اسلئے ان کے ھان لفظی یا معنوی دشواریان نہ ہونے کے برابر ھین (٢٤٩) سبک اقبال کی تیسری خصوصیت ، اس کا بیباک ، زوردار اور انقلاب پرور لہجہ ھے (٢٥٠) ـــــــ اقبال کی شاعری کی چوتھی خصوصیت ان کے ابداعات ھین ـ آپ نے پرانی اصطلاحات کو نئے معانی دیے (٢٥١)

اقبال کی مذکورہ خوبیان انکے اردو اور فارسی کلام دونون پر درست بیٹھتی ھین ـ فارسی اھل زبان اقبال کی فارسی دانی کو انتہائی طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھتے ھین ـ سعید نفیسی ڈاکٹر حسین خطیبی ، آقائی مجتبی منیوی ، ڈاکٹر منوچھر ، آقای صادق نشانات ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی ، آقائی عبد الحسین نوری اور بہت سے علمائے فارسی نے اقبال کی فارسی فہمی اور اسکے موضوع کی عظمت جلیلہ اور وسعت جمیلہ کا نہائت عقیدت سے اعتراف کیا ھے ـ سید محیط طبا طبائی جو اقبال کے بہت بڑے مداح ھین اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ھین :

" اقبال در سر زمین ھندوستان بدنیا آمد ولی در آغوش و زبان و اندیشئہ ایران رشد پیدا کرد و بیش از آنچہ بزبان اردو نسبت وطن خود خدمت نمود خدمت گزار زبان و ادب فارسی و دوستدار

قدم رکھنا اور زبان سے متعلق انگریز کی سیاست کو خاطر مین نہ لانا ، دیدہ دلیری ھی سمجھی جائیگی ۔ اور پھر فارسیت ھی پر نہین موقوف آگے چل کر تو اقبال کے موضوعات کی بےکناری اور گہرائی مکمل طور پر فارسی اسلوب اختیار کرلیتی ھے ۔ اردو کے برعکس فارسی مین اقبال کی سات کتابین انکے فکری اخلاص اور فنی باریکیون کی آئینہ دار ھین ۔ اقبال کے اسلوب کی انفرادیت کا اعتراف کرتے ھوئے پروفیسر ڈاکٹر حسین خطیبی کہتے ھین :

" اقبال کے سبک شاعری کو سبک اقبال کا نام دینا مناسب ھے
——— نئے مضامین و موضوعات کی بناء پر ان کا سبک ، سبک
اقبال بن گیا ھے (٢٤٧) ۔

ڈاکٹر محمد ریاض صاحب سبک اقبال کی خصوصیات گنواتے ھوئے لکھتے ھین :

" سبک (طرز) اقبال کی پہلی خصوصیت فکر و فن کا حسین ترین
امتزاج ھے (٢٤٨) ——— دوسری خصوصیت ، سادگی اور
سادہ بیانی ھے ——— اقبال کا مقصد ابلاغ عام تھا اسلئے
ان کے ھان لفظی یا معنوی دشواریان نہ ھونے کے برابر ھین (٢٤٩)
سبک اقبال کی تیسری خصوصیت ، اس کا بیباک ، زوردار اور انقلاب
پرور لہجہ ھے (٢٥٠) ——— اقبال کی شاعری کی چوتھی خصوصیت
ان کے ابداعات ھین ۔ آپ نے پرانی اصطلاحات کو نئے معانی دیے (٢٥١)

اقبال کی مذکورہ خوبیان انکے اردو اور فارسی کلام دونون پر درست بیٹھتی ھین ۔ فارسی اھل زبان اقبال کی فارسی دانی کو انتہائی طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھتے ھین ۔ سعید نفیسی ڈاکٹر حسین خطیبی ، آقائی مجتبی منیوی ، ڈاکٹر منوچہر ، آقای صادق نشانات ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی ، آقائی عبد الحسین نوری اور بہت سے علمائے فارسی نے اقبال کی فارسی فہمی اور اسکے موضوع کی عظمت جلیلہ اور وسعت جمیلہ کا نہائت عقیدت سے اعتراف کیا ھے ۔ سیدمحیط طبا طبائی جو اقبال کے بہت بڑے مداح ھین اپنے خیالات کا اظہار کرتے ھوئے لکھتے ھین :

"اقبال در سر زمین ھندوستان بدنیا آمد ولی در آغوش و زبان
و اندیشئہ ایران رشد پیدا کرد و بیش از آنچہ بزبان اردو نسبت
وطن خود خدمت نمود خدمت گزار زبان و ادب فارسی و دوستدار

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ــ	علامہ اقبال / سید نذیر نیازی مرتب	تشکیل جدید الہیات اسلامیۃ	۷۲	بزم اقبال لاہور	۱۹۸۳ء
۲ــ	جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو جلد دوم	۱۷۵	مجلس ترقی ادب لاہور	
۳ــ	ڈاکٹر جمیل جالبی مترجم	ارسطو سے ایلیٹ تک	۲۲۲	نیشنل بک فاونڈیشن	۱۹۷۵ء
۴ــ		اردو زبان کی تاریخ مضمون		ادبی دنیا نمبر ۱۷ نومبر	۱۹۶۵ء
۵ــ	نصیر الدین ہاشمی	دکن میں اردو	۱	کتب خانہ علم و ادب کراچی	۱۹۵۲
۶ــ	عین الحق فرید کوٹی	اردو زبان کی قدیم تاریخ	۷	ارسلان پبلیشکشنز لاہور	۱۹۷۲
۷ــ	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ و ادب اردو جلد اول	۲۸۱	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۵ء
۸ــ	" "	"	"		
۹ــ	" "	"	۲۷۵		
۱۰ــ	" "	"	۲۷۸		
۱۱ــ	ڈاکٹر سلیم اختر	اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ			
۱۲ــ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	۱۱۵	سنگ میل پبلیکیشنز لاہـــــور ــ	۱۹۸۵
۱۳ــ	مولانا الطاف حسین حالی	مقدمہ شعر و شاعری	۱۵۲	کتب خانہ علم و ادب دہلی	
۱۴ــ	نور الحسن ہاشمی	دلی کا دبستان شاعری	۳۳۴-۳۳۵	ادارہ فروغ اردو لکھنئو	۱۹۶۵ء
۱۵ــ	عطش درانی	اردو زبان اور یورپی اہل قلــــم	۱۴-۱۵	سنگ میل پبلیکیشنز لاہـــــور ــ	۱۹۸۷ء
۱۶ــ	شیخ محمد اکرام	موج کوثر	۲۸۹	ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور	۱۹۸۸ء
۱۷ــ	ڈاکٹر محمد ریاض	اقبال اور فارسی شعراء / فہرست مندرجــــات	ج	اقبال اکادمی پاکستان	۱۹۷۷ء

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاع
١٨ـ	ادبی معرکے نمبر	اردو ھندی اور ھندوستانی (مضمون)	٦٨	نقوش ادبی معرکے نمبر	ستمبر ۸۱
١٩ـ	" " "	" " "	٦٩	" "	
٢٠ـ	ڈاکٹر عبد الشکور حسن	اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ	٥	اقبال اکادمی پاکستان لاھور ـ	۱۹۷۷
٢١ـ	ڈاکٹر جمیل جالبی	ارسطو سے ایلیٹ تک	٥٢٤		
٢٢ـ	" "	" "	٥٢٥		
٢٣ـ	شیخ محمد اکرام	موجِ کوثر	٢٨٨		
٢٤ـ	جسٹس جاوید اقبال	زندہ رود (١)	٦٠	شیخ غلام علی اینڈ سنز ـ	1985
٢٥ـ	" "	" "	٦١		
٢٦ـ	محمد عبد اللہ قریشی	باقیات اقبال / ابتدائی دور کی غزلین و نظمین وغیرہ ـ		آئینہ ادب لاھور	۱۹٦٦
٢٧ـ	جسٹس جاوید اقبال	زندہ رود (١)	٦٢		
٢٨ـ	ڈاکٹر محمد ریاض	اقبال اور فارسی شعراء / فہرست مندرجات	الف		
٢٩ـ	" "	" "	ب		
٣٠ـ	" "	" "	ج		
٣١ـ	ڈاکٹر خواجہ عبد الحمید	اقبال ایرانیون کی نظر مین	٨٣	اقبال اکادمی پاکستان کراچی ـ	۹۵۷
٣٢ـ	محمد عبد اللہ قریشی	باقیات اقبال			
٣٣ـ	عبد الواحد معینی مرتب	مقالات اقبال	٤٦	آئینہ ادب لاھور	۹۸۸
٣٤ـ	ڈاکٹر صدیق جاوید	بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ ۔	٣٠	یونیورسل بکس ـ لاھور	۹۸۷

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۳۵۔	پروفیسر سروری	جدید اردو شاعری	۸۴		۱۹۴۶ء
۳۶۔	ڈاکٹر صدیق جاوید	بالِ جبریل کا تنقیدی مطالعــــہ ۔	۳۲		
۳۷۔	جسٹس جاوید اقبال	زندہ رود (۱)	۹۶		
۳۸۔	پروفیسر محمد منور	علامہ اقبال کی فارسی غزلین (مضمون)		صحیفہ اقبال نمبرمجلس ترقی و ادب لاہور ۔	
۳۹۔	جسٹس جاوید اقبال	زندہ رود (۱)	۹۷		
۳۹۔	″	″	۹۹		
۴۰۔	اقبال	کلیاتِ اقبال اُردو/دیباچہ	۴۰	اقبال اکادمی پاکستان لاھور۔	۱۹۹۰
۴۱۔	اقبال	کلیات اقبال اردو/دیباچہ (بانگ درا)	۵۱-۵۲		
۴۲۔	″	″	۵۳-۵۴		
۴۳۔	″	″	۴۳-۴۴		
۴۴۔	″	″	۴۵		
۴۵۔	″	″	۴۳		
۴۶۔	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگِ درا)	۱۵۸		
۴۷۔	ڈاکٹر محمد ریاض	اقبال اور فارسی شعراء	۲۳		
۴۸۔	″	″	۴۰		
۴۹۔	سید عابد علی عابد	شعر اقبال	۶۵	مجلس ترقی ادب لاھور۔	
۵۰۔	جسٹس جاوید اقبال	زندہ رود (۱)	۱۴۶		
۵۱۔	گوھر نوشاھی (مرتب)	مطالعہ اقبال / اقبال شعرائے فارسی کی صف مین (مضمون)	۳۱۲	بزم اقبال لاھور	۱۹۸۳ء
۵۲۔					
۵۳۔	پروفیسر محمد منور	میوانِ اقبال	۴۶	اقبال اکادمی پاکستان لاھور ۔	۱۹۸۶ء

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٥٤-	پروفیسر محمد منور	میزان اقبال	٤٩		
٥٥-	محمد عبداللہ قریشی مرتب	مکاتیب اقبال بنام گرامی	١٧٤		
٥٦-	"	" "	١٨٣		
٥٧-	"	" "	٢٤٠		
٥٨-	"	" "	١٩٨		
٥٩-	"	" "	٩٨		
٦٠-	عبدالواحد معینی مرتب	مقالات اقبال	٥٢	آئینہ ادب لاہور	١٩٨٨
٦١-	گوہر نوشاہی مرتب/ ڈاکٹر سید عبداللہ	مطالعہ اقبال/اقبال شعرائے فارسی کی صف مین	٣١٣		
٦٢-	" "	" " "	٣١٣		
٦٣-	عبدالواحد معینی مرتب	مقالات اقبال	٥٣		
٦٤-	اقبال	کلیات اقبال اردو	٢٣٩		
٦٥-	سید باقر حسین	اردو زبان کی توسیع	٥٣	ماہ نور کراچی نومبر	٩٥٣
٦٦-	کلیم الدین احمد	عملی تنقید	١٣٦		٩٦٢
٦٧-	اقبال	کلیات اقبال اردو بانگ درا	٢١٧	سفینہ ادب لاہور-	
٦٨-	ساحل احمد	اقبال اور غزل	١٠٧		
٦٩-	ساحل احمد	" "	١٢٦		
٧٠-	"	" "	١٢٧		
٧١-٧٢	اقبال	کلیات اقبال اردو بال جبریل	٤٣٩		
٧٣-٧٤-	"	" " "	٤٤١		
٧٥-	"	" " "	٤١٧		
٧٦-	"	" " "	٤١٩		

نووالس ، برنانٹو ، ٹیگ ، ہرڈر ، ونکل مان ، اوولسنگ ، گاڈون ، کارلائل ، کولرج اور
ورڈز ورتھ کی صف میں شمار کرتے ہیں – ان کے نزدیک روسو اور گوئٹے جیسے کلاسیکی ادیب
و شاعر بھی اپنی انفرادی اور ماضی پرستانہ سوچ کے سبب معنوی اعتبار سے رومانیت ہی
کے علمبردار ہیں – اور چونکہ اقبال بھی اپنے فکری معنی اور مفہوم میں اسلامی انقلاب کا
جوش و خروش اجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یوں بھر پور طور پر ماضی پرستی کا
ثبوت دیتے ہیں اس لیے انھیں رومانی شاعر کہنا درست ہے – (٦)

حقیقت یہ ہے کہ علی عباس جلالپوری کی مذکورہ رائے اس ضمن میں
اپنے اندر کچھ طرز انگی کا عنصر رکھتی ہے – وہ اس لیے کہ اقبال کی انقلاب پسندی
اور حکومت الٰہیہ کو قائم کرنے کی خواہش اپنے پس منظر میں کوئی خیالی ، خوابی یا
افسانوی کیفیت نہیں رکھتی بلکہ یہ ایک ایسی زندہ جاوید صداقت ہے جسکا نظارہ اقوام
عالم نے جاگتی آنکھوں سے کیا تھا اور جس کے گہرے نقوش آج بھی صفحہ ہستی پر ثبت
ہیں اور جس کی عظمتِ جلیلہ کے خیال سے آج بھی باطل قوتیں سہمی سہمی نظر آتی ہیں –
اقبال تو بس دور حاضر کے انسان کو اس کے منصب نیابت کی حقیقت بتاتے ہوئے حکومت
الٰہیہ کی تجدید و تقویم چاہتے ہیں – ان کا یہی انداز فکر انھیں ادب برائے زندگی اور
کلاسیکی نقطہ نظر کا حامل بنا دیتا ہے اور یوں ایک حقیقی کلاسیک کی حیثیت سے اقبال
سانت بیو کی ان شرائط پر پورا اترتے نظر آتے ہیں :-

> "صحیح معنی میں وہ مصنف حقیقی کلاسیک کے ذیل میں آتا ہے
> جس نے ذہن انسانی کو ترقی دے کر آگے بڑھایا ہو جس نے
> اسے مالا مال کیا ہو – جس نے فکری سرمائے میں بیش بہا
> اضافہ کیا ہو – جس نے واضح طور پر اخلاقی صداقت و
> ریاضت کی ہو ، جس نے انسان کے اندر دائمی جوش و جذبہ
> پیدا کیا ہو – جس نے اپنی فکر ، مشاہدہ یا ایجاد کے
> ذریعے ذہن انسانی کو وسعت اور عظمت عطا کرکے حسن اور
> لطافت کی تہذیب کی ہو – جو اپنے مخصوص انداز میں سب
> کے لیے ہو اور سب سے مخاطب ہو – جس کا طرز ادا ایسا
> ہو جو جدت کی بدعت کے بغیر بھی نیا ہو – جس میں نیا
> اور پرانا مل کر ایک ہو گئے ہوں – جس کے طرز ادا میں
> یہ خصوصیت ہو کہ ہر دور اسے اپنا طرز ادا سمجھے اور
> جس کی تخلیقی صفات دائمی اور آفاقی ہوں–" (٧)

کلاسیکیت کی اس تعریف و تشریح کے بعد جس پر اقبالی فکر پوری اترتی
ہے جب ہم رومانی رویوں کا سرسری جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رومانی
فنکار کے یہاں فکر کے مقابلے میں تخئیل کی گرفت مضبوط ہوتی ہے – رومانی طرز احساس
رکھنے والے چاہتے ہیں کہ :

" خیالات کو سیلاب کی طرح جدھر ان کا رخ ہو آزادی
سے بہنے دیا جائے "۔ (۸)

لافونتین رومانی تخیل کی تعریف و تشریح یوں کرتا ہے ۔ :

" یہ دن کے سہانے خواب ہوتے ہیں ان خوابوں کا تجزیہ
کرنے والے وہ بھی ہوتے ہیں جن کی نیم مدہوشیاں حکمت
کا نشہ لیے ہوتی ہیں اور وہ بھی جو احمقوں کی جنت کے
پاس ہوتے ہیں ۔.......................... مگر یہ
خواب بڑے سہانے اور بڑے ہی شیریں ہوتے ہیں ۔ اسے سراب
کہیے یا فریبِ خیال .... ہم اس کی
رو میں بہہ جاتے ہیں ۔ " (۹)

اگر رومانی خوابوں سے اقبال کو دیکھا جائے تو یہ بات اقبال پر واقعتاً صادق آتی ہے کہ " ان کی نیم مدہوشیاں حکمت کا نشہ لیے ہوتی ہیں ۔ " اس نے حکمت کی گتھیوں کو نیم مدہوشیوں ہی کے عالم میں سلجھایا ہے جسے وہ مراقبے کا نام دیتا ہے ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کے بارے میں کلاسیکی اور رومانی نقطہ ہائے نظر رکھنے والے دونوں ہی فریق درستی پر ہیں ۔ وہ اس لیے کہ ہر عظیم فنکار اپنے عالمگیر اور آفاقی نظریات کی بنا پر بیک وقت رومانی بھی ہوتا ہے اور کلاسیکی بھی اس لیے عالم انسانیت سے متعلق تفکر کرنے والا فنکار حقائقِ حیات اور تقاضاہائے حیات سے متعلق خصوصی فہم و ادراک رکھتا ہے اور حیات ، کلاسیکیت اور رومانیت کا خوبصورت امتزاج ہے ۔ حیات کا یہی امتزاج ، فکری امتزاج میں ڈھل کر علم و ادب اور فکر و فلسفہ سے متعلق بڑی شخصیت میں نظر آتا ہے ۔ اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ گوئٹے ، دانتے ، افلاطون ، ارسطو ، غالب اور اقبال بیک وقت کلاسیکی بھی ہیں اور رومانی بھی تو غلط نہ ہو گا ۔ اس لیے علی عباس جلالپوری کی فرزانگی بھی قابل احترام ہے اور اقبال کو کلاسیکی کہنے والے بھی لائق ستائش ۔ وہ اس لیے کہ اقبال کے دونوں ہی قسم کے ناقدین نے اقبالی فکر و فن کی گہرائیوں میں اُترنے اسے سمجھنے اور ہردور کے اقبال پسندوں کو سمجھانے کی بھر پور اور مخلصانہ کوشش کی ہے ۔

اقبال عوامل حیات اور فکر و نظر میں گہرے روابط قائم کرنا چاہتا ہے وہ رومانی طرز فکر و طرز انقلاب اپنائے یا کلاسیکی انداز فکر و طرز تکلم کو بروئے کار لائے ، بات وہ عرش اور فرش کے گہرے روابط ہی کی کرتا ہے ۔ " یزداں بکمند آور " کے اصول و ضوابط بتاتا ہے ۔ جن میں آرزو ، عشق اور تجربہ پسندی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں ۔ اقبال کو عظمت فکر کے یہ سراغ جہاں جہاں ملے اور جس جس فکری و فنی علمی و ادبی اور دینی و روحانی شخصیت میں نظر آئے اقبال نے نہ صرف ان سے فیض حاصل کیا بلکہ اس استفاضے کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا ۔

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۲۱ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو / ارمغان حجـــاز	۷۰۱		
۱۲۲ـ	"	" " "	۷۰۷		
۱۲۳ـ	"	" " "	۷۰۷		
۱۲۴ـ	"	" " "	۷۰۳		
۱۲۵ـ	"	" " "	۷۲۰		
۱۲۶ـ	یوسف حسین خان	روحِ اقبال	۱۱۵		
۱۲۷ـ	"	"	۷۰		
۱۲۸ـ	"	"	۱٦		
۱۲۹ـ	ساحل احمد	اقبال اور غزل	۱۳۱		
۱۳۰ـ	عزیز احمد	اقبال نئی تشکیل	۱٤۵		
۱۳۱ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو / بانگ درا	۲۲۹		
۱۳۲ـ۱۳۳ـ	"	" "	۲۷۲		
۱۳٤ـ	"	" "	۲۹۷		
۱۳۵ـ	"	" "	۲۹۹		
۱۳٦ـ	"	" "	۲۵۸		
۱۳۷ـ	"	" "	۳۰۱		
۱۳۸ـ	"	کلیات اقبال اردو / بالِ جبریل	٤٤۰		
۱۳۹ـ	"	" "	٤۵۱		
۱٤۰ـ	"	" "	٤۵۵		
۱٤۱ـ	"	" "	٤۷۳		
۱٤۲ـ	"	" "	٤۷٤		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۴۳-	اقبال	کلیات اقبال اردو/ ضرب کلیم	۵۳۸		
۱۴۴-۱۴۵-	"	"	۵۵۰		
۱۴۶-	"	"	۵۶۴		
۱۴۷-	"	"/ ارمغان حجاز	۷۰۸		
۱۴۸-	"	" "	۷۰۹		
۱۴۹-	"	" "	" "		
۱۵۰-	"	" "	۷۱۹		
۱۵۱-	"	" "	۷۲۲		
۱۵۲-	ساحل احمد	اقبال اور غزل	۱۴۷		
۱۵۳-	اقبال	پیام مشرق	۱۰۹	غلام علی اینڈ سنز	۱۹۸۳
۱۵۴-۱۵۵-	"	کلیات اقبال اردو/ بانگ درا	۲۸۴		
۱۵۶-	"	" "	۲۸۷		
۱۵۷-	"	" "	۲۸۹		
۱۵۸-	"	" "	۲۸۷		
۱۵۹-	"	" "	۲۸۵		
۱۶۰-	"	" "	۲۸۶		
۱۶۱-۱۶۲-	"	" "	۲۹۰		
۱۶۳-	"	" "	۲۹۳		
۱۶۴-	"	" "	۲۹۵		
۱۶۵-	"	" "	۲۹۸		
۱۶۶-	"	" "	۳۰۲		

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱٦۷-	اقبال	کلیات اقبال اردو/بانگ درا	۳۲۲		
۱٦۸-	〃	〃 〃	۳۲٤		
۱٦۹-	〃	〃 بالِ جبریل	۳۷۱		
۱۷۰-	〃	〃 〃	۳۷۲		
۱۷۱-	〃	〃 〃	۳۷۳		
۱۷۲-	〃	〃 〃	۳۷٦		
۱۷۳-	〃	〃 〃	۳۸۲		
۱۷٤-۱۷ -	〃	〃 〃	۳۹٤		
۱۷٦-	〃	〃 〃	٤۳۹		
۱۷۷-	〃	〃 〃	٤٤۰		
۱۷۸-	〃	〃 〃	٤٤۱		
۱۷۹-	〃	〃 〃	۳٦۰		
۱۸۰- ۱۸۱- ۱۸۲-	〃	〃 〃	۳٦۳		
۱۸٤-	〃	〃 〃	۳٦۸		
۱۸۵-	〃	〃 〃	۳۷۳		
۱۸٦-	〃	〃 〃	۳۸۵		
۱۸۷-	〃	〃 ضربِ کلیم	۵٦۹		
۱۸۸-	〃	〃	۵٤۱		
۱۸۹-	〃	〃 〃	۵۷۱		
۱۹۰-	〃	〃 〃	۵۷٤		
۱۹۱-	〃	〃 〃	۵۷٤		

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۹۲ــ	اقبال	کلیات اقبال اردو/ ضرب کلیم	۵۷۷		
۱۹–۱۹٤ــ	"	" "	۵۷۹		
۱۹۵ــ	"	" "	٦۰٦		
۱۹٦ــ	"	" "	٦۱۷		
۱۹۷ــ	"	" "	٦۳۲		
۱۹۸ــ	"	" "	٦٤۸		
۱۹۹ــ	"	" "	٦۷۷		
۲۰۰ــ	"	" /ارمغان حجاز اردو	۷۰۳		
۲۰–۲۰۲ــ	"	" "	۷۰۵		
۲۰۳ــ	"	" "	۷۲۳		
۲۰٤ــ	"	" "	۷۲۵		
۲۰۵ــ	"	" "	۷۳۵		
۲۰٦ــ	"	" "	۷٤۷		
۲۰۷ــ	"	" "	۷۵۳		
۲۰۸ــ	اقبال				
۲۰۹ــ	محمد عبد الله قریشی	مکاتیب اقبال بنام گرامی	۱۳٦		
۲۱۱ــ					
۲۱۲ــ	وقار عظیم	اقبال شاعر اور فلسفی	٦۳		
۲۱۳ــ	اقبال	کلیات اقبال اردو/بانگ درا	۲۳۳		
۲۱۵–۲۱٤ــ	"	" "	۲۵۱		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۲۱۶ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو/ بانگ درا	۲۵۲		
۲۱۷ـ	"	" "	۲۸۸		
۲۱۸ـ	"	" "	۲۹۰		
۲۱۹ـ	"	" /بال جبریل	۳۵۲		
۲۲۰ـ۲۲۱	"	" "	۳۵۷		
۲۲۲ـ	"	" "	۲۹۸		
۲۲۳ـ	"	" "	۴۰۸		
۲۲۴ـ	"	" "	۴۱۷		
۲۲۵ـ	"	" "	۴۱۸		
۲۲۶ـ	"	" "	۴۲۳		
۲۲۷ـ	"	" "	۴۳۵		
۲۲۸ـ	"	" "	۴۹۲		
۲۲۹ـ	"	" "	۴۹۴		
۲۳۰ـ	"	" ضرب کلیم	۵۶۸		
۲۳۱ـ	"	" "	۵۷۳		
۲۳۲ـ	"	" "	۸۸۲		
۲۳۳ـ	"	" "	۶۱۲		
۲۳۴ـ۲۳۵	"	" "	۶۴۰		
۲۳۶ـ	"	" "	۶۶۴		
۲۳۷ـ	"	" "	۶۹۱		
۲۳۸ـ۲۳۹	"	کلیات اقبال اردو/ ارمغان حجاز اردو ـ	۷۰۷		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٢٤٠ـ	اقبال	کلیات اردو/ ارمغان حجاز اردو ـ	٧٢٤		
٢٤١ـ	"	" " "	٧٤١		
٢٤٢ـ	"	" "	٧٤٨		
٢٤٤ـ	شیخ عطاء الله (مرتب)	اقبالنامه حصه اول	١٠٨	شیخ محمد اشرف لاهور	١٩٤٥
٢٤٥ـ	محمد عطاالله قریشی مرتب	مکاتیب اقبال بنام گرامی	٢٠٥ـ٢٠٦		
٢٤٦ـ	"	" " "	٢٠٧		
٢٤٧ـ	ڈاکٹر محمد ریاض	بحواله اقبال اور فارسی شعراء	٣١ـ٣٢		
٢٤٨ـ	"	" "	٣٢		
٢٤٩ـ	"	" "	٣٣		
٢٥٠ـ	"	" "	٣٤		
٢٥١ـ	"	" "	٣٧		
٢٥٢ـ	ڈاکٹر خواجه عبد الحمید عرفانی ـ	اقبال ایرانیون کی نظر مین	٨٥	اقبال اکادمی پاکستان کراچی :	١٩٥٧
٢٥٣ـ	"	" " "	٨٥		

****

تیسرا باب

اقبال کا نظریۂ شعر

" اقبال کی شاعری کسی لاابالی ذہن کا نتیجہ نہیں بلکہ
اسکے پس پشت سالہاسال کا تفکر ، مطالعے کی گہرائی ،
علوم جدیدہ کا مطالعہ اور انکا گہرا عالمانہ تجزیہ
اپنا اثر و عمل بروئے کار لا رہا ہے ۔ " (۱)

جب ہم اقبال کے شعری پس منظر میں دور تک جاتے ہیں تو ہمیں انور سدید کی مذکورہ رائے انکے مطالعہ اقبال کا نچوڑ نظر آتی ہے ۔ حقیقت بھی یہی ہے ۔ کہ اقبال کی علمی و تہذیبی بنیادوں میں گہرے تفکر اور مطالعاتی دلچسپی کا گہرا عمل دخل ہے جو انھیں اپنے والد نورمحمد اور استاد مولوی میر حسن سے ورثے میں ملا ۔ جبکہ کالج کی دنیا میں پروفیسر آرنلڈ نے ان میں علوم جدیدہ کے مطالعہ کا شوق اور تجزیاتی اندازِ فکر پیدا کیا ۔

یہ درست ہے کہ وہ ابتداء میں ہر نوآموز شاعر کی طرح رومانی طرز فکر و طرز اظہار اپناتے اور داغ کی شاعری پر فخر کرتے نظر آتے ہیں تاہم اقبال کے فکری و نظریاتی شعور نے بہت جلد اپنے لئے ایک منفرد اور متاثر کن راستہ متعین کر لیا ۔

تحقیق بتاتی ہے کہ نظریاتی انداز فکر یا فلسفہ ایک دم وجود میں نہیں آتا بلکہ برسوں کا تجزیہ و مشاہدہ ، معاشرتی نفسیات ، بدلتی ہوئی سماجی تبدیلیاں اور ذہن و دل کی شکست و ریخت کا مسلسل تعمیری عمل حساس اور متفکر انسانوں کو عظیم نظریاتی شخصیات بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے جبکہ اس میں فرد کا مسلسل اور مثبت مطالعاتی شعور بھی شامل ہو ۔ شکست و ریخت اور گہرے مطالعاتی شعور کے اسی عمل سے ثابت قدمی کے ساتھ گزر کر اقبال شاعر مشرق ، ترجمان حقیقت اور شاعر انسانیت کہلائے ۔

عموماً کہا جاتا ہے اقبال بنیادی طور پر کلاسیکی طرز فکر کے شاعر ہیں کلاسیکیت کو شعر و ادب میں صحت مندانہ رجحان کی علامت سمجھا جاتا ہے جس کے زیر اثر زندہ صداقتوں اور ٹھوس حقیقتوں کا حامل تعمیری ادب وجود میں آتا ہے جیسا کہ گوئٹے نے کہا ہے :۔

" میں کلاسک کو صحت مند اور رومانی کو مریضانہ یا بیمار
کے نام سے موسوم کرتا ہوں .... قدیم تصنیف
کو صرف اس لئے کلاسیک نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قدیم ہے
بلکہ اس لیے کہ مضبوط و مستحکم ، تازہ ، پُر مسرت اور
صحت مندانہ ہے ۔" (۲)

اقبال کی کلاسیکیت گوئٹے کے اس معیار پر پوری اُترتی ہے ۔ گوئٹے کا یہی وہ انداز فکر ہے جسکے سبب اقبال گوئٹے سے متاثر نظر آتے ہیں اور اس سے اپنی

عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں :

پیر مغربی شاعر المانوی
آن قتیل شیوہ‌ہائے پہلوی (۳)

اس ضمن میں اقبال مغرب میں گوئٹے کے علاوہ ہومر ، افلاطون ، ورجل ، والٹیر ، موتسکیو ، نطشے ، روسو ، سانت بیو ، میتھیو آرنلڈ ، ٹیوٹالسٹائی اور ٹی ایس ایلیٹ کی صف میں نظر آتے ہیں تو مشرق میں مولانا روم ، امیر خسرو ، میر، غالب ، حالی اور اکبر آلہ آبادی جیسے کلاسیکل شعراء پر آپ کی نگاہ انتخاب جا ٹھہرتی ہے اور پھر ان سب سے بڑھ کر ہر دور کے صوفیائے کرام کی شخصیات با برکات ہیں جنہوں نے اپنے فکر و احساس ، جذب و عمل اور عشق جانگداز کی مختلف النوع کیفیات سے قدم قدم پر اقبال کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ منزل فکر کے متعین کرنے میں اس کی رہنمائی بھی کی ۔ یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ آغاز حیات ہی میں اپنے خانگی پس منظر کے سبب صوفیاء کرام اور بزرگان دین سے عقیدت و ارادت کے ذکر و اذکار اور مناظر و مظاہر اس کے احساس پر ثبت ہوتے گئے تھے ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت فضیل بن فیاض ، حضرت بایزید بسطامی ، حضرت جنید بغدادی ، منصور حلاج ، حضرت ابو سعید ابوالخیر ، حضرت اویس قرنی ، حضرت داتا گنج بخش ، شیخ فرید الدین عطار ، خواجہ معین الدین اجمیری ، شمس تبریز ، شیخ فخر الدین عراقی ، محمود شبستری ، شیخ بوعلی قلندر پانی پتی ، خواجہ نظام الدین ، مولانا جامی ، شیخ عبدالقدوس گنگوہی ، مجدد الف ثانی ، حضرت میاں میر اور شاہ ولی اللہ جیسے بزرگان دین کا تذکرہ اقبال کی تخلیقات میں بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ ملتا ہے ۔

حقیقتاً اقبال ادب برائے زندگی کے شاعر تھے ان کے بقول :-

شانِ خلیل ہوتی ہے اسکے کلام سے عیاں
کرتی ہے اسکی قوم جب اپنا شعار آزری (۴)

اقبال کی تمامتر شاعری شانِ خلیل کی آئینہ دار ہے ۔ اور

" سوئے قطار می کشم ناقہ بےزمام را " (۵)

کے کٹھن ، حوصلہ شکن ، صبر آزما مگر پرّ عزم مراحل سے گزرتی نظر آتی ہے ۔ وہ حرکت و عمل کا پیامبر اور صداقت و روحانیت کا علمبردار ہے ۔ سچ کی تلاش اور سچ کا پھیلاو اس کا بنیادی موضوع ہے ۔ سچ جو انسان کے اندر ہے اور عرفان ذات سے عرفان الٰہی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے ۔ عرفان ذات اور عرفان الٰہی جسے اقبال متناہی خودی اور لا متناہی خودی کے جدید اصطلاحی ناموں سے پکارتا ہے ۔

اگرچہ پروفیسر سید علی عباس جلالپوری اپنی کتاب " اقبال کا علم الکلام " ، میں اقبال کو رومانی شاعر قرار دیتے ہوئے انھیں شلر ، شلیگل برادران

نووالس ، برنائٹو ، ٹیگ ، ہرڈر ، ونکل مان ، اوولسنگ ، گاڈون ، کارلائل ، کولرج اور ورڈز ورتھ کی صف میں شمار کرتے ہیں ـ ان کے نزدیک روسو اور گوئٹے جیسے کلاسیکی ادیب و شاعر بھی اپنی انفرادی اور ماضی پرستانہ سوچ کے سبب معنوی اعتبار سے رومانیت ہی کے علمبردار ہیں ـ اور چونکہ اقبال بھی اپنے فکری معنی اور مفہوم میں اسلامی انقلاب کا جوش و خروش اُجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یوں بھر پور طور پر ماضی پرستی کا ثبوت دیتے ہیں اس لیے انھیں رومانی شاعر کہنا درست ہے ـ (۶)

حقیقت یہ ہے کہ علی عباس جلالپوری کی مذکورہ رائے اس ضمن میں اپنے اندر کچھ فسرزانگی کا عنصر رکھتی ہے ـ وہ اس لیے کہ اقبال کی انقلاب پسندی اور حکومت الٰہیہ کو قائم کرنے کی خواہش اپنے پس منظر میں کوئی خیالی ، خوابی یا افسانوی کیفیت نہیں رکھتی بلکہ یہ ایک ایسی زندہ جاوید صداقت ہے جسکا نظارہ اقوام عالم نے جاگتی آنکھوں سے کیا تھا اور جس کے گہرے نقوش آج بھی صفحہ ہستی پر ثبت ہیں اور جس کی عظمتِ جلیلہ کے خیال سے آج بھی باطل قوتیں سہمی سہمی نظر آتی ہیں ـ اقبال تو بس دور حاضر کے انسان کو اس کے منصب نیابت کی حقیقت بتاتے ہوئے حکومت الٰہیہ کی تجدید و تقویم چاہتے ہیں ـ ان کا یہی انداز فکر انھیں ادب برائے زندگی اور کلاسیکی نقطۂ نظر کا حامل بنا دیتا ہے اور یوں ایک حقیقی کلاسیک کی حیثیت سے اقبال سانت بیو کی ان شرائط پر پورا اترتے نظر آتے ہیں :-

> "صحیح معنی میں وہ مصنف حقیقی کلاسیک کے ذیل میں آتا ہے جس نے ذہن انسانی کو ترقی دے کر آگے بڑھایا ہو جس نے اسے مالا مال کیا ہو ـ جس نے فکری سرمائے میں بیش بہا اضافہ کیا ہو ـ جس نے واضح طور پر اخلاقی صداقت و ریاضت کی ہو ، جس نے انسان کے اندر دائمی جوش و جذبہ پیدا کیا ہو ـ جس نے اپنی فکر ، مشاہدہ یا ایجاد کے ذریعے ذہن انسانی کو وسعت اور عظمت عطا کرکے حسن اور لطافت کی تہذیب کی ہو ـ جو اپنے مخصوص انداز میں سب کے لیے ہو اور سب سے مخاطب ہو ـ جس کا طرز ادا ایسا ہو جو جدت کی بدعت کے بغیر بھی نیا ہو ـ جس میں نیا اور پرانا مل کر ایک ہو گئے ہوں ـ جس کے طرز ادا میں یہ خصوصیت ہو کہ ہر دور اسے اپنا طرز ادا سمجھے اور جس کی تخلیقی صفات دائمی اور آفاقی ہوں ـ" (۷)

کلاسیکیت کی اس تعریف و تشریح کے بعد جس پر اقبالی فکر پوری اترتی ہے جب ہم رومانی رویوں کا سرسری جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رومانی فنکار کے یہاں فکر کے مقابلے میں تخیّل کی گرفت مضبوط ہوتی ہے ـ رومانی طرز احساس رکھنے والے چاہتے ہیں کہ :

" خیالات کو سیلاب کی طرح جدھر ان کا رخ ہو آزادی
سے بہنے دیا جائے "۔ (۸)

لافونتین رومانی تخیل کی تعریف و تشریح یوں کرتا ہے ۔ :

" یہ دن کے سہانے خواب ہوتے ہیں ان خوابوں کا تجزیہ
کرنے والے وہ بھی ہوتے ہیں جن کی نیم مدہوشیاں حکمت
کا نشہ لیے ہوتی ہیں اور وہ بھی جو احمقوں کی جنت کے
پاس ہوتے ہیں ۔.......................... مگر یہ
خواب بڑے سہانے اور بڑے ہی شیریں ہوتے ہیں ۔ اسے سراب
کہیے یا فریب خیال .... ہم اس کی
رو میں بہہ جاتے ہیں ۔ " (۹)

اگر رومانی حوالوں سے اقبال کو دیکھا جائے تو یہ بات اقبال پر واقعتاً صادق آتی ہے کہ " ان کی نیم مدہوشیاں حکمت کا نشہ لیے ہوتی ہیں ۔ " اس نے حکمت کی گتھیوں کو نیم مدہوشیوں ہی کے عالم میں سلجھایا ہے جسے وہ مراقبے کا نام دیتا ہے ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کے بارے میں کلاسیکی اور رومانی نقطہ ہائے نظر رکھنے والے دونوں ہی فریق درستی پر ہیں ۔ وہ اس لیے کہ ہر عظیم فنکار اپنے عالمگیر اور آفاقی نظریات کی بنا پر بیک وقت رومانی بھی ہوتا ہے اور کلاسیکی بھی اس لیے عالم انسانیت سے متعلق تفکر کرنے والا فنکار حقائق حیات اور تقاضاہائے حیات سے متعلق خصوصی فہم و ادراک رکھتا ہے اور حیات ، کلاسیکیت اور رومانیت کا خوبصورت امتزاج ہے ۔ حیات کا یہی امتزاج ، فکری امتزاج میں ڈھل کر علم و ادب اور فکر و فلسفہ سے متعلق بڑی شخصیت میں نظر آتا ہے ۔ اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ گوئٹے ، دانتے ، افلاطون ، ارسطو ، غالب اور اقبال بیک وقت کلاسیکی بھی ہیں اور رومانی بھی تو غلط نہ ہو گا ۔ اس لیے علی عباس جلالپوری کی فرزانگی بھی قابل احترام ہے اور اقبال کو کلاسیکی کہنے والے بھی لائق ستائش ۔ وہ اس لیے کہ اقبال کے دونوں ہی قسم کے ناقدین نے اقبالی فکر و فن کی گہرائیوں میں اترنے اسے سمجھنے اور ہردور کے اقبال پسندوں کو سمجھانے کی بھرپور اور مخلصانہ کوشش کی ہے ۔

اقبال عوامل حیات اور فکر و نظر میں گہرے روابط قائم کرنا چاہتا ہے وہ رومانی طرز فکر و طرز انقلاب اپنائے یا کلاسیکی انداز فکر و طرز تکلم کو بروئے کار لائے ، بات وہ عرش اور فرش کے گہرے روابط ہی کی کرتا ہے ۔ " یزداں بکمند آور " کے اصول و ضوابط بتاتا ہے ۔ جن میں آرزو ، عشق اور تحریک پسندی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں ۔ اقبال کو عظمت فکر کے یہ سراغ جہاں جہاں ملے اور جس جس فکری و فنی علمی و ادبی اور دینی و روحانی شخصیت میں نظر آئے اقبال نے نہ صرف ان سے فیض حاصل کیا بلکہ اس استفاضے کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا ۔

بقول اقبال :

مرا معنی تازہ ای مدعا است
اگر گفتہ را باز گویم رواست (۱۰)

ڈکٹر شھین دخت مقدم صفیاری اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ :

درکلام اقبال ہمہ چیز وجود دارد ۔ آنچہ فلاح فرد و
جامع بدان وابستہ است ۔ پندو و عظمت
عطار و بوسعید در سخنش دیدہ می شود ۔ عرفان حافظ
و عشق نظیری و سوز خسرو و شور رومی از اشعار مش می
تراود ۔ و از بی نیادی و خودی عرفی و غالب ، کلامش
مالا مال است ۔ و عبرت آموزی بیدل در آن بوضع دیدہ
می شور و از صدق و اخلاص سنائی سخن می گوید ۔: (۱۱)

سچ بھی یہی ہے کہ اقبال کی تمام تر شاعری پندو موعظت ، عرفان و عشق سوز و شور ، بے نیازی و خودی ، عبرت آموزی اور صدق و اخلاص کے شعور سے مالا مال ہے جس کا بنیادی مقصد فلاح فرد ، فلاح انسانیت اور فلاح ملت اسلامیہ ہے ۔ اور یہی اسکا نظریہ شعر بھی ہے ۔ مولانا گرامی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اقبال اپنے مقصد شعر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔:

۳۔ ستمبر ۱۹۱۷ء

" میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں
میں وہ احساس ملیہ پیدا کرنا ہے جو قرون اولی کے
مسلمانوں کا خاصا تھا ۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض
عبادت ہے نہ کہ شہرت ۔ کیا عجب کہ نبی کریم کو میری یہ
کوشش پسند آ جائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ
نجات ہو جائے" ۔ (۱۲)

اس فکری پس منظر میں اقبال ہر اس بڑے شاعر سے متاثر ہیں جس کے یہاں اسلامی روح اور فلاح انسانیت کے لیے گداز دل موجود ہے ۔

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ ـ	انور سدید	اقبال کے کلاسیکی نقوش مضمون ـ	۲۶۸	صحیفہ اقبال نمبر (جلد اول)	۱۹۷۲ء (جولائی ـ اگست)
۲ ـ	ڈاکٹر جمیل جالبی	ارسطو سے ایلیٹ تک	۳۰۷	نیشنل بک فاونڈیشن	۱۹۷۵ء
۳ ـ	اقبال	پیام مشرق	۱۸۶	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۸۳ء
٤ ـ	"	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	۲۳۹	اقبال اکادمی پاکستان لاہور ـ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ـ	۱۹۹۰ء
۵ ـ	"	زبور عجم	۵۵	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۸٤ء
٦ ـ	پروفیسر سید علی عباس جلالپوری	اقبال کا علم کلام	۱۳۳	مکتبہ فنون لاہور	۱۹۷۲ء
۷ ـ	ڈاکٹر جمیل جالبی	ارسطو سے ایلیٹ تک	۳۳۹		
۸ ـ	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مباحث	۳۹۲	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹٦۵ء
۹ ـ	"	"	۳۹۳	"	"
۱۰ ـ	اقبال	پیام مشرق	۱۱۲	شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز ـ	۱۹۸۳ء
۱۱ ـ	ڈاکٹر شاہین دحت مقدم	نگاہی بہ اقبال	۲٦	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۸۹ء
۱۲ ـ	محمد عبداللہ قریشی مرتب ـ	مکاتیب اقبال بنام گرامی	۱۳٦	اقبال اکادمی پاکستان کراچی ـ	۱۹٦۹ء

چوتھا باب

محمد قلی قطب شاہ

پیدائش : ۱۵۶۵ء
وفات : ۱۶۱۱ء

قلی قطب شاہ پر کچھ لکھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند کے اس علاقے کا جو کوہ بندھیا چل کے سلسلوں کے اس طرف واقع ہے اور جسے عرف عام میں دکن کہا جاتا ہے مختصر جائزہ لے لیا جائے ـ اس لیے کہ یوں تو اقبال کے مسلک میں خاک وطن کا ہر ذرہ دیوتا تھا مگر دکن سے متعلق اقبالی انداز فکر سب سے جداگانہ ہے ـ

دراصل کراچی کی طرح دکن کو بھی باب الاسلام ہی کا شرف حاصل ہے اس لیے کہ ۶۲۸ء میں دکن میں قاصدان رسول کے ورود کا سراغ ملتا ہے ـ بقول عبدالصمد صارم

" رسول اکرم صلی اللہ علیہ والیہ وسلم نے ٦ ہجری بمطابق ۶۲۸ء میں دنیا کے کتنے ہی حکمرانوں کو تبلیغی فرامین ارسال کیے .... ان میں ایک فرمان ہندوستان کے ایک راجہ سرہانک کے نام بھی تھا ـ (۱)

راجہ سرہانک کا تعلق دکن سے تھا اور جس کے مسلمان ہونے کے تاریخی شواہد بھی ملتے ہیں ـ دوسرے یہ کہ قلی قطب شاہ جو گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت کا بانی تھا ، ترک نژاد تھا ، ہمدان کے بادشاہ اویس قلی کا بیٹا تھا اور ایران سے دکن آیا تھا جبکہ بیجا پور کی عادل شاہی سلطنت کے بانی یوسف خان بھی ترک نژاد تھے اور ایران سے آئے تھے ـ اس پس منظر میں تمام برصغیر میں دکن ایسا شہر تھا جس پر خالصتاً اسلامی رنگ غالب تھا ـ بادشاہ دین و مذہب سے لگاؤ رکھتے تھے ـ چنانچہ رعایا کے مزاج میں دین کی محبت جاگزین تھی ـ

تعلیمی اور علمی میدان میں بھی دکن بہت آگے تھا اس کی علمی کشش نے جہاں مولوی چراغ علی ، محس الملک ، وقار الملک ، کو اعلی عہدے داروں کی حیثیت سے کھینچا وہاں شبلی اور حالی بھی دکن آتے جاتے رہے ـ مولانا شبلی نے تو ندوۃ العلماء کی ایک شاخ حیدر آباد دکن میں بھی قائم کی ـ (۲) فصیح الملک داغ اقبال جن کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں اسی خاک کا پیوند بنے ـ امیر مینائی جنہیں اقبال بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں خاک دکن ہی کا حصہ بنے ـ داغ کے انتقال پر انھوں نے حوالے سے اقبال نے یوں اظہار خیال کیا :

؎ تھی نہ کچھ ایسی کشش شائد وطن کی خاک میں
وہ مہ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں (۳)

نظر حیدر آبادی شمالی ہند سے الگ دکن کے منفرد ماحول سے متعلق رقم طراز ہیں :

" حیدر آباد کا ماحول یہ تھا کہ جب اس صدی کا آغاز ہوا
ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان سے ''
سے الگ مشرقی و مغربی تہذیب کے سنجوگ سے ایک نیا ملک
منصۂ شہود پر نمودار ہو رہا ہے -" (۴)

مزید یہ کہ ٹیپو سلطان جیسے مایہ ناز شہید کا تعلق بھی سر زمین دکن ہی سے تھا - سلطان شہید جیسے جاوید نامہ میں اقبال نے " آں سوئے افلاک " کے ذیلی عنوانات میں خصوصی مقام دیا ہے اور " حقیقت حیات و مرگ شہادت " یوں بیان کی ہے

؎ زندگی راچیست رسم و دین و کیش
یک دم شیری بہ از صد سال میش

جنگ مومن چیست ؟ ہجرت سوئے دوست
ترک عالم اختیار کوئے دوست (۵)

دکن میں قیام کے دوران اقبال :

"سلطان کے مزار پر فاتح خوانی کرتے ہیں تخلیہ چاہتے ہیں
اور مراقبہ کرتے ہیں تو یہ شعر وارد ہوتا ہے -

درجہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

اقبال کہتے ہیں کہ ٹیپو کے مزار پر ان کا ایک لمحہ بھی بیکار نہیں گزرا -: (٦)

میجر سعید محمد خان کے نام سلطان ٹیپو کے حوالے سے ایک خط میں لکھتے ہیں :

" جنوبی ہندوستان میں جیسا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے
اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے -
بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے

آپ کو زندہ ظاہر کرکے لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے
ہیں ۔ (۷)

پھر یہ کہ نظام دکن اور مہا راجہ کشن پرشاد سے بھی اقبال کے گہرے روابط تھے ۔ خاص طور پر مہا راجہ کشن پرشاد جو اقبال کے دوست بھی ہیں ، ہمراز بھی اور مہربان بھی ۔ سر زمین دکن کی معروف شخصیت ہیں ۔ اہم بات یہ کہ عطیہ فیضی جنہوں نے اقبال کی زندگی پر اہم اثرات چھوڑے ، جن سے اقبال کی ذہنی ، قلبی ، روحانی علمی اور ادبی وابستگیاں تھیں اور جن کے سامنے اقبال اپنا درد دل کھول کر رکھ دیتے تھے ان کا تعلق بھی دکن ہی سے تھا ۔ اس نسبت سے بھی دکن سے محبت اور گہری قلبی وابستگی اقبال کے لاشعور کا حصہ بن گئی تھی جسے وہ آخری وقت تک ذہن سے نہ نکال سکے ۔ ان سب واسطوں کے علاوہ ایک واسطہ سید جمال الدین افغانی کی شخصیت بھی تھی جن کی عظمت فکر کے اقبال بہت بڑے مداح تھے ۔

" سید جمال الدین افغانی کو جب یورپ کے سیاسی مدبروں
نے یورپ ، افریقہ اور ایشیاء میں کہیں بھی رہائشی سہولتیں
دینے سے انکار کر دیا تھا تو آخر کار سید صاحب مرحوم
نے حیدر آباد میں سکونت اختیار کی تھی ۔ (۸)

مذکورہ تمام واسطوں کے سبب دکن کی سرزمین اقبال کے لیے بے پناہ پرکشش بن گئی تھی ۔ جس میں اقبال کے لیے ذہنی ، قلبی ، علمی ، فکری اور روحانی تسکین کے تمام سامان موجود تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شدید خواہش تھی کہ دکن میں مستقل سکونت اختیار کر لیں ۔ اس کے لیے وہ دکن میں اسباب معاش کی تلاش میں بھی کوشاں رہے ۔ مگر کوئی صورت بن نہیں پائی ۔ اسی سلسلے میں ذرا جھنجھلائے ہوئے انداز میں مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں ۔

" حیدری صاحب تو اقبال کو بلاتے بلاتے رہ گئے ......
...... ادھر سے مولوی عبدالحق صاحب ، اصطلاحات
علمیہ کی ایک طویل فہرست ارسال کرتے ہیں کہ انکے تراجم اردو
پر تنقید کروں .... ترجمہ کرنے
والوں کو معقول تنخواہیں دے کر بلایا ہے تو یہ کام بھی انھی
سے لینا چاہیے ۔"

اس تمام جھنجھلاہٹ کے بعد آخر میں لکھتے ہیں ۔

" میرا جذب دل تو بوڑھا ہو گیا ۔ آپ کا جذبہ تو بفضلہ
ابھی جوان ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔ پھر کیوں اقبال کو
وہاں نہیں کھینچ لیا جاتا ۔ " (۹)

دکن سے مذکورہ تمام شعوری اور غیر شعوری محبتوں ہی کا تقاضا تھا کہ جس کے سبب دکن کو اقبال کے فکر و فلسفہ کے ابلاغ میں اہم مقام حاصل ہے ۔ اقبال کی قابل قدر فلسفیانہ نقطہ نظر کی حامل تصنیف " تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے تمام خطبات جنہیں خطبات مدراس بھی کہا جاتا ہے ۔ لیکچر کی صورت میں جنوبی ہند ہی میں دیئے گئے ۔ گو کھلے ہال مدراس اس پس منظر میں کافی شہرت رکھتا ہے ۔ مدراس اور دکن کے مسلمانوں نے اقبال کے ان اسلامی فکر کے حامل لیکچرز کی بڑے علمی جوش اور ولولے کے ساتھ پذیرائی کی ۔ لیکچرز کا متن بتاتا ہے کہ جنوبی ہند کے اہلیان علم و دانش کی بصیرت پر اقبال کو کتنا بھروسہ تھا ۔ اقبال نے یہ علمی سفر دسمبر ١٩٢٨ء میں کیا تھا ۔اسی سفر کے دوران اہلیان دکن نے بڑی ہی قدر و منزلت کے ساتھ اقبال کی پذیرائی کی ۔ مہاراجہ میسوز نے علامہ کو دعوت ملاقات دی ۔ سر اکبر حیدری اور اعلی حضرت میر عثمان علی سے شرف نیاز حاصل ہوا ۔ حتٰی کہ ایک جرمن خاتون جو سیٹھ اسمعیل کے صاحبزادے سیٹھ محمد کی اہلیہ تھیں اور پردہ کرتی تھیں اقبال کی عظمت فکر کو یوں تسلیم کیا کہ :

" علامہ کے پاس گوئٹے کی مشہور تصنیف " فاؤسٹ"
بھیجی کہ علامہ اس پر اپنا کوئی شعر بطور یادگار لکھ
دیں ۔ چنانچہ انہوں نے لکھا :

کلام و فلسفہ از لوح دل فرو شتم
ضمیر خویش کشا دم بہ نشتر تحقیق (١٠)

حقیقت یہ ہے کہ دہلی اور لکھنو کی تباہی کے بعد حیدر آباد اس زمانے میں علم و ادب اور اردو پروری کا ایک بڑا مرکز بن گیا تھا ۔ کیونکہ شروع ہی سے سر زمین دکن کی خاک کو دین پروری ، محبت اسلام فطرت سے ودیعت کر دی گئی تھی یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں میں صوفی منشی ، درویش صفتی ، اور دین پروری کے رجحانات اس وقت بھی موجود تھے ۔ اقبال کو دکن کی یہی ادا پسند تھی اسی لیے نظام دکن سے اپنی پہلی ملاقات کے تاثرات نظم کرتے ہوئے اقبال دکن کو " مرکز اسلام ہند " کہتے ہیں

اقبال اپنی ایک نظم میں جو " اول اول شکریہ" کے زیر عنوان لکھی گئی ۔ اپنے مشاہدات تاثرات اور محسوسات کو یوں قلمبند کر تے ہیں :-

کیا کہوں اس بوستان غیرت فردوس کی
جس کے پھولوں میں ہوا اے ہمنوا میرا گداز (١١)

خطۂ جنت فضا جس کی ہے دامن گیر دل
عظمت دیرینۂ ہندوستان کی یادگار

جس نے اسم اعظم محبوب کی تاثیر سے
وسعت عالم میں پایا صورت گردوں وقار (١٢)

ہے یہاں شان امارت پردہ دار شان فقر
خرقہ درویشی کا ہے زیر قبائے زرنگار (۱۳)

بعد میں اس نظم کے ابتدائی نو اشعار " نمود صبح" کے عنوان سے بانگ درا میں شامل کر دیئے گئے ۔

۹ ۔ جنوری ۱۹۲۹ء کو اراکین مسلم لائبریری بنگلور اور انجمن ترقی اردو بنگلور کے ایک مشترکہ اجلاس کے سپاسنامے کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کتب خانے کی عمارت میں گئے اور کتابوں کی سیر کے بعد اپنے تاثرات یوں تحریر کیے ۔

" جنوبی ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں اور خصوصاً بنگلور کے مسلمانوں میں اسلامی کلچر کی اشاعت کا پورا احساس پیدا ہو چکا ہے ۔ جس کو میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نیک فال تصور کرتا ہوں .... اراکین کتب خانہ کو چاہیے کہ تاریخ میسور کی قلمی کتابوں کی طرف بالخصوص توجہ فرمائیں ۔ (۱۴)

دکن ہی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اقبال کی زندگی میں ہی یوم اقبال منانے میں پہل کی اور :

" اس حیدر آباد نے مشرق کے سب سے بڑے انقلابی شاعر اور حکیم کو پر وقار اور والہانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کیا تھا "۔" (۱۵)

قلی قطب شاہ بھی اسی گہوارۂ اسلام اور نگہبان علم کا قابل قدر شاعر ہے ۔ جس نے اردو زبان کی ترقی و ترویج ، شعر و ادب کو نکھارنے اور فکر و فن کو سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کیا ۔ مذکورہ تمام پس منظر میں اقبال کی نگاہوں میں قلی قطب شاہ نمایاں اہمیت کا حامل شاعر ہے ۔ قلی قطب شاہ ۱۵۸۰ء میں تخت نشین ہوا یہ امن پسند اور صلح جو بادشاہ تھا اور اپنے ملک کی ثقافت اور طرز بود و باش کو اہمیت دیتا تھا اور پر گو شاعر تھا ۔

آسودہ حالی کی وجہ سے اور بادشاہوں کی عوام دوستی کے سبب دکن میں مسلمانوں کے مذہبی تہوار اور نوروز ، بسنت ، جشن برسات اور دوسری تقریبات بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں ۔ قلی قطب شاہ نے زندگی کی انہی تمام [illegible]

زبان و بیان کو سنوارنے کی مقدور بھر کوشش کی اور شاعری کو اظہار کی وسعت عطا کی حقیقت یہ ہے کہ :-

" قلی قطب شاہ نے اردو شاعری کا ایک خاص معیار قائم کیا ۔ اس کے کلام میں جدت، خلوص اور جذبہ کی دل آویز آمیزش ملتی ہے ۔ اس نے گرد و پیش یعنی اپنے ماضی کی عکاسی بھی کی اور زندگی کے ہر شعبے اور روز مرہ کے ہر مشغلے سے دلچسپی کا اظہار کرکے اسے موضوع سخن بنایا ۔ " (١٦)

قلی قطب شاہ کے بعد اگر کوئی شاعر ان تمام موضوعات پر اظہار خیال کرتا ملتا ہے تو وہ نظیر اکبر آبادی ہیں جو کسی حد تک میر کے ہمعصروں میں شامل ہیں ۔

ہر شاعر کے نزدیک اس کے تخلص کی بہت اہمیت ہوتی ہے کیونکہ اس کی تمام تر شعری حیثیت کا دارو مدار تخلص کی پذیرائی میں مضمر ہوتا ہے ۔ کم از کم ہر شاعر اس انداز سے سوچتا ہے ۔ قلی قطب شاہ کا بھی اپنے تخلص کے بارے میں معاملہ کچھ ایسا ہی ہے بلکہ بہت سے شاعروں سے مختلف اور انتہائی نوعیت کا بھی " تاریخ ادب اردو " کے مطابق :

" اس نے سترہ تخلص استعمال کیے ۔ کہیں محمد، محمد شاہ، محمد قلی، محمد قطب، قطب زمان، قطب شہ، محمد قطب شاہ محمد قطب شاہ غازی، تخلص لایا اور کہیں محمد قطب شاہ راجہ، محمد قطب شاہ سلطان، قطب شاہ نواب، معانی، قطب معنی، قطب معنا، قطب معانی اور ترکمان باندھا ہے ۔ " (١٧)

قلی قطب شاہ کی شاعری زندگی کے بڑے بڑے واقعوں سے معمولی معمولی باتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ اس نے تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ۔ وہ در حقیقت اپنے دور کا بہت بڑا عوامی شاعر ہے ۔ اس نے زبان کو اس قرینے سے استعمال کیا کہ عوام و خواص دونوں میں اسے یکساں پذیرائی حاصل ہوئی ۔ امیر خسرو کے گیتوں کی طرح اس کے گیت آج بھی دکن کی خواتین میں مقبول ہیں ۔

اس کے کلیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب اور عشق کو اس کے یہاں بہ یک وقت مرکزی اہمیت حاصل ہے ۔ کیونکہ یہ دونوں زندگی کی بنیادی سچائیاں ہیں اور قلی قطب شاہ نے ان سچائیوں کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے ۔ اس کے یہاں نعتیہ اور حمدیہ رنگ کے اشعار کی کثرت ہے ۔ اور مسلکاً شیعہ ہونے کے سبب علویت کا رنگ بھی نمایاں طور پر مل جاتا ہے جو مرثیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے ۔ اس کے اشعار کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

اسم محمد تھی اہے جگ میں سوخاقانی پہنچے
بندہ نبی کا جسم اہے سہتی ہے سلطانی پہنچے

صدقے نبی کے قطب شہ جم جم کر و مولوتم
حیدر کی برکت تھی سدا جگ اپر فرمان کرو (۱۸)

اگرچہ قلی قطب شاہ اور اقبال میں فکری فنی اور زمانی اعتبار سے بعد المشرقین ہے اور کسی طرح بھی اقبال کے فنی و ذہنی ارتقاء کے ذکر میں قلی قطب شاہ کا ذکر نہیں آ سکتا لیکن اقبال کو اعتراف ہے کہ قلی قطب شاہ نے اس زمانے میں جبکہ اردو زبان اپنی صورت پذیری کی بالکل ابتدائی منزلوں میں تھیں اور شعر و ادب اور علم و فن بھی اپنے اظہار و نکھار کی اولین سیڑھی پر تھے ۔ زبان و بیان اور علم و فن کے ارتقاء میں قابل قدر حد تک اپنا کردار ادا کیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دکنی ادب کے پس منظر میں اقبال قلی قطب شاہ کے شعر و ادب کی ترویج و تشہیر چاہتے ہیں ۔ اس لیے کہ اقبال نے اس حقیقت کا بخوبی ادراک کر لیا تھا کہ اپنی تمام تر جدت پسندیوں اور افکار نو سے متاثر ہونے کے باوجود ہمارے شعر و ادب کی جڑیں دکنی ادب میں محفوظ ہیں کیونکہ دکنی ادبیات کا مذہب سے نہایت گہرا تعلق رہا ہے ۔ اور اقبال کسی بھی طور اپنی ان قابل رشک بنیادوں سے الگ ہونے کے قائل نہیں ہیں ۔ اقبال جانتے تھے کہ :-

" اردو کی تاریخ میں دکنی ادبیات کا حصہ نسبتاً بہت
جاندار نظر آتا ہے ۔"

اور یہ کہ :

" زندگی سے دکنی ادبیات کا تعلق اصلی اور اساسی
ہے ۔ " (۱۹)

اقبال کو اس حقیقت کا بھی شعور تھا کہ دکنی ادب جاندار اور پر جوش ہے اور یہ کہ اس میں ژولیدہ بیانی نہیں ہے ۔ دکنی شعرو ادب کے بارے میں اقبال کا یہی وہ محققانہ طرز فکر ہے جس کے سبب وہ اہل علم و تحقیق سے توقع کرتے ہیں کہ وہ دکنی ادبیات کو بحقہ ، منظر فکر پر لانے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے ۔ اس دور اندیشانہ سوچ کے تحت اقبال اپنے ۸ مارچ ۱۹۱۶ء کے مراسلے میں مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں ۔ :

" ولی سے پہلے کے دکنی شعراء کا کلام شائع ہونا چاہیے
مثلاً سلطان قطب شاہ ، اردو لٹریچر پر یہ ایک بہت بڑا

احسان ہو گا اور مولانا آزاد مرحوم کی تحقیق میں
اضافہ ـ" (۲۰)

اسی طرح ۳ اپریل ۱۹۱۶ء کے ایک خط میں مہا راجہ کشن پرشاد ہی کے نام دکنی ادب کی اشاعت پر یوں زور دیتے ہیں ـ :

" ولی دکنی سے پہلے کے اردو شعراء کو ایڈٹ کرنا نہایت
مفید ہو گا اور اردو لٹریچر ہمیشہ کے لیے آپ کا زیر بار
احسان رہے گا ـ (۲۱)

اب ولی سے پہلے کے اردو شعراء میں جہاں اور دوسرے شاعر مثلاً محمد قطب شاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ ، ابن نشاطی ، غواصی ، ملا و جہی ، ملا قطبی ، ابو الحسن تانا شاہ ، ابراہیم عادل شاہ ، علی عادل شاہ نصرتی ، ہاشمی ، اور شاہ امین وغیرہ شامل ہیں وہاں سلطان قلی قطب شاہ کا ذکر خود بخود بنیادی اہمیت اختیار کر لیتا ہے ـ کہ موضوعات کے تنوع کے سبب اردو بول چال اور زبان و بیان کو وسعت دینے میں اس کی ابتدائی نوعیت کا شاعرانہ صلاحیتوں کا گراں قدر حصہ ہے ـ اقبال کے نزدیک قلی قطب شاہ کی اہمیت بھی اسی بات میں ہے ـ

+++++++++

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ـ	عبد الصمد صارم	اردو زبان کی تاریخ	۱۷	ادبی دنیا	۱۹٦۵ء
۲ـ	نظر حیدر آبادی مولف	اقبال اور حیدرآباد دکن	٦	اقبال اکادمی پاکستان لاهـــــور	۱۹۸۱ء
۳ـ	اقبال	کلیات اقبال (بانگ درا)	۱۱۷	اقبال اکادمی پاکستان لاهـــــور ـ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ـ	۱۹۹۰ء
٤ـ	نظر حیدر آبادی مولف	اقبال اور حیدرآبادی دکن	۷		
۵ـ	اقبال	جاوید نامه	۱۸٦ـ ۱۸۵	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۷۸ء
٦ـ	محمد عبدالله قریشی	داستانی از دکن (مضمون)	۷۰ـ۷۳	صحیفه اقبال نمبر حصه اول جولائی ـ اکتوبر	
۷ـ	شیخ عطاء الله	اقبال نامه حصه اول	۲٤٦	شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاهـــور مین هم ـ	
۸ـ	سید عبدالواحد	اقبال اور حیدرآباد دکن ـ مضمون ، مشموله مطالعه اقبال مرتب گوهر نوشاهی ـ	۱۱۱	بزم اقبال لاهور	۱۹۸۳ء
۹ـ	شیخ عطا الله	اقبال نامه حصه دوم	۱۹۱ـ۱۹۲	شیخ محمد اشرف تاجر کتب ـ لاهور ـ	
۱۰ـ	ڈاکٹر سید عبد الله مرتب	متعلقات خطبات اقبال	۲۱	اقبال اکادمی پاکستان لاهور ـ	۱۹۷۷ء
۱۲ـ	سید عبدالواحد معینی / ترامیم و اضافه ، محمد عبد الله قریشی ـ	باقیات اقبال	۲۰۲	آئینه ادب لاهور	۱۹٦٦ء

حـــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۲ـ	سید عبدالواحد معینی / ترامیم و اضافہ ، محمد عبد اللہ قریشی ـ	باقیات اقبال	۲۰۳	آئینہ ادب لاہور	۱۹۶۶ء
۱۳ـ	سید عبدالواحد معینی / ترامیم و اضافہ ، محمد عبد اللہ قریشی ـ	"	۲۰۵	"	"
۱۴ـ	نظر حیدر آبادی مولف	اقبال اور حیدر آباد دکن	۶۰		
۱۵ـ	"	"	۲۲	"	"
۱۶ـ	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب ارد و جلد اولی	۴۱۰	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۵ء
۱۷ـ	"	"	۴۱۱ـ۴۱۲	"	"
۱۸ـ	"	"	۴۱۳	"	"
۱۹ـ	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	ملفوظات اقبال	۲۲۵	اقبال اکادمی پاکستان لاہور ـ	۱۹۷۷ء
۲۰ـ	محمد عبد اللہ قریشی	روح مکاتیب اقبال	۱۴۴	"	"
۲۱ـ	"	"	۱۴۶	"	"

****

ولی دکنی

پیدائش : ١٦٦٨ء

وفات : ١٧٢٢ء

ولی سلطان عبداللہ قلی (قطب شاہیوں کا آٹھواں فرمانروا) کے عہد میں ١٦٦٨ ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور ١٧٢٢ء میں محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں اورنگ آباد (دکن) ہی میں وفات پائی ۔

اصل نام شمس ولی اللہ تھا ۔ ولی دکنی کے نام سے شہرت پائی ۔ ولی کو بالاتفاق اردو شاعری کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے ۔ جس نے شعر و ادب کو باقاعدہ طور پر زبان اردو سے اس وقت روشناس کرایا جب برصغیر بالخصوص شمالی ہند پر فارسی زبان کا غلبہ تھا ۔ فارسی چونکہ درباری زبان تھی اس لیے شرفاء علماء و فضلاء اور ادباء کی محفلوں اور فکر و فن میں اسے خصوصی مقام حاصل تھا ۔ فارسی گوئی کے ایسے بھرپور دور میں شعرائے ہند کو اردو گوئی کی طرف مائل کرنا ولی کا بہت بڑا کارنامہ ہے ۔ جس نے برسوں پرانی روائت کو اظہار کا نیا سانچہ دیا ۔ ریختہ کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اردو اور فارسی سے نئی نئی بحور منتخب کیں ۔ نئی امتزاجی رنگ کی حامل تراکتب زبان اردو میں شامل کیں ۔ اور فارسی کی آمیزش سے ہندوی دکنی ریختہ کو قابل قدر اردو زبان میں منتقل کیا ۔ مولانا آزاد ان کی اس لسانی مہارت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

> " ایک زبان کو دوسری سے ایسا بے معلوم جوڑ لگایا کہ آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے مگر پیوند میں جنبش نہیں آئی ۔: (١)

ڈاکٹر جمیل جالبی ولی کی اس لسانی و شعری بڑائی کو اس طرح سراہتے ہیں ۔

> " ولی پہلا شخص ہے جس کے شاعرانہ مزاج کو کلاسیکل کہا جا سکتا ہے ۔ اس کی تخلیقی قوت اور ذہنی فطرت بھی داد کے قابل ہے ۔ اس نے جو کچھ کہا وہ اس طرح قبول کر لیا گیا جیسے سب لوگ اسی کی تلاش میں تھے ۔ (٢)

ڈاکٹر جمیل جالبی اسی بیان میں آگے چل کر یہ خیال بھی ظاہر کرتے ہیں ۔

> " قلی قطب شاہ کے برعکس ولی کے یہاں راگ کے تنوع کا احساس ہوتا ہے ۔ (٣)

اس سے قبل مولانا محمد حیسن آزاد بھی اپنی کتاب " آب حیات " میں ولی سے متعلق

ایسے ہی خیالات کا اظہار کر چکے ہیں - ان کے بقول :

" انھیں ہندوستان کی نظم میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو
انگریزی کی نظم میں چاسر شاعر کو فارسی میں رودکی کو ،
اور عربی میں مہلل کو ، وہ کسی کے شاگرد نہ تھے -
اور یہ ثبوت ہے فصیح عرب کے قول کا کہ الشعراء
تلامیذ الرحمٰن -" (۴)

ولی بھی فطرت سے اپنی شاعری ساتھ لے کر آئے تھے -

اگر تارتخ شعر و ادب کا جائزہ لیا جائے تو مشرق و مغرب میں ایسے ہزارہا شاعر مل جائیں گے کہ محض جن کے ناموں کے اندارج سے ضخیم ترین کتاب تیار ہوسکتی ہے لیکن کتنے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے شعرو ادب کی دنیا میں عظیم علمی و ادبی ، لفظی اور فکری انقلاب پیدا کیا - ایسے شاعروں کے نام ایک مختصر ترین کتابچے میں سما سکتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ محض شعر کہنا یا علمی و ادبی تحریریں لکھنا بہت آسان کام ہے مگر شعر اور علم و ادب کی دنیا میں ایسا لسانی ، فکری اور معنوی انقلاب برپا کرنا جو اپنے وقت کی اہم ضرورت سمجھا جائے اور ہاتھوں ہاتھ لیا جائے ایک مشکل اور دقیق مرحلہ ہے - اس میں انگلیاں فگار ، اور خامہ خونچکاں ، کرنا پڑتا ہے اور خون جگر کو داؤ پر لگانا پڑتا ہے - ولی نے بھی اپنے دور میں ایسی ہی انقلابی کوشش کی اور اپنے دور کے روائتی اسلوب سے ہٹ کر اظہار و بیان کا نیا قرینہ اختیار کیا - اقبال کو یقیناً ولی کی یہی انقلاب پسندی اور روائت شکنی کی ادا اچھی لگی ہو گی - کیونکہ اقبال خود بھی حرکت پسند اور روائت شکن ہے اور حیات کے ہر شعبے میں حرکت و حرارت یا گرمی عمل کا نیا جوش دیکھنا چاہتا ہے اور ولی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق زندہ ادب تخلیق کرنے کی یہ آفاقی صلاحیت موجود تھی - یہ الگ بات کہ اس صلاحیت کو بروئے کار لانے میں ولی کو آغاز میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - مگر شاہ سعد اللہ گلشن نے جو نقشبندیہ سلسلے کے قابل قدر بزرگ تھے - ان کی صحبت و رفاقت و مشاورت اور شاگردی و مریدی نے ولی دکنی کی صلاحیتوں کو چمکانے اور تخلیق کے ایک نئے موڑ پر ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا - سعد اللہ گلشن کا مشورہ تھا :

" این همه مضامین فارسی که بیکار افتاده اند در
ریخته خود بکا رہبر، از توکه محاسبه خواهد گرفت:" (۵)

ولی نے پیروی فارسی کرتے ہوئے محاسبہ کے خوف سے بے نیاز ہو کر بے ساختہ انداز میں زبان ریختہ میں غزلیں لکھیں اور اپنی استادی کا لوہا منوایا بقول مہر حسن :

" ابتدائے ریختہ ازوست - اول استادی ایں فن
بنام اوست -" (٦)

اپنے دور کی یکسانیت سے ہٹ کر اُنکے کلام کی یہی وہ منفرد خصوصیت تھی کہ جب ان

کا دیوان پہلی بار دلی پہنچا تو :

" اشتیاق نے ادب کے ہاتھوں پر لیا ۔ قدر دانی نے غور کی
آنکھوں سے دیکھا ۔ لذت نے زبان سے پڑھا ۔ گیت موقوف ہو
گئے ۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انھیں کی غزلیں گانے
بجانے لگے ۔ ارباب نشاط پیاروں کو سنانے لگے ۔ جو طبیعت
موزوں رکھتے تھے انھیں دیوان بنانے کا شوق ہوا ۔" (۷)

گویا اس وقت زبان و بیان میں شمالی ہند کا یکسانیت زدہ مزاج لا شعوری طور پر اس بات کا شدت سے منتظر تھا کہ شعرو ادب کے ٹھہرے پانی میں کوئی جدت پسندی اور انقلابی رنگ کا حامل بھاری پتھر پھینکے یہ کام ولی کے دیوان نے کر دیا ۔ ولی کے بعد ولی کی تقلید میں شمالی ہند کا ادب ایک نئی زبان کے سانچوں میں جو فارسی اور اردو کی آمیزش سے وجود میں آئی تھی تخلیق فکر کرتا ملتا ہے اور یہی ولی کا کمال ہے ۔ اس پس منظر میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ۔

" محمد قلی قطب شاہ کے بعد دوسرا عظیم الشان اردو
شاعر جس نے ہماری شاعری کو متاثر کیا ولی اورنگ آ
آبادی ہے جس کو "بابائے ریختہ" کہا جاتا ہے ۔" (۸)

زبان و بیان کی ساخت و پرداخت کے ساتھ موضوعات شاعری پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے نہ صرف حسن و عشق کے موضوع کو زیر بحث لائے بلکہ اخلاق و تصوف کے مضامین بھی موثر انداز میں باندھے ۔ اس ضمن میں انھوں نے فارسی شاعری اور اساتذہ فارسی کے کلام سے بھر پور استفادہ کیا نتیجہ :

" سخن آفرینی کے تمام معیار ، فکر و نظر کا پورا مزاق اور
طرز ادا کے تمام اسلوب انھیں بہ آسانی مستعار مل گئے ۔ (۹)

یہی وجہ ہے کہ :-

" ولی کے کلام میں ہندی کی گھلاوٹ اور رس بھی ہے اور
فارسی کی شیرینی بھی ، پختگی بھی ہے اور قادر الکلامی
بھی لیکن پاک نظری کی بھی خاص روش تھی ۔ عشق و عاشقی
کے یہی منزہ طریقے تھے جس کے باعث ، میر ، قائم ، آبرو
وغیرہ ولی کے طرز کو سراہتے رہے ۔ یہ سنت عرصے تک
قائم رہی ۔" (۱۰)

یہاں ہمیں سید نورالحسن ہاشمی کی اس رائے سے بھی اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ :

"شمالی ہند میں تو ولی شمع ہدایت بن کر آئے ۔" (۱۱)

بھلا اس شمع ہدایت کو اقبال نگاہ احترام سے کیوں نہ دیکھتے جس نے اپنی انقلابی روش کے سبب ایسے قابل عمل اور قابل قدر لسانی سانچے وضع کیے جو میر ، سودا اور درد جیسے عظیم المترتبت شاعروں کے لیے رہنما اصول ثابت ہوئے اور جن کے سبب زبان اردو کو اپنے ارتقائی سفر کے راستے ہموار نظر آنے لگے ۔ ان کی بڑائی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ میر جیسا نکتہ چین اور نازک مزاج شاعر جو میر درد کو آدھا شاعر گنتا ہے ولی کی عظمت کا یوں اعتراف کرتا ہے ۔

واقف نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ گوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا ... (١٢)

ولی کے یہاں جہاں حسن و عشق کا سوز و گداز ہے وہاں معاملات حیات پر وہ فلسفیانہ نظر ڈالتے ہوئے بھی ملتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کے زاویہ ہائے فکر میں بہت وسعت تھی وہ ذہین اور طباع انسان تھے اور جس کا انھوں نے شعر کی دنیا میں واضح ثبوت بھی دیا ۔

فلسفیانہ طرز فکر کے علاوہ متصوفانہ رنگ بھی ان کی شاعری میں خوب ملتا ہے ۔ ولی خود بھی مزاجاً صوفی تھے ۔ اس سبب شاہ سعد اللہ گلشن کی شاگردی میں آئے تھے انھوں نے بقول آزاد تصوف میں :

رسالہ نو المعرفت لکھا ہے ۔ اس میں کہتے ہیں کہ
میں محمد نورالدین صدیقی سہروردی کے مریدوں کا
خاکپا ہوں اور شاہ سعد اللہ گلشن کا شاگرد ۔ (١٣)

دراصل ولی کا زمانہ تصوف کا زمانہ تھا ۔ صوفیانہ مزاجی انسانی سرشت میں شامل ہے بزرگان دین کے توسط سے تبلیغ دین کا سلسلہ جاری تھا ۔ اور اس دور کی شاعری بیشتر تصوف کے رنگ میں ہی ڈوبی ملتی ہے ۔ وحدت الوجود کا عقیدہ اس وقت انسانی فکر و احساس کا حصّہ بنا ہوا تھا ۔ مختصر یہ کہ :

"تصوف اس زمانے کی فکری اور اخلاقی بلندی کا معیار تھا
وحدت الوجود کا عقیدہ ، جذب ، سلوک اور معرفت کے لیے
واحد بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا ۔ لیاقت ، علمیت بلند
مزاقی اور بلند نظری سب میں صوفیانہ طریق رچا ہوا تھا ۔" (١٤)

اور یوں اقبال کی نگاہوں میں ولی کی عظمت اور بھی بڑا جاتی ہے ۔ ہر چیز کے اقبال وحدت الوجودی نظریئے کا زبردست ناقد ہے ۔ لیکن صوفیا اور بزرگوں کی قدر و منزلت کرنا اور ان کے کردار کی روحانیت کو سراہنا اقبال کا شیوہ رہا ہے ۔ وہ صوفی منش بھی ہے اور صوفی نواز بھی ۔ شاعر بھی ہے ۔ اور شاعر پسند بھی اور ولی میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں ۔

ولی کے اسلوب بیان کی لافانیت اس بات میں ہے کہ آج تین سو سال گزر جانے کے

باوجود بھی اس کی شاعری کی زبان عام فہم ہے حالانکہ اس دور کے دیگر شعراء کی زبان کو سمجھنا ذرا دقت طلب امر ہے ـ ولی کے بعض شعر تو ایسے جدید ، کلاسیکی اور زندہ ہیں کہ آج ہی کی جدید اردو میں کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ـ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ۰۰۰:

صوفیانہ رنگ :

ﷺ خودی سی اولاً خالی ہوائے دل
اگر اس شمع روشن کی طلب ہے (۱۵)

عشق حقیقی کا انداز :

ﷺ عارفاں پر ہمیشہ روشن ہے
کہ فنِ عاشقی عجب فن ہے (۱۶)

عشق کا یہ وہی رنگ ہے جسے اقبال نے باقاعدہ نظریہ عشق کے طور پر پیش کیا ہے ـ

اخلاقی و مذہبی رنگ :

ﷺ صدق ہے آب و رنگ گلشن دیں
پاک بازی ہے شمع راہ یقین (۱۷)

اقبال بھی انسانی اخلاقی و کردار کی عظمت جلیلہ کے لیے ان اوصاف کو ضروری سمجھتے ہیں ـ

ﷺ نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز (۱۸)

تشبیہات و تراکیب میں ہندی و فارسی کی پیوندکاری :

ﷺ ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی
مرے گھر اس طرح آوے ہے جیوں سینے میں راز آوے (۱۹)

صاف و شفاف لب و لہجہ :

ص ناز دیتا نہیں گر رخصت گلگشت چمن
اے چمن زار حیا دل کے گلستاں میں آ (٢٠)

ص فرہاد لکھا صورت معشوق حجر پر
میں صورت دلبر دل شیدا پہ لکھا ہوں (٢١)

ص تیرا مجنوں ہوں صحرا کی قسم ہے
طلب میں ہوں تمنا کی قسم ہے ... (٢٢)

مذکورہ لسانی ، معنوی اور موضوعاتی خوبیوں کے پیش نظر نورالحسن ہاشمی نے درست کہا ہے -

"انھوں نے نہ صرف اپنے دور کے تمام ادبی و فکری معیاروں کو اپنی شاعری میں سمویا - بلکہ زبان کی لذت اور تعمیر کا اعجاز بھی دکھایا اور اسی میں ولی کی کرامت کا راز مضمر ہے -" (٢٣)

کیونکہ ولی کا تعلق فقر کے خاندان سے تھا ان کی شاعری کے صوفیانہ اور درویشانہ رجحانات کا پس منظر بھی یہی ہے - یہی وجہ ہے کہ اقبال کو ولی کی علمی ، فنی ، ادبی اور شعری خوبیوں کی حامل شاعری میں اسلام پسندی کے رنگ بھی نمایاں نظر آئے - چنانچہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور شعراء ادب سے متعلق تخلیقات کی اہمیت کو اجاگر دیکھنا چاہتے ہیں اور ولی تو پھر شعر و ادب کی دنیا میں وہ اہم مقام اور موڑ ہے جس پر چل کر شعر و ادب میر و سودا کے توسط سے فکر و خیال اور زبان و بیان کی بلندی پر پہنچے - اگر ولی نہ ہوتے تو ان شعراء کی کلاسیکیت بھی شائد پس منظر میں چلی جاتی کیونکہ زبان اردو میں فارسیت کے جس رنگ کو ولی نے عام کیا تھا وہ روایت اور وہ رنگ انھی واسطوں سے غالب کی فکری و لسانی سرحد سے گزرتا ہوا اقبال تک پہنچا ہے - اقبال کو ولی کی زبان سازی کی اس جدت ، ندرت اور انفرادیت کا بدرجہ اتم احساس تھا اور یہ اسی شعور و احساس کا نتیجہ تھا کہ جب یادگار ولی کمیٹی کے تحت حیدر آباد دکن میں ولی کا دو صد سالہ جشن یادگار ولی منایا گیا تو ٢٣ جنوری ١٩٣٧ء کی ایک تحریر میں کمیٹی کے منتظمین سے اقبال اپنے اطمینان کا اظہار یوں کرتے ہیں -:

" آپ نے یوم ولی منا کر شاعر اعظم ولی کی یاد کو جو تازہ کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ قومیت اور اسلام پرستی کا صحیح جذبہ ہے - (٢٤)

اقبال کا ، ولی کو شاعر اعظم کہنا ولی کی مذکورہ تمام صفات کا اعتراف ہے
یا پھر اقبال جب یہ کہتے ہیں -

" ولی سے پہلے کے دکنی شعراء کا کلام شائع ہونا چاہیے -" (۲۵)

یا یہ کہ :

"ولی دکنی سے پہلے کے اردو شعراء کو ایڈٹ کرنا نہایت
مفید ہو گا - " (۲۶)

تو ان بیانات سے بھی اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ ولی کی حیثیت تو مسلمہ ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ کہ ولی ایک ایسا نادر روزگار شاعر ہے جو منظر پر آنے کے لیے کسی کا محتاج نہیں - جس کے فن میں اتنی طاقت ہے کہ زمانہ خود اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے - اس لیے ان شاعروں کو منظر پر لانے کی کوشش کی جائے جنھوں نے اردو شعرو ادب کو نکھارنے میں اپنا بھر پور حصہ ڈالا اور جو ابھی قدرے پس منظر میں ہیں - اقبال اگر زندہ ہوتے تو یقیناً اس رائے کو تسلیم کرتے - :

" ولی کا اجتہاد اتنا بڑا ہے کہ اردو غزل نے جو رخ بھی
بدلا اس میں ولی کو ہی رہبر پایا - چاسر نے جیسے فرانسیسی
زبان و ادب کی مدد سے انگریزی زبان و ادب کو ایک نیا
معیار دیا ویسے ہی ولی نے فارسی کی مدد سے اردو کو ایک
نیا اور بڑا معیار عطا کیا -" (۲۷)

ولی کہتا ہے - :

راہ مضمون تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے باب سخن (۲۸)

ولی کی یہ تازہ گوئی کی تلاش اور ارتقاء پسندانہ سوچ اقبال کے فلسفہ حرکت سے مطابقت رکھتی ہے - اقبال بھی ہر لحظہ نیا طور اور نئی برقی تجلی " چاہتا ہے - اور دعا کرتا ہے کہ " مرحلہ شوق " کبھی طے نہ ہو - تقاضاہائے حیات بھی اس باب میں ان دونوں شاعروں کے ہمنوا ہیں اور یوں زمانے کی نگاہوں میں دونوں کی عظمت مسلمہ ہے -

+++++++++

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
١ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	٧٨	تاج بک ڈپو اردو بازار لاهور	
٢ـ	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو جلد اول	٥٣٢	مجلس ترقی ادب لاهور	١٩٧٥ء
٣ـ	" "	" " "	٥٣٢	" " "	"
٤ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	٧٧		
٥ـ	میر تقی میر	نکات الشعراء	٩٤	نظامی پریس بدایون	
٦ـ	میر حسن	تذکره میر حسن	١٨٤	انجمن ترقی اردو هند	
٧ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	٨٠ـ٨١		
٨ـ	داکتر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو جلد اول)	٥٤٠		
٩ـ	سید نوالحسن هاشمی	کلیات ولی	٣٣	انجمن ترقی اردو کراچی	١٩٥٤ء
١٠ـ	" "	" "	٤١	" " "	"
١١ـ	" "	" "	٣٦	" " "	"
١٢ـ	میر تقی میر	کلیات میر	٩٨		
١٣ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	٨١		
١٤ـ	سید نوالحسن هاشمی (مرتب)	کلیات ولی	٣١		
١٥ـ	ولی (مرتب سید نورالحسن هاشمی ـ	" "	٢٤٢		
١٦ـ	" " "	" "	٢٥١	"	
١٧ـ	" " "	" "	١٥٤		
١٨ـ	اقبال	کلیات اقبال / بال جبریل	٤٢٤	اقبال اکادمی پاکستان لاهور ـ نیشنل بک فاؤنڈیشن ، اسلام آباد	١٩٩٠

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۹ـ	ولی	کلیات ولی	۲۰۰		
۲۰ـ	"	" "	۱		
۲۱ـ	"	" "	۱۵۲		
۲۲ـ	"	" "	۲٤۰		
۲۳ـ	سید نوا لحسن ہاشمی مرتب ـ	کلیات ولی	۳۱		
۲٤ـ	رفیع الدین ہاشمی مرتب	خطوط اقبال	۲۷۲	مکتبہ خیابان ادب،لاہور	۱۹۷٦
۲۵ـ	محمد عبداللہ قریشی	روح مکاتیب اقبال	۱٤٤	اقبال اکادمی پاکستان،لاہور	۹۷۷
۲٦ـ	"	" "	۱٤٦	" "	"
۲۷ـ	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو جلد اول	۵۵۷	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۵
۲۸ـ	ولی	کلیات ولی	۱۵۵	انجمن ترقی اردو کراچی	۱۹۵٤ء

پانچواں باب

مرزا مظہر جانجاناں

پیدائش : ۱۷۰۰ء
وفات : ۱۷۸۰ء

مرزا مظہر جانجاناں کے شعر و ادب کا جائزہ لینے سے قبل مناسب ہو کا کہ شمالی ہند کے لسانی و شعری ماحول پر ایک نظر ڈال لی جائے ۔ کیونکہ جنوبی ہند کے بعد جس سرزمین نے شعر و ادب کی آبیاری کی اور زبان اردو کو بنانے سنوارنے اور نکھارنے میں میں اپنا قابل ذکر کردار ادا کیا وہ شمالی ہند کی سرزمین ہے جسے برصغیر کے آقاؤں یا حکمرانوں کی سرزمین بھی کہا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ دہلی ہمیشہ ہی حکمرانوں کا پائہ تخت رہا ہے ۔ جہاں جنوبی ہند کے برعکس حکمرانوں کی زبان ہونے کے سبب فارسی ہی شرفاء اور معززین کی زبان سمجھی جاتی تھی ۔

خلیجیوں کے زمانے میں امیر خسرو دہلوی نے اپنی اختراعی خلاق اور جدت پسند فطرت کے سبب برج بھاشا میں " خالق باری " لکھ کر ایک نئی زبان کا تجربہ کیا تھا ان کے موسمی گیت ، پہلیاں ،کہہ مکرنیاں اور دوہے وغیرہ آج بھی دلچسپی سے سنے اور سمجھے جاتے ہیں ۔ امیر خسرو کی زبان کا یہ تجربہ اکبری عہد میں قلعہ میں زنانہ بازار اور فوجی یا اردو بازاد میں مختلف قومیتوں کے خواتین و مرد کے باہمی لین دین اور لسانی اختلاط کے سبب آگے بڑھتا ہے اور جہانگیر اور شاہجہاں کے بتدریج ارتقائی ادوار سے گزرتا ہوا اورنگ زیب کے عہد میں داخل ہو جاتا ہے ۔ بقول مولانا عبدالسلام ندوی :-

" اردو زبان کا مکمل خاکہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں تیار ہوا ۔" (۱)

اس دور میں موسوی خان فطرت ، مرزا عبدالقادر بیدل اور مرزا عبدالغنی قبول تفریح طبع کے طور پر ریختہ میں شعر کہتے ملتے ہیں ۔ تاہم شمالی ہند میں ریختہ میں شعر گوئی کو جس شخص نے باقاعدہ طور پر موثر اندازمیں روشناس کرایا وہ ولی اورنگ آبادی ہیں ۔ جو محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں اپنے دیوان ریختہ کے ساتھ دہلی آئے ۔ دہلی والوں نے ان کے دیوان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور یوں اٹھارویں صدی کے ابتدائی عشروں میں شمالی ہند میں اردو شاعری یا ریختہ گوئی کا آغاز ہوا اور یہ ریختہ گوئی ترقی کرتے کرتے میر و سودا اور درد کے عہد سے تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی غالب ، ذوق اور مومن کے عہد میں داخل ہو گئی یہاں پہنچ کر

اردو زبان اردو معلی کہلا تی ہے ۔ اور اظہار و ابلاغ کے موثر ترین قرینوں کو نہایت وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹتی ہوئی امتداد زمانہ کے سبب دو دبستانوں یعنی دبستان دہلی اور دبستان لکھنو میں تقسیم ہو جاتی ہے ۔ آتش ، ناسخ ، جرات ، مصحفی اور انشاء کو دبستان لکھنو کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے ۔ جہاں تک ان دونوں دبستانوں کے طرز فکر و طرز اظہار کا معاملہ ہے تو دبستان دہلی اپنے صوفیانہ ، سادہ ، عام فہم ، پر درد ، پر اثر اور بلیغ لہجے کے ساتھ نمایاں نظر آتا ہے ۔ جبکہ احساس برتری ، تکلف و تصنع ، مرصع کاری و مقفیٰ نگاری رعایت لفظی اور ضلع جگت وغیرہ دبستان لکھنو کی خصوصیات ٹھہرتی ہیں ۔

برصغیر پر انگریز کی بڑھتی ہوئی گرفت کے سبب جب بے چینی ، بدامنی اور بے امانی حد سے بڑھنے لگتی ہے تو مذکورہ دونوں دبستانوں کے شعراء رامپور کی پر عافیت ریاست کی طرف منتقل ہونے لگتے ہیں اور یوں دربار رامپور کو شعر و ادب کی دنیا میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو جاتا ہے ۔ جلال ، تسلیم ، رند و صبا ، جلیل ، کمال مرزا ہادی ، عزیز لکھنوی اور احسان یہاں کے نمایاں شاعر ہیں ۔ داغ اور امیر مینائی بھی دربار رامپور سے وابستہ رہے ۔

جنوبی ہند کے بعد اقبال کو شمالی ہند بالخصوص دہلی سے ایک عقیدت خاص رہی ہے کہ دہلی نہ صرف نظام الدین اولیاء کا شہر ہے بلکہ اس میں اقبال کے بیشتر پسندیدہ صوفیاء کرام موفون ہیں پھر یہ کہ اقبال کا غالب بھی دہلی ہی سے نسبت رکھتا ہے ۔

اگرچہ اقبال اپنی فکری ہمہ گیری کے اعتبار سے دبستانوں کی قید سے آزاد تھے تاہم جب ہم شعری دنیا میں ان کے انتخاب نظر کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے پسندیدہ شعراء میں دہلوی طرز احساس رکھنے والے نام ہی زیادہ تر نظر آتے ہیں ۔ اس کا سبب دہلویت کا صوفیانہ ، بے ساختہ ، پرُ سوز ، پرُ اثر اور سادہ و معصوم لہجہ ہے جس میں اقبال کو جذب و احساس کی ایک گونہ صداقتیں پنہاں نظر آتی ہیں ۔ مرزا مظہر جانجاناں ان میں سے ایک ہیں ۔

آپ کا اصل نام شمس الدین تھا ۔ جان جاناں عرف اور مظہر تخلص تھا ۔ آپ کا سلسلۂ نسب چھبیس واسطوں سے حضرت محمد بن حنیفہ کے توسط سے حضرت علی مرتضیٰ تک پہنچتا ہے ۔ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ آٹھویں صدی ہجری میں ترک وطن کرکے طائف سے ترکستان آئے تھے ۔ آپ کے والد کا نام مرزا جان تھا ۔ جنھوں نے زندگی کا زیادہ حصہ اورنگزیب کی خدمت میں گزارا ۔ مرزا مظہر کی فطرت درویشانہ تھی علوم دینی سے شروع ہی سے گہرا لگاؤ تھا اپنی علمی استعداد کے بارے میں اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

" بیس سال کی عمر میں کمر ہمت باندھ کر دنیا سے ہاتھ اٹھا

لیا اور فقر کی راہ میں ریاضت شروع کی ۔ علوم معارفہ
والد کے زمانے میں پڑھے اور کتب حدیث حاجی محمد افضل
سیالکوٹی کی خدمت میں پڑھیں ....
.... قرآن مجید حافظ عبدالرسول دہلوی
سے سند کیا ۔ طریقہ نقشبندیہ کا خرقہ اور اجازت مطلقہ
جناب سید السادات نور محمد بداونی رضی اللہ تعالٰی عنہ
سے حاصل کیے ۔ جن کا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت مجدد الف
ثانی سے ملتا ہے ۔ ....
.... مدت تک فیض آستانہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ محمد
عابد سنامی کے آستانہ پر جبہ سائی کی ۔ ان کا سلسلہ
بھی دو واسطوں سے حضرت مجدد سے ملتا ہے ۔ ایک مدت
تک ان کی خدمت کرکے قادریہ ، سہروردیہ اور چشتیہ
طریقوں کا خرقہ اور اجازت ان سے حاصل کی ان بزرگوں
کے حکم کے مطابق تیس سال طالبان خدا کی تربیت کر رہا
ہوں ۔ " (۲)

یہ ہیں جان جاناں کی شخصیت کے وہ بنیادی اور روحانی پہلو جن پر ان کی تمام تر شناخت کا دارو مدار ہے ۔ اس لیے کہ خاندانی ، معاشرتی ، اور علمی و دینی ماحول ہی کسی انسان کی ذہنی و فکری تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ اخلاقی و روحانی تربیت بھی اسی پس منظر میں نشوونما پاتی ہے ۔

جب ہم مرزا مظہر جان جاناں کے کردار کو دیکھتے ہیں تو اقبال کا ان کی شخصی عظمت سے متاثر ہوجانا درست لگتا ہے ۔ اقبال اپنی شاعری میں عشق حقیقی کے جن متحرک مراحل کا ذکر کرتے ہیں وہ مرزا مظہر میں موجود ہیں ۔ پھر یہ کہ اقبال حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ جیسے بزرگان دین اور صوفیاء کی دینی قوت محرکہ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں ۔ مثلاً مجدد الف ثانی کو مرشد کامل سمجھتے ہیں ۔ اور اپنے ایک خطبے بعنوان " کیا مذہب کا امکان ہے " میں ان کا ذکر یوں کرتے ہیں ۔

"مرشد کامل حضرت شیخ احمد سرہندی ....
.... انھوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا
تجزیہ جس بیباکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس

سے سلوک ، عرفان کا ایک نیا طریق وضع ہوا ۔ " (۳)

شاہ ولی اللہ جومجتہد العصر اور عظیم المرتبت انسان تھے ۔ الاجتہاد فی الاسلام کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اقبال نے ان کی عظمت فکر کو یوں سراہا ہے :

" شاہ ولی اللہ نے اس موضوع پر بڑی سبق آموز
بحث اٹھائی ہے ۔" (۴)

اور شاہ ولی اللہ مرزا مظہر کے نہ صرف ہمعصر اور ہم مسلک ہیں بلکہ ان کی روحانی اور مرشدانہ عظمتوں کے سبب بے پناہ عزت و احترام کرتے ہیں ۔ اس کا اندازہ شاہ ولی اللہ کے اس خط سے ہوتا ہے جس میں وہ مرزا مظہر سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں :-

" بنام مرزا صاحب خدائے عزوجل ۔ان قیم طریقہ احمدیہ
بہ اعی سنت نبویہ را دہر گاہ داشتہ مشلمین را متمتع
و مستقید گرداند ۔" (۵)

شاہ ولی اللہ مرزا کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں :-

" آنچہ قدر الشیاں مامردم دانیم شماچہ دانید ۔ احوال
مردم ہند برمامخفی نسبت کہ خود مولد و منشا فقیر
است و بلاد عرب را نیز دیدہ رم ولہ نمودہ ام ۔ احوال
مردم ولایت اوصقات آں جاشنیدہ ام و تحقیق کردہ کہ
عزیزلہ بر جادہ شریعت ، طریقت ، إتباع کتب و سنت ہم
چنیں اُستوار مقیم باشد ....
دریں جززمان مثل الشاں در بلاد عظیم در یافتہ نمی
سود ۔ (۶)

مذکورہ حالات و واقعات اور آراء سے یہ بات مدلل طور پر سامنے آتی ہے کہ مرزا مظہر پختہ عقیدہ و ایمان کے مالک تھے ۔ حضرت مجدد الف ثانی کے علمی ، روحانی اور دینی نظریات کے اثر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی صحبت کی برکت سے تصوف میں وحدت الشہور کے فلسفے کے قائل تھے ۔ انسانوں سے متعلق حُسن ظن کو نہایت اہمیت دیتے تھے ۔

اتباع سنت کو تمام تر صوفیانہ مسالک پر فوقیت دیتے تھے - صوفی متشرع اور بلند فکر و بلند نظر انسان تھے - شائستہ مزاجی اور شستہ نگاہی ، حسن پرستی کی حدوں کو چھوتی تھی - زندگی میں کسی بھی حوالے سے ترچھا پن پسند نہیں تھا - ان کے خطوط ان کی شخصیت کے آئینہ دار ہیں جن میں انھوں نے :-

"تصوف کے اہم ترین مسائل جبر و اختیار ، سماع ، کرامات و خرق عادات ، وحدت الوجود ، نسبت علم حضوری و حصولی اتباع سنت اور ذکر جہر وغیرہ جیسے اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے -" (۷)

یہی مصنف محمد شاہ رنگیلے کے حوالے سے اس کے دور کی لا دینی رنگینیوں کے تناظر میں مرزا مرزا مظہر جان جاناں کی علمی و اجتہادی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتا ہے - :

" اس عہد کو پھر سے ایک مجدد الف ثانی کی ضرورت تھی مگر اس دفعہ ایک نہیں کئی مجدد ------ پیدا ہوئے شاہ ولی اللہ ، مولانا فخر الدین ، خواجہ میردرد ، اور مرزا مظہر -" (۸)

اگر چہ اجتہادی نقطہ نظر سے ایک سانس میں ان چاروں بزرگوں کا نام لے دینا قابل غور بات ہے تاہم مصنف کا اپنا زاویہ تحسین نظر ہے - بہر حال اقبال بھی مرزا مظہر کی اس عظیم المرتبت شخصیت کے قدر دان تھے - وہ شخصیت جس کے بارے میں محمد اقبال مجددی لکھتے ہیں - :

"دعوت و عزیمت اور سلوک و عرفان کی روحانی تعلیم اور فارسی زبان و ادب غرض ہر شعبہ زندگی میں حضرت مظہر ایک مثالی زندگی کے مالک تھے - (۹) "

صوفیانہ شخصیت کے اس گہرے پس منظر میں مرزا مظہر جان جاناں کا غزل کہنا اور شاعر کی حیثیت سے اپنی شاعرانہ انفرادیت کو منوانا کچھ عجیب سی بات لگتی ہے - جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بقول خود انھوں نے :-

" اردو شاعری کو ہمیشہ خلاف ذئی اور دوں مرتبہ سمجھا -" (۱۰)

اپنا اردو دیوان چھپوانے میں بھی انھیں اسی سبب سے تامل تھا ۔اور جب دیوان مرتب کیا تو تمام تر معنوی لفظی اور لسانی احتیاط کو پیش نظر رکھا اور اس کا دیباچہ بھی خود لکھا دیباچے میں لکھتے ہیں –

" ایک سراپا عمل نوجوان کو یہ کلام جمع کرنے پر مامور کیا اور یوں مختلف بیاضوں سے بیس ہزار کے قریب شعر لکھے جن میں کوئی ایک ہزار میں ردیف کی کوئی ترتیب ہی نہیں اور اکثر غزلیں نامکمل ہیں یہ میں نے دیکھیں – جو کچھ اس میں نہیں ہے اسے خارج سمجھا جائے – (۱۱)

خلیق انجم ، مرزا مظہر کی شاعرانہ مزاجی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں –

" مرزا صاحب نے شعر و شاعری میں دلچسپی صرف ہنگام جوانی میں لی تھی اور آخری عمر میں یہ مشغلہ ترک کردیا تھا – (۱۲)

جہاں تک مرزا مظہر کی تخلیقات و تحریرات کا معاملہ ہے تو نظم و نثر میں درج ذیل کتب و مضامین سامنے آتے ہیں –

مکاتیب کے مختلف مجموعے ، مجموعۂ اردو اشعار ، دیوان مظہر (فارسی) ، خریطۂ جواہر ، خود نوشت حالات برائے سفینۂ گوش گو ، خود نوشت احوال مشمولہ سرو آزاد ، دیوان فارسی کا دیباچہ ، تقریظ رسالہ کلمات الحق ، وصیت نامہ ، تنبیہات الخمسہ ، سلوک طریقہ وغیرہ –

مجموعۂ اردو شاعری کے حوالے سے مرزا مظہر کا شعر گوئی میں مقام و مرتبہ بہت بلند ہے ان کا سب سے بڑا کارنامہ زبان کے پرانے فرسودہ سانچوں کو توڑ کر اظہار و ابلاغ کے لیے موثر بنانا تھا – مرزا مظہر کا دور زبان کی اصلاح کا دور ہے اس دور میں اردو شاعری میں سب سے بڑی بدعت ابہام گوئی تھی – مرزا مظہر جانِ جاناں اس ضمن میں –:

" پہلے شخص ہیں جنھوں نے ریختہ کو ابہام گوئی کے چکر سے نکال کر اُردوئے معلٰی شاہجہان آباد کا حقیقی لباس پہنایا –" (۱۳)

(۱۰)
مصحفی نے تذکرہ ہندی میں مرزا کو اردو کا"نقاش اول"کہا ہے ۔ مرزا مظہر کی لطافت مزاج اور نزاکت طبع کا اثر تھا کہ انھوں نے زبان کی تراش خراش پر خصوصی توجہ دی :-

" اور اسے ایسا ترشا کہ جو شعراء پہلے گزرے تھے
انھیں پیچھے ہی چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کر
دیا اور اہل زبان کو نیا نمونہ تراش کر دیا جس سے
پرانا رستہ ایہام گوئی کا زمیں شعر سے مٹ گیا ۔ (۱٤)

مرزا مظہر کی اصلاح زبان و بیان کی کوششوں کی اس دور کے تمام تذکرہ نکاروں نے اولیت دی ہے ۔ اردو ادب کے جدید دور میں بابائے اردو مولوی عبدالحق ان کی کوششوں کا یوں اعتراف کرتے ہیں :-

"اردو شاعری پر ان کا بڑا احسان ہے ۔ انھوں نہ اردو
شاعری کو ایہام کی دلدل سے نکال کر خوشگوار فضا میں
پہنچا دیا .... یہی
وجہ تھی کہ اس وقت کے شعراء ایہام گوئی ترک کرکے
سیدھے رستے پر پڑ گئے ۔ علاوہ ان کے شاگردوں ...
.... کے دوسروں نے بھی ان کا
اتباع کیا ۔ یہاں تک کہ کہنہ سال اور کہنہ مشق شاعر
حاتم بھی پرانی روش سے دست بردار ہو گیا اور اس نے
اپنے کلام سے اس قسم کے اشعار خارج کرکے ایک مختصر
دیوان ....مرتب کیا اس
کے بعد سے ہمارے شعراء بیزاری ظاہر کرنے لگے ۔ (۱۵)

مرزا مظہر نے طالبان خدا کی روحانی تربیت کے علاوہ بحیثیت شاعر بھی اپنے شاگردوں کی شعری تربیت کی ۔ انعام اللہ خان یقین ، محمد فقیہ درد محمد ، محمد باقر حسن درد ، ہیبت قلی خان حسرت ، احسن اللہ بیان اور یکرنگ وغیرہ آپ کے قابل ذکر شاگرد ہیں ۔ مرزا مظہر کے اردو کلام کی چند ایک مثالیں دیکھیے :-

مرا جی جلتا ہے اس بلبل بیکس کی غربت پر
کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا (۱٦)

ے گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا
لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا (۱۷)

ے ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار (۱۸)

توفیق دے کہ شور سے اک دم تو چپ رہے
آخر مرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں (۱۹)

ان اشعار میں ایک دبی دبی سلگاہٹ ہے گہرا سوز ہے ، جو جذبے کی سچائی کی وجہ سے ہے — جذبے جن میں انسانی احساس کی صداقتیں ہیں — اور زمانے کے جفاکارانہ رویوں پر دکھ کا اظہار اور دل کی وہی مسلسل بیقراری و اضطراب ہے جو اقبال کے فلسفہ کا جزو لازم ہے —

مرزا مظہر کے یہاں موت کا ادراک بہت شدید ہے — موت ان کے یہاں کوئی خوفناک المیہ نہیں بلکہ ایک اطمینان پرور سچائی ہے — ایک شعر دیکھیے —:

ے لوگ کہتے ہیں مرگیا اظہر
فی الحقیقت میں گھر گیا اظہر (۲۰-۲۱)

یہ وہی بات ہے جو بقول میر تقی میر —:

ے موت ایک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر (۲۲)

اور اقبال کی زبان میں :

ے موت تجدید مزاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے (۲۳)

ایک اور جگہ عالم موت کا اطمینان دیکھیے —:

ع لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار (۲٤)

عبدالرزاق قریشی نے مرزا مظہر کے اردو کلام پر یوں اظہار رائے کیا ہے :-

"(حضرت مظہر کا کلام) ....
.... ہولناکی ، بے حمیتی ، اور
مایوسی و المناکی سے پاک ہے ۔ ان کی نوا
مردہ و افسردہ و بے ذوق نہیں ہے ۔ ان کے صنم
خانے میں موت کی نقش گری نہیں اور نہ ان
کا ہنر زندگی سے بیزاری کا درس دیتا ہے ۔
ان کا دل سوز عشق کا آتش کدہ ہے ۔ (۲۵)"

عبدالرزاق قریشی کی یہ رائے اس سے بھی زیادہ پر قوت انداز میں اقبال کے بارے میں دی جا سکتی ہے ۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اقبال اور مرزا مظہر دونوں ہی کارزار حیات میں جہد مسلسل اور حرکت و عمل کے قائل ہیں ۔ اور حیات کو اخلاقی نظام کی درستی سے منزہ و مطہر بنانا چاہتے ہیں ۔

اردو دیوان کے علاوہ خریطہ جواہر مرزا مظہر کی قابل قدر بیاض ہے ۔ جس میں تقریباً پانچ سو شعراء کے کلام کا انتخاب ہے ۔ مرزا مظہر اس بیاض کے بارے میں اپنے ایک خط میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو لکھتے ہیں ۔

" بیاض انتخابی برائے قطب الدین خان جیو نقل
کردہ می شود زود برسد ۔" (۲٦)

اس خط سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اگرچہ بیاض کا نام ابھی منتخب نہیں کیا گیا تھا تاہم مرزا مظہر کے احباب میں اسے مقبولیت حاصل ہو چکی تھی ۔ مولانا شبلی اس بیاض کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

"میں نے ثقات دہلی سے سنا ہے مرزا غالب وغیرہ کا
خیال تھا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا صحیح
مزاق جو دوبارہ قائم ہوا وہ اس انتخاب (خریطۂ
جواہر) نے قائم کیا ۔" (۲۷)

گویا خریطہ جواہر کو بھی مظہر کے اردو دیوان کی طرح ثقہ حضرات میں ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ۔ اقبال بھی خریطہ جواہر کے قدر دانوں میں سے ہیں اور اقبال کی فارسی شاعری پر اس کے مضامینی اور اسالیبی اثرات بھی ملتے ہیں (تاہم سردست اقبال کی فارسی شاعری ہمارا موضوع نہیں ہے ۔) کیونکہ خریطۂ جواہر فارسی شعراء کے انتخاب پر مشتمل ہے اور فارسی میں اقبال کی دسترس باقاعدہ طور پر سبک اقبال کا درجہ رکھتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی تجسس پسند اور علم دوست طبیعت نے خریطہ جواہر کا بغور مطالعہ کیا ہو گا ۔ اس مطالعہ ہی کا اثر تھا کہ انھیں بیاض میں نسبتی تھانیسری کا یہ شعر اتنا پسند آیا کہ انھوں نے ارمغان حجاز کی ایک نظم میں اختتامی شعر کے طور پر شامل کیا ۔ یہ شعر اقبال کی فکری کیفیت اور نظریاتی سوچ سے ہم آہنگ ہے ۔

؎ صدائے تیشہ کہ برسنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آواز تیشہ و جگر است (۲۸) (ف)

اقبال کو اہل زمانہ کی کور ذوقی سے گلہ ہے کہ وہ سنگ اور تیشہ کی آوازیں تو سن لیتے ہیں مگر جگر اور تیشے کی باہمی آواز سننے کا سلیقہ نہیں رکھتے۔ اقبال کو یقین ہے کہ اس کی محنت فرہاد سے کہیں زیادہ جاں شکن ہے اقبال کے الفاظ ہیں ۔

؎ گلہ ہے مجھ کو زمانے کی کور ذوقی سے
سمجھتا ہے مری محنت کو محنت فرہاد (۲۹) (ف)

نسبتی تھانسیری کے مذکورہ شعر کو اقبال کے یہاں کتنی اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ :

"۱۹۳۱ء میں اقبال نے اپنی اہم تر فارسی تصنیف "
جاوید نامہ " شائع کی ۔ اس میں انھوں نے نسبتی
کے زیر بحث شعر کو سرنامہ ، یا مدعا بنایا ۔" (۳۰) (ف)

ڈاکٹر محمد ریاض اقبال پر اس شعر کے اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں ۔:

" اس شعر کی تاثیر ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی

تھی .... انھوں نے
پیغام اقبال بملت کوہسار " کے عنوان سے جو
چھ بہتی قطعہ لکھا اس میں اس شعر کی مزید تشریح
موجود ہے ـ" (۳۱)

نسبتی تھانسیری کے مذکورہ شعر کی وضاحت میں چھ بہتی کا شعر ملاحظہ ہو ـ

"یکے اسب ضربت اقبال و ضربت فرہاد
جز اینکہ تیشۂ مارا نشانہ برجگر است (۳۲)

نسبتی تھا نسیری آمل کا رہنے والا تھا اس نے جہانگیر اور شاہجہان کا زمانہ دیکھا تھا اور شاہزادہ داراشکوہ اس کا ارادت مند تھا ـ ڈاکٹر محمد ریاض نسبتی تھانسیری کے شعر اور اقبال کی جوہر شناسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ـ

"نسبتی ایک مضمون آفرین ، آسان گو ، خوش ذوق ، اور
ضنائع و بدائع ....سے
خوب خوب کام لینے والا شاعر تھا ـ علامہ اقبال کس
قدر گوہر شناس اور عمدہ شعر کے قدر دان تھے اس
امر کو ان کے پسندیدہ شعر نسبتی پر غور کرنے سے
سمجھا جا سکتا ہے ـ (۳۳)

اگر ڈاکٹر محمد ریاض کی اس رائے کے پس پردہ دیکھا جائے تو گوہر شناسی اور خوش ذوقی کا یہ اعزاز مرزا مظہر جان جاناں کو جاتا ہے اور یوں اقبال کا مذکورہ شعر کو پسند کرنا نسبتی تھانسیری کے توسط سے مرزا مظہر کو داد تحسین دینے کے مترادف ہے ـ اس لیے کہ اگر خریطہ جواہر مرتب نہ کیا جاتا تو عین ممکن ہے نسبتی تھانسیری کا شعری مقام اور شناخت گوشہ گمنامی میں رہ جاتی ـ

تھانسیری کا شعر اقبال کو اس لیے پسند آیا کہ وہ اقبال کے نظریہ فن سے مماثلت رکھتا ہے ـ یعنی" معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود " کا آئینہ دار ہے ـ ادب برائے زندگی کی علامت ہے اور عشق جانگداز و پرسوز کا درجہ رکھتا ہے ـ فرہاد کی طرح کسی ایک مقام کو منزل بنا لینا اقبال کے شیوہ عشق کے خلاف ہے اس موضوع پر اقبال کے چند اشعار دیکھیے ـ

می تراشد فکر ماہردم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد دربند دگر (۳٤)

ے زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی (۳۵)

ے بہ سازِ زندگی سوزے بہ سوزے زندگی سازے
چہ بیدردانہ می سوزو چہ بیتابانہ می سازد (۳۶)

ے خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرویز
خدا کی دین ہے سرمایۂ غم فرہــــــاد (۳۷)

ے تیشہ ام را تیز تر کردان کہ من
محنتی دارم فزوں از کـــــو ہکنی (۳۸)

اقبال کے یہاں عشق کی انتہا ملاحظہ ہو کہ نظیری کے اس مصرع پر کہ " کسے کم کشتہ نہ شد از قبیلہ ماںیست " مصرع لگاتے ہوئے کہتے ہیں ۔
" بملک جم نہ وہم مصرع نظیری را " (۳۹)

اقبال کا تمام تر فلسفۂ عشق بھی یہی ہے اور کیونکہ مرزا مظہر جان جانان بھی با عمل صوفی اور عشق حقیقی سے سرشار تھے اس لئے اقبال کا ان کے مرتب کردہ خریطہ جواہر سے متاثر ہو جانا ضروری امر تھا اور پھر یہ کہ مرزا کا انتخاب شعر و شاعر سوفیانہ نہیں صوفیانہ و عارفانہ ہے ۔ اس انتخاب میں مرزا مظہر کے سو فارسی اشعار بھی شامل ہیں ۔ جو انکی عظمت فکر کے آئینہ دار ہیں ۔

اگر چہ اقبال مرزا مظہر جان جاناں کی شاعری سے براہ راست تو متاثر نہیں ہوتے جیسا کہ غالب ، اکبر اور حالی وغیرہ ہوئے تھے ۔ تاہم صوفیانہ و عارفانہ مزاجی کے سبب مظہر کی اردو شاعری میں جو سوز و گداز اور تڑپ ہے اس کے اثرات اقبال کے یہاں بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔ مظہر بھی فلاح انسانیت اور اصلاح امت کے قائل اور عاشق رسول تھے اقبال کا نظریہ حیات بھی تمام تر "عشق خدا کا رسول اور عشق خدا کا کلام " پر مشتمل ہے ۔ پھر یہ کہ اگر مرزا مظہر کے خطوط اور اقبال کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں شریعت اسلامیہ کے روح پر ور محقق نظر آئیں گے ۔ تاہم یہ فرق ضرور ملے گا کہ مظہر خالصتاً دائرہ اسلامی اور فقہ اسلامی کے اندر رہ کر اپنے وفور علم کی جلوہ نمائی کرتے ہیں ۔ جبکہ اقبال کا دائرہ اقتضائے وقت کے تحت اور وسعت مطالعہ کے سبب مغربی فلسفہ اور مذہبی انداز فکر کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے مگر نتائج کے

اعتبار سے دونوں اس حقیقت کے قائل ہیں کہ مذہب اور انسان لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں دین مصطفیٰ ہی قابل عمل اور لافانی دین ہے ۔ بہر حال قدیم اور جدید کے فرق سے قطع نظر اپنی تحریروں میں مقصدی اعتبار سے دونوں ایک ہی کشتی کے سوار نظر آتے ہیں نظریاتی اعتبار سے دونوں ہی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے زیر اثر ان کی اصلاحی کوششوں کے معترف ہیں ۔

+++++++++++++++++

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
١ـ	مولانا عبد السلام ندوی	شعر الهند	١٢	مطبع معارف اعظم گڑھ ـ	١٩٤٢ء
٢ـ	خلیق انجم (مرتب و مترجم)	مرزا مظهر جان جانان کے خطوط	٦٠	مکتبه برهان ، اردو بازار دهلی ـ	١٩٦٢ء
٣ـ	اقبال ، مترجم سید نزیر نیازی	تشکیل جدید الهیات اسلامیه	٢٩٨	بزم اقبال ، لاهور	١٩٨٣ء
٤ـ	" " "	" "	٢٦٥	"	"
٥ـ	خلیق انجم " مرتب و مترجم "	مرزا مظهر جانجانان کے خطوط	٧٦	مکتبه برهان اردو بازار دهلی ـ	١٩٦٢ء
	کلمات طیبـــات		١٦٦ـ١٦٧		
٦ـ	خلیق انجم (مرتب و مترجم)	" "	٣٧	" "	"
٧ـ	" " "	" "	٤٥	" "	"
٨ـ	" " "	" "	٣٢	" "	"
٩ـ	شاه غلام علي دهلوی مولف ترجمه و تحقیق محمد اقبال مجـــددی ـ	مقالات مظهری	١٥٤	اردو سائنس بورڈ لاهور	١٩٨٣ء
١٠ـ	خلیق انجم	مرزا جانجانان کے خطوط	٤٠		
١١ـ	مرزا مظهر جانجانان	دیوان مظهر خریطه جواهر	١٤	کانپور مطبع مصطفائی	١٢٧٠
١٢ـ	خلیق انجم	مرزا مظهر جانجانان کے خطـــوط	٤٠		
١٣ـ	قدرت الله شوق	طبقات الشعراء	٣٦		

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱٤ـ	سید وقار عظیم (مدیر خصوصی)	تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ھند ، ساتوین جلد	۳٦	پنجاب یونیورسٹی	۱۹۷۱ء
۱۵ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	۱۲۵	تاج بک ڈپو، لاھور	
۱٦ـ	عبد الحق	اردو شاعری مین ابہام گوئی (مقالہ) مشمولہ مجموعہ تحقیقات علمیہ (جلد دوئم)	۱۱۸ـ۱۱۹	جامعہ عثمانیہ دکن	۱۹۳٤ء
۱۷ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	۱۲۹		
۱۸ـ	" "	" "	۱۳۰		
۱۹ـ	" "	" "	۱۲۷		
۲۰ـ ۲۱ـ	" "	" "			
۲۲ـ	میر تقی میر	دیوان میر	۱۸۷		
۲۳ـ	اقبال	کلیات اقبال (بانگ درا)	۲٦۳	اقبال اکادمی ، پاکستان ، لاھور ـ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ـ	۱۹۹۰
۲٤ـ	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	۱۳۰		
۲۵ـ	عبدالرزاق قریشی	مرزا مظہر اور انکا اردو کلام ـ	۲۲۷		
۲٦ـ	عبد الرزاق قریشی	مکاتیب مرزا مظہر (مرتب)	۳۸		
۲۷ـ	شبلی	مقالات شبلی	۱۲۲/۵	دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ـ	۱۹۵۵ء

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۲۸ـ	اقبال	کلیات اقبال (ارمغان حجاز)	۷۵۲		۱۹۹۰ء
۲۹ـ	"	" " "	" "	"	"
۳۰ـ	ڈاکٹر محمد ریاض	خریطہ جواہر اور اقبال (مضمون)	۳۳۸	ماہنامہ سیارہ، لاہور اقبال نمبر	۱۹۹۲ء
۳۱ـ	" "	" " "	"	"	" "
۳۲ـ	اقبال	پیغام اقبال بملت کوہسار (نظـــــــم)		ماہنامہ کابل شمارہـ ۵ جون	۱۹۳۲ء
۳۳ـ	ڈاکٹر محمد ریاض	خریطہ جواہر اوراقبال (مضمون)	۳۴۱		
۳۴ـ	اقبال	پیام مشرق	۱۴۵	شیخ غلام نبی اینڈ سنز	۱۹۸۳ء
۳۵ـ	"	کلیات اقبال (بانگ درا)	۲۸۸	" " "	" "
۳۶ـ	"	پیام مشرق	۱۵۳	" " "	" "
۳۷ـ	اقبال	کلیات اقبال (بال جبریل)	۳۹۶		۱۹۹۰
۳۸ـ	"	کلیات اقبال فارسی	۷۲۲	اقبال اکادمی پاکستان لاهـــــور نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد ـ	۱۹۹۰ء
۳۹ـ	اقبال	پیام مشرق	۱۵۹	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۸۳ء

میر تقی میر

پیدائش : ۱۷۲۰ء

وفات : ۱۸۱۰ء

" میر ، غالب یا اقبال ان معنوں میں مفکر نہیں ہیں جن معنوں میں افلاطوں ، کانٹ اور ہیگل وغیرہ ہیں اور نہ ان کے فکر کی گہرائی ہمارے لیے بذاتِ خود اہمیت رکھتی ہے - جب تک کہ یہ افکار ، شاعرانہ اظہار کے سانچے میں نہ ڈھل جائیں -.................... غالب اور اقبال نے افکار کو اظہار بنانے میں جو پاپڑ بیلے وہ میر کو نہیں بیلنے پڑے - غالب اور اقبال کو پتھر نچوڑنے پڑے ، میر کے جذبے کی آنچ سے پتھر خود پگھل گئے - (۱)

یہ ہے جذبے اور احساس کا وہ ذوق اور فاصلہ جو میر اور اقبال کے درمیان پایا جاتا ہے آل احمد سرور کی اس رائے سے اتفاق کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اس لیے کہ میر ازل سے دل گداز لے کر آئے تھے اور زمانے کے سرد و گرم نے ان کے گداز دل کو اور بھی دو آتشہ کر دیا تھا - نتیجۃً میر کے یہاں " جنون " کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جس میں عقل سے زیادہ جذبات کا دخل ہے - جو دل کی انتہائی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں اور دل ہی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں - جبکہ اقبال اور غالب کا عشق و جنون اپنے ماحول کے پس منظر میں اپنی منفرد سوچ کے زیر اثر تفکر کی گہرائیوں سے جنم لیتا ہے - اور بیک وقت عقل و عشق کی تفکر پسندیوں کو ابھارتا ہے اور غور و فکر کی مزید نئی جہتوں کو کھولتا چلا جاتا ہے - اس پس منظر میں میر اور اقبال کے ایک ایک شعر کا جائزہ لیجیے تو جذباتی احساس اور فکری احساس کا فرق آپ پر خود بخود واضح ہو جائے گا - مثلاً میر کہتے ہیں -

؎ اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا

چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا (۲)

جبکہ اقبال کا زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے - سائنس کی فراہم کردہ سہولتوں نے بے مروتی کے اسباب بدل دیے ہیں اور اقبال کی نگاہ دور رس ان اسباب کی حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے -

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات (۳)

میر کے یہاں انسان کی " بے مروتی " براہ راست ہے جبکہ اقبال کے یہاں بالواسطہ طریق اختیار کر لیتی ہے – یہی وہ زمانی فرق ہے -- جس نے دونوں کے طرز فکر میں احساس کی شدت کے باوجود نہایت فاصلے رکھے ہیں –

ان فاصلوں کے باوجود میر اور اقبال اپنے اپنے دور کے مستند اور صاحب طرز شاعر ہیں – جو اظہار جذبات کے لیے اپنی زبان ساتھ لے کر عالم سخن میں آئے تھے اور یہ تاریخ کا مزاج رہا ہے کہ عظیم شخصیتوں کے تذکرے ، موازنے اور مقابلے عظیم شخصیتوں ہی سے کیے جاتے ہیں –

میر کے پس منظر میں اقبال کے فکر و فن کو زیر بحث لانے کا سبب یہ نہیں ہے کہ فکر اقبال پر میر کے اثرات ہیں یا لسانی اعتبار سے اقبال نے میر سے کوئی اثر لیا ہے – یہ بات بھی نہیں ہے کہ اقبال نے غالب ، اکبر ، حالی ، سلیمان ندوی یا دیگر زعمائے ادب کی طرح اپنی تحریر و تقریر میں میر کا کثرت سے ذکر کیا ہو – اقبال کے یہاں میر کا ذکر برائے نام ملتا ہے – لیکن میر کا ذکر کثرت سے نہ کرنے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اقبال میر کی عظمت کے انکاری ہیں – میر کے دیگر محققین ، ناقدین اور محبین کی طرح اقبال بھی میر کو " اردو غزل " کا باشادہ تسلیم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ غزل میں میر کے انداز کی تقلید ناممکن ہے – اس لیے اقبال کو اپنے اور میر کے مزاج ، انداز فکر ، طرز احساس اور زمانی شعور کے فرق اور فاصلے کا بخوبی احساس تھا – ویسے بھی اقبال کا مزاج نظم کا مزاج ہے جبکہ میر خالصتاً غزل کے شاعر ہیں – اقبال کے یہاں اگرچہ میر کے لیے واضح طور پر تعریفی کلمات بھی نہیں ملتے لیکن اقبال کے دل میں میر کے لیے جو بے پناہ احترام ہے وہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ میر کے اشعار کے حوالے میں میر کا نام لکھتے ہیں تو میر تقی میر علیہ الرحمۃ (۴) لکھتے ہیں اس احترام و عقیدت ہی کا نتیجہ ہے کہ میر کے بارے میں ان کی عظمت شعر کے حوالے سے جو رائے بھی قائم کی گئی اقبال نے اسے بسر و چشم قبول کیا– اقبال کی خاموشی اس بات کی دلیل ہے – اور یہ کہنا درست ہو گا کہ اقبال کی فنکارانہ عظمت کے پس پردہ میر تقی میر بہر حال موجود ہیں جو ظاہر میں نظر نہیں آتے – حامد حسن قادری نے "میر ، غالب اور اقبال " کے عنوان سے انگلستان کے مشہور شاعر ڈرائیڈن کے ان اشعار کا ترجمہ لکھ کر جن میں اس نے ملٹن کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا :-

"تین بعید زمانوں میں تین شاعر یونان ، اٹلی اور
انگلستان میں پیدا ہوئے – پہلا رفعت تخیل میں سبقت
لے گیا – دوسرا شوکت و شان میں آخری دونوں میں
قدرت اس پر اضافہ نہیں کر سکتی تھی – اس لیے
تیسرے کو بنانے کے لیے اس نے پہلے دونوں

کو ایک ذات میں جمع کر دیا ۔"

ہندوستان کے تین اردو شاعروں کا انتخاب کیا ، اور ان کی انفرادی عظمت فکر و فن کو یوں بیان کیا ہے ۔

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہوئے
جن کے فیض طبع نے اردو کو گنج زر دیا
اک اثر میں بڑھ گیا اک رفعت تخیل میں
تیسرے کی ذات میں دونوں کو حق نے بھر دیا
کائنات شاعری میں بس یہی دونوں کمال
تیسرے میں اس لیے دونوں کو یکجا کر دیا (۵)

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں شاعر تین مسلسل صدیوں سے بندھے ہوئے ہیں ایک ختم ہوتا ہے تو دوسرا جنم لے لیتا ہے ۔ میر ۱۸۱۰ء میں وفات پاتے ہیں اور اس زمانے میں ۱۷۹۷ء میں پیدا ہونے والا غالب چودھویں سال میں قدم رکھ چکا ہوتا ہے غالب ۱۸۶۹ء کو عالم فانی سے کوچ کرتے ہیں تو ذرا توقف کے بعد فطرت ایک اور جوہر قابل کو ۱۸۷۷ء میں وجود دے دیتی ہے ۔ ولی کے بعد یہ تینوں صدیاں اردو شعر و ادب کی دنیا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ہمارے محققین اور ناقدین بھی ایک ہی سانس میں میر کے فوراً بعد غالب اور اقبال ہی کا نام لیتے ہیں ۔ تاہم سردست ہمارا موضوع میر اور اقبال ہیں جو فکری و احساسی فرق اور فاصلے کے باوجود شہرت کی بلندی پر پہنچ کر بہت قریب نظر آنے لگتے ہیں ۔

خاندانی پس منظر کو اگر سامنے رکھا جائے تو دونوں ہی کا تعلق درویش منش گھرانے سے ہے ۔ میر ، محمد علی کے بیٹے تھے جن کا خطاب علی متقی تھا اور اسی نام سے پہچانے جاتے تھے ۔ اپنے زمانے کے درویش صفت بزرگ ،زیادہ تر خانہ نشینی کی زندگی گزاری ۔ میر امان اللہ جنہوں نے میر کی تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی علی متقی کے مرید اور دمساز تھے ۔ ذکر میر کے مطابق میر دس سال کے تھے کہ والد اور چچا امان اللہ یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے ۔ تنگ دستی اور مسافرت نے آ گھیرا سوتیلے ماموں سراج الدین خان آرزو اور سوتیلے بھائی کے ظلم برداشت کیے ۔ خانگی و معاشی مسائل کی سنگینی کے علاوہ دہلی کی خانہ جنگیاں ، نوابان اودھ کے معرکے انگریزوں کے مورچے ، مرہٹوں اور جاٹوں کی یلغار روہیلوں اور افغانوں کی لڑائیوں شہر کے روسا ء و امرا ء کی باہمی سازشوں نے میر کے حساس ذہن پر گہرے اثرات ڈالے جس کو وہ بارہا لفظ " جنون" سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اس تمام وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ میر کی" درویشی اور جنون " کا باقاعدہ ایک شدید محسوساتی پس منظر ہے ۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ " درویش " اور " جنون " اقبال کے پسندیدہ لفظ ہیں اور اپنے اندر گہرے علامتی مفہوم رکھتے ہیں ۔ فرق اتنا ہے کہ میر کی درویشی و غنا میں بے نیازی ہے اور اقبال کی درویشی میں نیاز مندیوں کے رنگ ہیں ۔ گویا ایک سراپا خودی ہے اور دوسرا سراپا بے خودی ۔ دونوں رنگ اقبالی فلسفے کے مطابق ہمہ گیریت اور آفاقیت رکھتے ہیں ۔

جنون و مدہوشی کے آثار بھی دونوں کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ تاہم نمایاں فرق یہاں بھی موجود ہے ۔ میر کے جنون کے اسباب میں درویشانہ و صوفیانہ عوامل کے علاوہ بے مہری زمانہ کے معاملات بھی شامل ہیں ۔ میر کے الفاظ میں" گھٹتے گھٹتے آخر مجھے جنون ہو گیا " آگے چل کر اس جنون کی کیفیت کا بیان یوں کرتے ہیں ۔

" میں دیوانہ وار گھومتا ، ہاتھ میں پتھر ہوتے ۔ لوگ
مجھ سے بھاگتے ۔ چار ماہ اسی طرح گزرے ۔ موسم بہار
کا آنا تھا کہ میری دیوانگی اور بڑھ گئی ۔ آخر مجھے
زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ۔" (۶)

ایک اجنبی مقام پر علیم اللہ نامی ایک اجنبی شخص محض اس بنا پر کہ " میر کا سودائیانہ طور مشہور ہے ۔" ان کی ظاہری کیفیات سے انہیں پہچان لیتا ہے ۔ (۷)

اقبال کے ضمن میں اگر چہ شدید نوعیت کی ایسی کوئی بات نہیں مگر عطیہ فیضی کی زبانی جرمنی میں دوران تعلیم اس قسم کے ایک دو واقعات سامنے آتے ہیں ۔

" کمرے میں بتی جل رہی تھی ۔ اقبال کے سامنے
دو چار کتابیں میز پر کھلی پڑی تھیں اور وہ
دنیا و مافیہا سے بے خبر سکتے کے عالم میں بیٹھے
خلا میں گھور رہے تھے ۔ " (۸)

اس عالم میں عطیہ فیضی کی آواز بھی اقبال تک نہیں پہنچی حتٰی کہ انہیں ہوش میں لانے کے لیے جھنجھوڑنا پڑتا ہے ۔ اب اس مدہوشی یا عالم سکوت کا سبب بھی اقبال کی زبانی سنیئے :۔

" مجھے محسوس ہوا کہ میرا شعور میرے جسم سے الگ

ہو گیا ہے ۔ شعور کے یوں بلا جسم بھٹکنے سے میں
سخت پریشانی کے عالم میں تھا لیکن آپ نے مجھے (۹)
جگا دیا ."

اس کے علاوہ بھی اقبال کے یہاں مراقبے میں جانے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جانے کا تذکرہ اکثر و بیشتر ملتا ہے ۔ تاہم دونوں کے جنون و بیخودی میں واضح فرق یہ ہے کہ میر کے یہاں دیوانگی کا عنصر غالب ہے جبکہ اقبال عارف فرزانہ نظر آتے ہیں ۔ دونوں کی شاعری بھی فکر کے انھی اسالیب میں ڈھلی ہوئی ہے ایک نے عالم جنون و دیوانگی میں چاند کے اندر ایک پری پیکر دیکھا اور تمام زندگی اسی کی تلاش اور اسی کے عشق میں وقف کر دی ۔ دوسرے نے عالم خواب اور عالم مراقبے میں مولانا روم کو دیکھا اور انھیں اپنا " مرشد معنوی " تصور کرتے ہوئے تمام زندگی آفاقی عشق اور اسلام کی سربلندی کے لیے وقف کر دی ۔

اور یوں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دونوں عاشق صادق ہیں ۔ دونوں عشق کی آفاقیت کے قائل ہیں ۔ دونوں جانتے ہیں کہ عشق سوز و تڑپ اور گداز دل کا نام ہے فرق اتنا ہے کہ میر کا عشق انسانی عظمت کے گرد گھومتا ہے اور اقبال کا عشق انسانی عظمت کے علاوہ اسلام کی آفاقیت کے گرد بھی چکر لگاتا ہے ۔ میر عاشق کی پہچان یہ بتاتے ہیں ۔ :

ع عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا (۱۰)

اور یہ کہ :

ع غلط ہے دعوی عشق اس مقتول کا بے زیب
جو کوئی خشک لب اور چشم تر نہیں رکھتا (۱۱)

اور اقبال کی تمام تر داستان عشق تو جہد مسلسل اور کاوش پیہم کی داستان ہے جس میں مسلسل آزمائشوں سے گزرنا اور بے خطر آتش نمرود میں کود جانے جیسا تسلیم و رضا کا انداز شامل ہے ۔ جیسے میر :

ع دور بیٹھا غبار میر ان سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا (۱۲)

کہہ کر عظمت عشق کی وضاحت کرتے ہیں ۔ اقبال بھی اس معاملے میں

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں "

کے قائل ہیں –

بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ وہی صوفیانہ عظمت و وقار کا حامل عشق ہے جو اقبال کے یہاں اپنے وسیع تر مفاہیم میں کبھی" عشق . حضور و اضطراب " (۱۳) کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کبھی " عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام " (۱۴) کا . قالب اوڑھ لیتا ہے – میر کے نظریہ عشق پر اظہار خیال کرتے ہوئے آل احمد سرور کہتے ہیں –

" میر کے یہاں عاشقی قدر اعلٰی ہے – " (۱۵)

میر کے فکر رسا کے مطابق عشق ازل اور ابد پر حاوی ہے – اس کائنات کا وجود عشق ہی سے عبارت ہے – عشق کائنات کی رگ و پے میں اس طرح دوڑ رہا ہے جس طرح شریانوں میں خون دوڑتا ہے – میر کے الفاظ میں:-

؎ عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق
عشق معشوق عشق عاشق ہے
یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق (۱٦)

اقبال کو بھی پوری کائنات سراپا عشق نظر آتی ہے کہتے ہیں :-

؎ عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیرو بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بہ دم
آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم (۱۷)

عشق کی بیتابیٔ شوق اور اضطراب پسندیوں کو میر یوں بیان کرتے ہیں :

؎ درد ہی خود ہے خود دوا ہے عشق
شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق
تو نہ ہو وے تو نظم کل اٹھ جائے
سچے ہیں شاعراں خدا ہے عشق (۱۸)

گویا میر کا عشق سفلی نہیں بلکہ افلاکی ، آفاقی اور کائناتی ہے – اقبال

کا تصور عشق اس باب میں مقصدیت کا لبادہ اوڑھ کر میر سے اور بھی آگے نکل جاتا ہے بقول اقبال :

> نہ ہو طغیان مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
> کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیان مشتاقی (۱۹)

عشق کے نتیجے میں میر کے یہاں گداز دل یا دھیرے دھیرے سلگنے کی کیفیت کی بہت اہمیت ہے۔ رونے رلانے کا تذکرہ بھی بہت ملتا ہے۔ مگر ایسے آنسو جو محض سطح دریا سے نہیں بظاہر ساکت سمندر کی گہرائیوں سے ابھرتے ہیں۔ میر کے غم کی یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو زندگی سے دور کرنے کی بجائے زندگی سے قریب تر کرتا ہے۔ اور جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ انتہائی یاسیت کے عالم میں سلانے کی بجائے ہمیں جھنجھوڑتا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے بڑی معصومانہ سادگی سے اپنے دل کی تمام تر سچائی کو اشعار کے قالب میں سمو دیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے مضمون "میں اور میر" میں جسے وہ اپنی بہترین تحریر قرار دیتے ہیں میر کے غم پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں :-

> " انسانی روابط اور تعلقات میں بھی میر کی شاعری سے میں نے بہت فائدے حاصل کیے۔ میر کی شاعری نے مجھے تعلقات میں حوصلہ مند اور متحمل بنایا ہے۔ یہ مسکراہٹ الم کے سر چشموں سے ابھرتی ہے۔ مگر اس میں طنز اور احتجاج نہیں جو کے تسلیم کے رنگ ہیں۔ آہستگی ، برداشت ، تحمل ، مظالم اور جور و جفا کے باوجود ایک ایسا توازن رکھنا جس میں نفرت اور انتقام کا شائبہ تک بھی پیدا نہ ہو .... یہ راستہ مجھے میر نے دکھایا ہے۔" (۲۰)

میر کے غم کے برعکس اقبال کا غم ذاتی غم کے بجائے اجتماعی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اقبال نے بڑے سلیقے سے اپنے ذاتی غم کو زمانے کی نظروں سے چھپا لیا ہے۔ اس کا شدید نوعیت کا ایک ہی غم ہے جسے ان نے سارے عالم پر ظاہر کیا ہے۔ اور وہ زوال ملت کا غم ہے ، اقبال کے اس غم میں اتنی گہرائی اور شدت ہے کہ وہ "ملت اسلامیہ کی زبوں حالی سے گھبرا کر خدا سے بھی شکوہ کرنے سے نہیں چوکتا۔

اور بے باکانہ مگر انتہائی محبت بھرے لہجے میں کہہ اٹھتا ہے :-

ے شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو (۲۱)

اور یہ کہ :

ے کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے (۲۲)

تاہم احترام عشق کا پہلو شدت غم سے پیدا ہونے والے شکوے میں بدستور موجود ہے ۔ میر اور اقبال دونوں کے غم میں شدت ، گہرائی اور اخلاص ہے اور دونوں ہی جذبے کی صداقت اور سچائی کے ساتھ اپنے اپنے دائرہ فکر میں اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں ۔

اردو زبان پنجاب میں " اقبال کا ایک اہم مضمون ہے ۔ جو اکتوبر ۱۹۰۲ء کے مخزن میں چھپا تھا ۔ اقبال نے اس مضمون میں اپنی شعری زبان کے دفاع میں مختلف روز مرہ اور محاورات زبان سے متعلق اساتذہ کے کلام سے استناد کیا ہے ۔ ان میں میر تقی میر کے درج ذیل اشعار کو بھی بطور سند پیش کیا ہے ۔

ے کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں (۲۳)

ے ایک مولا کہے ہیں ایک خدا کہتے ہیں
یاعلی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

ے نالے کیا نہ کر سنا نوحے یہ میرے عندلیب
بات میں بات عیب ہے میں نے تجھے کہا نہیں

ان شعری حوالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یقیناً اقبال نے کلیات میر سے فیض حاصل کیا ہو گا ۔ اس کے علاوہ بھی ایک واضح مثال اقبال کی نظم " اے پیر حرم " کی صورت میں ملتی ہے ۔ جس کے بارے میں بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ اس نظم کو لکھتے ہوئے اقبال کے ذہن میں میر کی غزل کے وہ قطعہ بند اشعار موجود تھے جن کے وزن ، ردیف اور قافیہ کو اقبال نے پیش نظر رکھا ۔ میر کا وہ مشہور قطعہ ملاحظہ ہو :

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا (۲۴)

اب اقبال کی مذکورہ نظم کے اشعار بھی دیکھیے :-

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی ، خودنگری کا (۲۵)

اس غزل میں ایک شعر جس میں اقبال نے جنون " کو آشفتہ سری " کے قافیہ میں اس طرح باندھا ہے :

کہہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں تیرے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے میری آشفتہ سری کا (۲۶)

میر نے بھی اپنی مذکورہ غزل میں ایسا ہی کیا تھا میر کا شعر بھی ملاحظہ ہو :-

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا (۲۷)

دونوں کے یہاں " شورش جنوں " (جیسے اقبال نے " زور جنوں " کہا ہے) میں عشق کے اسرار پوشیدہ ہیں ۔ دونوں ہی آشفتہ سری کے نتیجے میں تسکین جنوں چاہتے ہیں ۔ ایک " صلہ " طلب کرتا ہے اور دوسرا " مداوا " چاہتا ہے مگر اپنے اپنے اشعار کے معنوی پس منظر میں دونوں ہی بخوبی جانتے ہیں کہ علاج آشفتہ سری ممکن نہیں اور دونوں ہی اپنے جنوں کی درازی عمر کے خواہش مند نظر آتے ہیں ۔

اقبال کو اپنے زمانے کے مادیت پرستانہ رجحانات سے شکوہ ہے جس کے سبب انسان اخلاقیات سے بے بہرہ ہو کر معراج انسانیت سے گر گیا ہے ۔ میر کو بھی اپنے زمانے کی اخلاقی گراوٹ اور متضاد رویوں سے شکایت ہے چنانچہ وہ بھی اپنے دور کے سماجی رویوں سے شکوہ کرتے ملتے ہیں ۔

دراصل سیاسی اعتبار سے بھی میر اور اقبال کے زمانوں میں مماثلت ہے ـ میر کے زمانے کی دلی بار بار اجڑتی اور آباد ہوتی ہے ـ اقبال کے زمانے کی دلی اپنے شاہی تخت و تاج کے ساتھ کچھ اس ڈھنگ سے اجڑتی ہے کہ اقتدار سمندر پار کے تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے ـ گویا دونوں کا زمانہ برصغیر کے سیاسی تنزل کا زمانہ ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کا سیاسی زوال ان کے اخلاقی زوال کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے ـ اس لیے دونوں کے یہاں ٹوٹتی ہوئی اخلاقی قدروں پر شکوہ کی فضا پیدا ہو جانی قدرتی سی بات ہے ـ

بہر حال اپنے اپنے زمانے میں عوام و خواص میں پذیرائی اور مقبولیت کے اعتبار سے دونوں شاعر بلندی پر ہیں ـ اور اپنی تمام تر خودداری ، صوفیانہ اور خود نگہدارانہ روش کے باوجود دونوں کو محبت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اقبال کی لافانیت کا تو مشرق و مغرب گواہ ہیں ـ میر کی شہرت مقبولیت اورقدردانی کا حال مولانا آزاد کی زبانی سنیے :

"ہر چند کہ تخلص ان کا میر تھا ـ مگر گنجفہ سخن
کی بازی میں آفتاب ہو کر چمکے ـ قدر دانی نے ان
کے کلام کو جواہر اور موتیوں کی نگاہوں سے دیکھا
اور نام کو پھولوں کی مہک بنا کر اڑایا ـ ....
ہندوستان میں یہ بات انھی کو نصیب ہوئی ہے کہ
مسافر غزلوں کو تحفہ کے طور پر شہر سے شہر میں
لے جاتے تھے ـ " (٢٨)

اقبال کی طرح میر کی شاعری میں بھی فکر و خیال کی ارفعیت ہے جسے لان جائنس Sublime یعنی ترفع کا نام دیتا ہے ـ اس نے انسانی جذبوں کی سچائیوں کو احساس کی شدتوں اور گہرائیوں کے ساتھ پیش کیا ہے ـ یہی وجہ ہے کہ میر کا "جذب اندروں . ہر شخص کے جذب اندروں ، کا ترجمان بن جاتا ہے ـ اقبال کے یہاں بھی جذبے کی سچائیاں اور صداقتیں بدرجہ اتم موجود ہیں ـ میر جب کہتے ہیں :

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا (٢٩)

تو یوں لگتا ہے کہ اسی چھوٹی سی بحر کے مختصر شعر میں معنی کا سمندر بند کر دیا گیا ہے ـ انسان کی باہمی محبت و یگانگت کی ایک پوری نفسیات ہے جو انتہائی سادگی ، معصومیت اور اثر آفرینی کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے ـ اقبال خود بھی قطرے میں دریا بند کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لیے میر کا یہ رنگ انھیں ضرور پسند آیا ہو گا ـ:

اقبال نے ساقی نامے میں زندگی اور خودی کے حوالے سے حیات کے مسلسل تغیرو تبدل کا ذکر یوں کیا ہے :-

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
ہر اک لحظہ ہے تازہ شان وجود (۳۰)

اور یہ کہ :

تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی
دمادم نگاہیں بدلتی ہوئی (۳۱)

میر کے زمانے کی اسی تنوع پسندی اور مسلسل متغیر رہنے والے نظام حیات کے بارے میں یوں اپنا مطمح نظر بیان کرتے ہیں :-

اڑتی ہے خاک یا رب شام و سحر جہاں میں
کس کے غبار دل نے یہ خاکداں بنایا
ایک رنگ پر نہ رہنا یاں کا عجب نہیں ہے
کیا کیا نہ رنگ لائے تب یہ جہاں بنایا (۳۲)

دونوں کے خیال میں مطابقت ہے مگر دونوں کے خیالات و محسوسات کا پس منظر ایک دوسرے سے یکسر جدا ہے :-

میر کے یہاں تمام تر یاسیّت کی کیفیات کے باوجود رجائیت کا پہلو بہر حال موجود ہے اور یہی ان کی فطری حوصلہ مندی کا ثبوت ہے اور زندگی سے پیار کرنے کی علامت بھی مثلاً کہتے ہیں :-

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے (۳۳)

گویا میر انسانوں کو زندگی سے پیار کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں ۔ اقبال نے انسان کو ذوق عمل اور عشق کی ترغیب دی ہے ۔ جو زندگی سے محبت کا لافانی ثبوت ہے ۔

زبان و بیان کے اعتبار سے میر در حقیقت اس پختہ روائت کے نگہدار ہیں جس کی

بنیادیں ولی دکنی نے رکھی تھیں ـ میر نے اس روایت میں اپنے اسلوب بیان اور اختراع تراکیب لفظی سے اردو زبان کے دامن کو وسیع تر اور اظہار و بیان کا نیا قابل قدر اور قابل تقلید سلیقہ عطا کیا ـ رام بابو سکسینہ میر کی ان منفرد صلاحیتوں کو یوں بیان کرتے ہیں ـ

" ریختہ گویان ہند کے استاد اعظم ، شاعران اردو کے رہبر مسلم ، ادب و زبان دانی کے ماہر فن ، خوش گو ، خوش بیان ، شیریں سخن ـ " (۳۴)

یہی مصنف ایک اور مقام پر میر کی مسلم الثبوت استادی پر یوں رائے دیتا ہے :-

غزل گوئی میں ان کا جواب نہیں اور اس مملکت میں وہ منفرد اور تن تنہا حکمران ہیں ـ ان کے اشعار صاف ، سادہ ، فصیح اور تیر و نشتر کا کام دینے والے درد و اثر سے مملو ہوتے ہیں ـ ان میں دلکشی اور زور کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ـ اظہار جذبات ، چستی ، بندش اور ترنم میں وہ اپنی آپ نظیر ہیں ـ ان کے اکثر اشعار میں وہ ایک خاص کیفیت ہے جو سحر یا طلسم سے تعبیر کی جا سکتی ہے ـ اور جو تمام زبانوں کی حقیقی اور سچی شاعری کا طغرٰی امتیاز ہے " (۳۵)

میر نے اپنی شاعری کے چھ ضخیم دیوان ، ایک دیوان فارسی ، متعدد مثنویاں ، ایک رسالہ " فیض میر " اور نکات الشعراء اردو ادب میں یادگار چھوڑے ہیں ـ

بہر حال میر نے جس سلیقے سے لسانی ارتقاء کی جو کامیاب کوشش کی تھی اس نے اردو زبان کو انسانی جذبات و احساسات ، فطرت انسانی کی نفسیات ، فلسفہ حیات اور زندگی کے متنوع موضوعات کو اپنے پورے قدو قامت کے ساتھ بیان کرنے کی قوت حوصلہ اور یقین عطا کیا ـ

اگر میر ، سودا کی ہمصری میں یہ سب کچھ نہ کرتے تو اردو شاعری غالب جیسے زبان دان اور زبان ساز شاعر سے شائد محروم ہو جاتی ـ اور اگر غالب منظر شعر و ادب پر نہ آتے تو سر سید کی علی گڑھ تحریک کو بھی اظہار فکر و احساس کا وہ حوصلہ نہ ملتا جس کے سبب دنیا کے ہر موضوع کو اردو زبان میں سمو دیا گیا اور اگر علی گڑھ تحریک اپنے دور کی زندہ متحرک ، سیاسی ، ادبی اور علمی تحریک نہ

بنتی تو اقبال کو جذب و احساس اور بیداری فکر و عمل سے بھر پور پس منظر نہ ملتا جس کی بنیادوں پر اقبال نے اپنے فکر و فلسفے کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی ۔

گویا اقبال کو اقبال بنانے میں جہاں مشرق و مغرب کے اور بہت سے عوامل کارفرما رہے وہاں میر تقی میر کا شعری وجود بھی جز و لازم کا درجہ رکھتا ہے ۔

+++++++++++++

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ـ	آل احمد سرور	مسرت سے بصیرت تک	۲۵	مکتبہ جامع لمیٹڈ دھلی	۱۹۵۵ء
۲ـ	میر تقی میر مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر دیوان اول	۱:۰	مجلس ترقی ادب لاھور	۱۹۷٦ء
۳ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بال جبریل	٤۳۵	اقبال اکادمی پاکستان لاھور۔ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد۔	۱۹۹۰
٤ـ	سید عبد الواحد معینی (مرتب)	مقالات اقبال	۵۷ـ۵۸	آئینہ ادب ، لاھور	۱۹۸۸ء
۵ـ	حامد حسن قادری	موضوع میر غالب اور اقبال		نقوش ، اقبال نمبر لاھور نومبر ـ	۱۹۷۷
٦ـ	میر تقی میر	کلیات میر دیوان اول	۲۱	مجلس ترقی ادب لاھور	۱۹۷٦ء
۷ـ	"	"	۲۳	" "	"
۸ـ ۹ـ	ضیاء الدین احمد برنی	اقبال از عطیہ بیگم (ڈائری عطیہ بیگم)	۱۲۱ـ۱۰٦		
۱۰ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر دیوان اول	۱۹۷		
۱۱ـ	" "	" دوم	۲۲		
۱۲ـ	" "	" اول	۱۵٦		
۱۳ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بال جبریل)	٤٤۱		

حـــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱٤ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بال جبریل	٤۲۱		
۱۵ـ	آل احمد سرور	مسرت سے بصیرت تک	۳۳		
۱٦ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر دیوان دوم	۱٦٤		
۱۷ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بال جبریل	۳٦۸		
۱۸ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر، دیوان اول	۲۷۱		
۱۹ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بال جبریل	۳۸٦		
۲۰ـ	ڈاکٹر سید عبداللہ	نقد میر	۱۸۱		
۲۱ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	۱۹۰		
۲۲ـ	"	"	۱۹٦		
۲۳ـ	سید عبد الواحد معینی	مقالات اقبال	۵۷		
۲٤ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر، دیوان اول	۱۰۵		
۲۵ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم)	۵۷۱		
۲٦ـ	"	"	"	"	
۲۷ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر	۱۰۵	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷٦ء
۲۸ـ	مولانا محمد حسن آزاد	آب حیات	۱۸۰ـ۱۸۱	تاج بک ڈپو لاہور	

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٢ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر	١٤٢		
٣ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو	٤٥٤	اقبال اکادمی پاکستان لاہور ـ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ـ	١٩٩٠
٣ـ	"	" "	٤٥٥	"	" "
٣ـ	میر تقی میر (مرتب کلب علی خان فائق)	کلیات میر ـ دیوان دوم	٥٠		
٢ـ	" "	" " اول	٥٠٦		
٣ـ	رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	١٠٦	علمی کتب خانہ لاہور	
٣ـ	" "	" "	١٢١	"	" " ـ

+=+=+=+=+=+=+=+=+=

مـــرزا غالـــــــب

پیدائش : ١٧٩٧
وفات : ١٨٦٩

شیخ عبد القادر نے بانگ درا کے دیباچے میں لکھا تھا کہ :

" اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا اس نے انکی روح کو عدم میں جاکر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے۔ اور اس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ھیں دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا " (١)

اقبال کے جتنے بھی ممدوح ، محققین اور ناقدین منظر پر آتے ھیں سب نے ھی عبد القادر کی اس رائے سے اتفاق کیا ھے ۔

غالب اردو شعر و ادب کی دنیا کا ایک بڑا نام ھے جو ١٧٩٧ کو آگرہ میں پیدا ھوئے اور ١٨٦٩ کو دھلی میں وفات پا گئے ۔ بچپن آگرے میں گزرا جہاں عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی سے کچھ درسی کتب پڑھیں ۔ پہلے اسد تخلص کرتے تھے پھر ١٢٤٥ ھ میں غالب تخلص اختیار کیا ۔ ١٨٤٩ میں انھیں شاہ دھلی کی طرف سے نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کا خطاب ملا ۔ ١٨٥٤ میں استاد ذوق کی وفات کے بعد شاہ دھلی بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ھوئے ۔

کیونکہ مرزا کا سلسلئہ نسب ایبک ترکوں سے جا ملتا ھے اسی سبب مرزا کو اپنی عالی نسبی پر ھمیشہ فخر رھا ۔ پھر یہ کہ متمول گھرانے سے تعلق تھا ۔ زندگی گزارنے کیلئے شاھانہ ٹھاٹھ میسر تھے ۔ یہی وجہ ھے کہ عسرت و تنگدستی کے زمانے میں بھی اپنے اس احساس برتری اور خودی و خودداری کو ھاتھ سے نہیں جانے دیا ۔ غالب اپنی اس عالی نسبی کا اظہار کرتے ھوئے کہتے ھیں

غالب از خاک پاک تـــــورانیم
لا جرم در نسب فـره منـدیم
ایبکیـــــم از جماعـه اتــراک
در تمامی زمـــاه ده چنـــدیم (٢)

اور یہ کہ :

ساقی جو من پشنگی و افراسیابم
دانی کہ اصل گوہرم از دودہ جم است
میراث جم کہ مے بود اینک بمن سپار
زین بس رسد بہشت کہ میراث آدم است (۳)

اردو میں اسی فخر کا اظہار یوں کرتے ہیں :

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپاہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے (٤)

غالب کی نظم و نثر انکی اس انا پرستی اور احساس برتری کی گواہ ہے ۔ دیوان اردو ، دیوان فارسی ، اردو ئے معلیٰ ، عود ہندی ، پنج آہنگ ، برہان قاطع ، دستنبو ، مہر نیم روز ، سبد چین تیغ تیز ، تاریخ مغلیہ ، لطائف غیبی اور قادر نامہ انکے شعری و ادبی کارنامے ہیں ۔

شروع شروع میں اقبال کی طرح غالب بھی بیدل سے متاثر تھے لیکن اس رنگ میں انکے اشعار مشکل ، پیچیدہ ادق ، اور کسی حد تک ناقابل فہم تھے چنانچہ غالب نے یہ کہتے ہوئے کہ

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خان قیامت ہے (٥)

اپنا منفرد رنگ سخن اختیار کیا ۔ بیدل پسندی کی ایک وجہ غالب کا ذہنی طور پر فارسی زبان سے قریب تر ہونا تھا ۔ اس لئے بھی کہ فارسی مغلوں کی زبان تھی ۔ جسے سرکاری طور پر قبول عام حاصل تھا اور پھر یہ کہ غالب بھی اپنے آبا ؤ اجداد کی نسبت سے ذہنی اور احساساتی طور پر فارسی سے بہت قریب تھے ۔

اقبال غالب کی اس بیدل پسندی کو بہت اہمیت دیتے ہیں ۔ یوم غالب کے سلسلے میں میاں بشیر احمد سیکرٹری انجمن اردو پنجاب کے نام اپنے ۱۵ فروری ۱۹۲۷ کے مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

" اپنا پیغام تو میں کیا دوں گا البتہ غالب کا پیغام ان لوگوں

تک پہنچا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں جوآج یوم غالب (زیر
صدارت پنڈت برجموہن کیفی) منا رہے ہیں ۔ ان کا پیغام
یہ ہے :

بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

مرزا آپ کو اپنے فارسی کلام کی طرف دعوت دیتے ہیں ـــــ
انکے فارسی کلام کی حقیقت اور ان کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو
سمجھنے کیلئے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے ، اول یہ کہ عالم شعر
میں مرزا عبد القادر بیدل اور غالب کا آپس میں کیا تعلق ہے ؟
دوم یہ کہ مرزا بیدل کا فلسفہ حیات غالب کے دل و دماغ پر موثر
کہاں تک ہوا ۔ اور مرزا غالب اور اس فلسفہ حیات کو سمجھنے میں
کس حد تک کامیاب ہوا ؟ ـــــ" (٦)

مذکورہ خط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے یہاں بیدل اور غالب کے فلسفہ حیات
کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ اور پھر یہ کہ فارسی زبان سے تینوں کو خاص نسبت ہے ۔

دراصل اقبال غالب کا ہم زبان بھی ہے اور ہم مزاج بھی ۔ ہم زبان ان معنی
میں کہ ترکی النسل غالب کو فارسی سے نسبت خاص تھی ۔ درباری و شرفاء کی زبان ہونے کے
ناطے بھی غالب کا فارسیت کی جانب قدرتی رجحان تھا ۔
غالب لکھنئو کے مفتی محمد عباس کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

" علم و ہنر سے عاری ہوں ۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری
ہوں ۔ مبداء فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے ۔ ماخذ میرا صحیح
اور طبع میری سلیم ہے فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی
لایا ہو " (٧) ۔

غالب کو اپنی فارسی دانی اور فارسی میں شعر گوئی سے جو عشق ہے اور اپنے فارسی دیوان سے
متعلق انکا جو آفاقی نقطہ نظر ہے انھی کی زبانی سنیئے ۔

گر شعر و سخن بہ دھر آئیں بودے
دیوان مرا شہرت پروین بودے
غالب اگر این فن سخن دین بودے
آن دین را ایزدی کتاب این بودے (٨)

اقبال ہر چند کہ کشمیری النسل تھے لیکن وہ بھی اپنی جبلت میں فارسی کی محبت قدرت سے بطور انعام لیکر آئے تھے ۔ اور سر زمین عرب کے بعد ایران کو مسلمانوں کا مضبوط مرکز سمجھتے تھے ۔ اقبال کا خیال تھا ۔ کہ ایران کی پائیداری مستقبل میں عالم اسلام کی پائیداری کا سبب بن سکتی ہے ۔ ایران کی اسی اہمیت کے پیش نظر اقبال نے اپنے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالے کیلئے "ایران مین فلسفہ ما بعد الطبعیات کا ارتقاء" جیسے موضوع کا انتخاب کیا بغرض تحقیق جیسے جیسے ایرانی ادب و تصوف کا مطالعہ وسعت اختیار کرتا گیا ویسے ویسے ایرانی تصوف (وحدت الوجود) سے شدید اختلافات کے ساتھ ساتھ ایران کی دینی ، روحانی ، علمی اور فکری جہتوں کی کشود بھی فکر اقبال کیلئے مہمیز کا کام دے گئی ۔ مقصد اور پیغام کی ہمہ گیری نے اقبال کو فارسی زبان کے قریب تر کر دیا اور پھر یہ کہ اقبال کو برصغیر میں غالب ہی کی ادائے فکر و فن پسند آئی جس نے اپنے اردو دیوان کو نظر انداز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے بڑے فنکارانہ وثوق سے نقش ہائے رنگ رنگ دیکھنے کیلئے فارسی بینی کی طرف توجہ دلائی تھی ۔ اور اقبال نے اس فارسی بینی کا واقعتاً حق ادا کر دیا ۔

> اقبال کو غالب سے محبت ہی نہیں فنکارانہ عقیدت بھی تھی ۔ اسکا ثبوت فقیر سید وحید الدین کے اس بیان سے ملتا ہے جسکے مطابق عمیق غور و فکر اور استغراق کی کیفیت میں اقبال نے جن دو عظیم شخصیات سے روبرو ملاقات کی ان میں ایک مولانا رومی اور دوسرے غالب ہیں ۔ " (۹) ۔

اقبال کو غالب کا قلبی روحانی اور فکری اضطراب بہم جس میں گداز دل بھی ہے ، آرزو کی تڑپ بھی اور عشق کی گرمی بھی کچھ اس طرح پسند آیا کہ غالب کے ایک شعر کے فکری تقابل میں انہوں نے براوننگ ، بائرن اور مولانا رومی کے متعلق ایک ایک شعر کہا ۔ غالب کا وہ مشہور شعر ملاحظہ ہو ۔

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم (۱۰)

غالب جرأت حیات کا پیامبر ہے ۔ سکوت میں گویائی اور جمود میں حرکت کا متلاشی اسکا جوش جنون عشق پہلو میں ہزاروں دل رکھتا ہے ۔ اسکی خودی اسے تقلید تنگ ظرفی منصور کی اجازت نہیں دیتی ۔ وہ تیر نیم کش کی خلش سے لطف اندوز ہونے کا قائل ہے اور

وصل پر فراق کو ترجیح دیتا ھے ــ وہ جانتا ھے کہ دام ھر موج میں حلقہ صد کام نہنگ ھیں مگر گوھر بننے کیلئے حیات انسانی کو ان پر آزمائش متلاطم راستوں سے گزرنا ھی پڑتا ھے ــ وہ اس لذت خیز حقیقت کو بھی تسلیم کرتا ھے کہ عاشقی ایک صبر طلب عمل سہی مگر تمنا کو بھر رنگ بیتاب رھنا چاھئے کہ تمنا کا سکوت عشق کی موت ھے ــ وہ یہ بھی جانتا ھے کہ قید حیات اور بند غم کا چولی دامن کا ساتھ ھے کہ حیات کے آزاد راستے ان قیود سے گزر کر ھی حاصل ھو سکتے ھیں ـــــ اقبال نے بند غم کے اسی فلسفے کو اپنی نظم " والدہ مرحومہ کی یاد میں "، میں زیادہ شرح و بسط اور گہرائی وگیرائی کے ساتھ پیش کیا ھے ـــــ غالب بیداری کا پیامبر ھے اور درس عمل بھی دیتا ھے ــ وہ جدت پسند بھی ھے اور روایت شکن بھی ــ عظمت انسان اور فضیلت انسانی کا قائل ھے ــ وہ حیران و پریشان ھے کہ خدا کو جس آدم کی جناب میں گستاخی فرشتہ پسند نہ تھی وہ آج اسکے ھوتے ھوئے ذلیل و خوار کیوں ھے ـــــ اپنی نظم " شکوہ " میں اقبال نے بھی مسلمان کی تخصیص کے ساتھ انسان کی اسی ذلت و خواری کا شکوہ کیا ھے ـــــ غالب کی اضطراب پسند فطرت کو جمود و بے حسی ھرگز پسند نہیں ھے ــ وہ طوفان حوادث کو اھل بینش کا مکتب اور لطمئہ موج کو سیلی استاد بتاتا ھے ــ وہ کائنات کی اس ازلی وابدی حقیقت کو تسلیم کرتا ھے کہ قدرت :

آرائش جمال سے فارغ نہیں ھنوز
پیش نظر ھے آئینہ دائم نقاب میں (١١)

اقبال کا ارتقائے حیات کا فلسفہ بھی اسی خیال کا آئینہ دار ھے ــ اور پھر غالب کی جرأت رندانہ، جس میں سچائی ھے، صاف گوئی ھے، درویشانہ خود پسندی کیساتھ ساتھ صوفیانہ سادہ دلی ھے اقبال کو بے اختیار اچھی لگی اقبال اسلئے انھیں سراپا روح (١٢) کہہ کر پکارتے ھیں جو اپنے مرغ تخئیل کی بلند پروازی کے سبب (١٣) زیب محفل بھی رھا اور محفل سے پنہاں بھی رھا (١٤)

اقبال اور غالب کے فکر کی یہی وہ مماثلتین ھیں جو اقبال کو غالب کے قریب تر کر دیتی ھیں ــ فن شاعری اور اسالیب فکر و فن کی دنیا میں غالب برصغیر کی وہ واحد ھستی ھے ــ جسکی پیروی و تقلید پر اقبال کو فخر ھے ــ غالب سے عقیدت انکے یہاں اتنی بڑھی ھوئی ھے کہ کہ غالب مرحوم کے مزار کی زیارت کو شاعروں کا حج قرار دیتے ھیں (١٥) ــ غالب کو ایسا گنجینہ معانی کہتے ھیں جس پر دھلی کی خاک ھمیشہ نازکریگی (١٦) اردو زبان کو جس پر فخر ھے اور جسکی فارسی دانی "گل شیراز پر" مسکراتی نظر آتی ھے ــ

رموزِ اوقاف

اقبال مزار غالب پر انکی جس غزل پر خود کو روح کے اس پاتال میں اترتا ہوا محسوس کرتے ھیں جہاں سے لذت روحانی کے راستے بلندیوں کی طرف جاتے ھیں اس غزل کا ایک شعر ملاحظہ ھو جسکا اقبال نے خصوصیت سے ذکر کیا ھے :

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہـــاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی (١٧)

جب ولایت نام کا خوش آواز لڑکا یہ شعر پڑھتا ھے تو اقبال اپنے روحانی تلذذ کو یوں بیان کرتے ھیں :۔

" تو مجھ سے ضبـــط نہ ھو سکا ۔ آنکھیں پرنم ھوگئیں اور بے اختیار لوح مزار کو بوسہ دیکر اس حسرت کدہ سے رخصت ھوا ۔ یہ سماں اب تک ذھن میں ھے اور جب کبھی یاد آتا ھے تو دل کو تڑپا جاتا ھے " (١٨) ۔

نظم " مرزا غالب " میں اقبال اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ھیں کہ :

لطف گویائی میں تیری ھمسری ممکن نہیـــں
ھو تخیئل کا نہ جب تک فکر کا مل ھمنشیـــن (١٩)

اور یہی خوبی بقول چراغ حسن حسرت کے اقبال میں تھی کہ وہ اپنے زمانے میں بھی ناقابل اور آج بھی نا قابل تقلید ھے ۔ حسرت لکھتے ھیں :۔

" دنیا بھر کا یہ عظیم الشان انسان جب اپنے معمولی سے بستر پر تکیہ لگا کر بیٹھتا ھے اور حقے کی رفاقت میں فلسفہ و شعر کی بلندیوں پر پرواز کرتا ھے تو دنیا بھر کے اھل علم اسکی رفعت تخیئل کے سامنے پانی بھرتے نظر آتے ھیں " (٢٠) ۔

غالب کے تخیئل کی بلند پروازی ، پر جوش آرزو مندی ، رجائی انداز فکر اور روایت شکنی اقبال کو پسند ھے ۔ اقبال افیـــون زدہ شاعری کی تنقید و تنقیص کرتے ھیں اور فکر کی انقلابی مگر تعمیری روش کے قائل ھیں ڈاکٹر عبد الشکور اقبال اور غالب کے فکر و فن کی باھمی مماثلت کا جائزہ لیتے ھوئے لکھتے ھیں کہ :

" دونوں کے لہجے میں بہت شکوہ ، اعتماد ، اثبات اور قوت ھے
دونوں جستجو ، تخلیق اور تحقیق کے شیـــدا ھیں ۔ اور
دونوں حقائق کا تجربہ کرتے وقت روایت سے قطعاً مرعـــوب
نہیـــں ھوتے " (۲۱) ۔

اقبال کے نزدیک غالب کی شاعرانہ انفرادیت اور فکری عظمت اس بات میں ھےکہ اس نے حیات وکائنات سےمتعلق انسان کےبنیادی مگر نازک جذبات و احساسات کو نفسیاتی گہرائی ، فلسفیانہ گیرائی اورعقل و جنون کی متوازن کیفیات کیساتھ پیش کیا ھے ۔ اس نے پہلی بار گل و بلبل کی دنیا سےنکل کر فکر انسانی کی پیچیدگیوں ، اسکے وسوسوں اور اندیشوں کو اپنی شاعری کا موضوع بناتےھوئے انسان کو جینےکا قرینہ دیا ھے ۔ اور نغمہ ھائے غم کو غنیمت جاننےکا مشورہ بھی ۔ اسلئے تو اقبال ، غالب کو " مسلمانان ھند کا ایک اصیل سرمایہ " (۲۲) کہتے ھین ۔ اور اپنےفکر و فن کو بیدل کےمانند غالب کا بھی مرھون منت بتاتے ھیں ۔ اقبال کےالفاظ مین :

" ان شعراء نےانھیں اشیاء کا " اندرون " دیکھنے میں مدد
کی اور " روح مشرق " کو جذب کرنے اور زنـدہ رکھنے کے گـــر
سکھاتے ھیں " (۲۳) ۔

اور پھر بیدل وغالب کی تقلید مین اقبالؒ اندرون " دیکھنے اور روح مشرق " کو جذب کرنے کا حق ادا کردیا اور یوں غالب نےاردو ادب میں جس انقلابی طرز فکر کا آغاز کیا ۔ اقبال نے اسے انتہائی اختتامی اور تکمیلی مراحل میں داخل کیا ۔

اس ضمن میں جب ھم غالب اور اقبال کے چیدہ چیدہ مشترک موضوعات کا جائزہ لیتے ھیں تو فلسفیانہ اعتبار سےعقل و خرد ، جذب و جنون کی فرزانگی ، آرزو مندی ، بلند حوصلگی ، لذت غم ، صوفیانہ سرمستی و جوش انگیزی اور پرجوش لہجہ ، نمایاں نظر آتا ھے ۔ اسی اشتراک فکر کےسبب ڈاکٹر سید عبد اللہ غالب کو اقبال کا پیش رو کہتےھوئے لکھتےھیں :۔

" اقبال کےدل میں غالب کی عزت کسی رسم عام یا روش عام کی
بناء پر نہ تھی بلکہ اس سبب سے تھی کہ انھیں غالب کی شاعری مین
ایک ایسا بڑا فنکار نظر آیا جس کےفن کے بعض پہلو خود ان کے
اپنے رجحانات کے ھم رنگ تھے ۔ انھیں مرزا غالب کی شخصیت اور

انکے فن میں اپنی ھی طبعی اور ذھنی خصوصیات کی جھلک
نظــــر آئی " (٢٤) —

اگرچه خواجه منظور حسین سید صاحب کی اس رائے سے اختلاف کرتے ھوئے اسے " الٹی گنگا بہانے کا عمل کہتے ھیں " (٢٥) لیکن درست یہی ھے که سید صاحب نے غالب کو اقبال کا پیش رو کہه کر سیدھی گنگا ھی بہائی ھے — اس پیش روئی میں غالب کا فارسی کلام انکے اردو کلام پر سبقت رکھتا ھے —

دراصل غالب اور اقبال جیسا که ھم نے پہلے بھی کہا ھے که دونوں ھی فارسی کے دلدادہ تھے — فرق اتنا ھے که ایک نے اپنے وقت کی زبان میں تب و تاب جاودانه بھرنے میں اپنا فنکارانه کردار ادا کیا تو دوسرے نے برصغیر میں انگریز کی خود غرضانه لسانی مصلحتوں کے سبب مٹتی ھوئی زبان کو آخری مگر پر قوت سہارا دینے کی بھرپور کوشش کی اور فارسی کو اظہار و بیان کا وہ منفرد اسلوب دیا که خود اھل ایران کو بھی فارسی زبان میں " سبک اقبال " کی انفرادی شناخت کا کھلے دل سے اعتراف کرنا پڑا —

اس ضمن میں ڈاکٹر سید عبد الله (٢٦) اور ڈاکٹر محمد ریاض (٢٧) نے اقبال اور غالب کے فارسی اشعار میں فکری و موضوعاتی مماثلتوں کی نشاندھی کی ھے اور اقبال نے جو غزلیں غالب کی منتخب بحــور ، ردیف اور قافیے کے زیر اثر لکھی ھیں انکی تحقیقی مثالیں بھی کثرت سے دی ھیں —

کیونکه اظہار و بیان کے سانچوں کے بدل جانے سے کسی شخصیت کا انداز فکر تو نہیں بدل جاتا یہی وجه ھے که سبک ھندی کا لہجه ھو یا سبک فارسی کا پیرایه ، غالب فکر کا بحر بیکراں ھی دکھائی دیتا ھے —

غالب برصغیر میں مسلمانوں کی مٹتی ھوئی تہذیب کی آخری یادگار نشانی اور فکر و احساس کے اعتبار سے تباہ حال مغلیه دربار کی اولاد نرینه ھے — جس میں اپنی تہذیبی برتری اور قومی انانیت کا بھرپور احساس موجود ھے — جبکه اقبال ایسی مٹتی ھوئی تہذیب کے ڈھیر پر کھڑا جذب مسیحائی سے کام لیتا اور شــور اسرافیل بلند کرتا نظر آتا ھے — اور یوں ایک فطری اضطراب اور فکری تب و تاب کے سبب دونوں کے یہاں پر جلال اور تند و تیــز لہجــــه ملتا ھے — جسے ڈاکٹر سید عبد الله " پر جلال " مردانه اور قاھرانه (٢٨)

لہجے کا نام دیتے ہیں ۔ اس پس منظر میں ہم غالب اور اقبال کے اردو کلام سے کچھ فکری و موضوعاتی مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں ۔ کہ اقبال ، غالب کے اسلوب بیاں کے نوع بہ نوع قرینوں سے بہت متاثر تھے ۔ اسی اثر پذیری کا سبب ہے کہ اقبال کے یہاں بھی فارسیت کا رنگ غالب ہے ۔ انکی تراکیب لفظی انکی اضافتین ، تشبیہ و استعارہ کا رنگ ڈھنگ سب پر غالب کی طرح فارسیت کی گہری چھاپ ہے ۔ اسلوب بیان کی اس ہم آہنگی ہی کا سبب ہے کہ اقبال کو غالب کے "لب اعجاز پر" نطق سوناز کرتا نظر آتا ہے ۔ آپ ساری اردو شاعری کو پڑھتے چلے جائیں زبان و بیان کے اعتبار سے آپکی نگاہیں غالب کے بعد اقبال پر آ کر ٹھہر جائیں گی ۔ غالب سے پہلے اور اقبال کے بعد آپکو کوئی ایسا شاعر نہیں ملیگا ۔ جسے آپ رعنائی فکر و خیال ، حکمت احساس اور دلپذیری بیان کے اعتبار سے غالب یا اقبال کے مماثل ٹھہرا سکیں ۔ ہر چند کہ سودا کہ یہاں فارسیت کا گہرا رنگ اور تخیئل کی بلند پروازی موجود ہے لیکن سودا کو پڑھ کر کسی بھی طور غالب یاد نہیں آتا اور نا ہی غالب کو پڑھتے ہوئے سودا کا خیال آتا ہے ۔ اسی طرح اقبال کے بعد فیض احمد فیض کی شاعری میں غالب کے رنگ کی نشاندھی کی جاتی ہے ۔ مگر بات صحرا میں قطرہ ابر سے آگے نہین بڑھتی ۔ اسکے برعکس اقبال کا محقق اور ناقد بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر (۲۹) " کے مصداق غالب کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عبد القادر کی تناسخ والی بات درست معلوم ہونے لگتی ہے ۔

جہاں تک غالب اور اقبال کی فکری و موضوعاتی ہم آہنگی کا معاملہ ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ غالب کے یہاں عشق ، آرزو ، جنون ، خرد ، خودی و خود داری ، انسانی عظمت و برتری اور انسانی نفسیات کے پیچیدہ معاملات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے ۔ اور اقبال کا ہر قاری جانتا ہے کہ یہی وہ موضوعات ہیں جو اقبال تک پہنچ کر معنوی وسعت اور مستقل فلسفے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ اب ہم مذکورہ تمام موضوعات کا اقبالی حوالوں سے فرداً فرداً جائزہ لیتے ہیں ۔

آرزو :۔ دونوں ارتقائے حیات کے شاعر ہین دونوں کے مطابق آرزو سفر حیات میں مہمیز کا کام دیتی ہے ۔ زندگی میں حرارت و حرکت آرزو ہی کے سبب قائم ہے ۔ غالب اس آرزو

پسندی کا اظہار یوں کرتے ہیں ـــ :ـــ

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
کمال گرمئی سعی تلاش دید نہ پوچھ
برنگ خار میرے آئینے سے جوہر کھینچ (۳۰)

پھر یہ کہ غالب محض اِس آرزو پسندی پر ہی قناعت نہیں کرتے بلکہ آرزو کا تنوع چاہتے ہیں ـــ ایک ہی قسم کی بیقراری و اضطراب انہیں پسند نہیں کہتے ہیں :

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا دل
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر (۳۱)

ڈاکٹر سید عبد اللہ کے بقول " غالب کی آرزو مندی زندگی کی سچائیوں سے زیادہ قریب ہے (۳۲) اقبال نے اسی فلسفہ آرزو اور آرزو پسندی کو معنوی وسعت دیکر بالعموم عالم انسانیت اور بالخصوص مرد مومن کی آرزو بنا ڈالا ـــ یہی وجہ ہے کہ وہ " وصل میں مرگ آرزو" کے نہیں " ہجر میں لذت طلب کے قائل ہیں ـــ اقبال آرزو کو روح حیات قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :ـــ

"آرزو را در دل خود زندہ دار
تانہ گرد و مشت خاک تو مزار (۳۳)

آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر افعال را شیرازہ بند (۳٤)

زندگی سرمایہ دار آرزوست
عقل از زائید گان بطن اوست (۳۵)

دل زسوز آرزو گیرد حیات
غیر حق میرد جو او گیر و حیات (۳٦)

غالب اور اقبال کی آرزو مندی میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کی آرزو حال کی تعمیر چاہتی

ھے ۔ اور دوسرے کی آرزو نظریاتی قالب پہن کر مستقبل پر نظر رکھے ہوئے ھے مگر مقصد دونوں کا ایک ھے یعنی انسان کے سینے کو تڑپ اور " ھل من مزید " کے جذبے سے معمور رکھنا ۔ اور پھر یوں ہوتا ھے کہ یہی آرزو بڑھتے بڑھتے عشق کا درجہ اختیار کرلیتی ھے ۔

عشق اور لذت غم : عشق حیات وکائنات کا ازلی وابدی موضوع ھے جو انسان اور خدا سے شروع ھو کر انسان + انسان کے مقام سے گزرتا ھوا واپس انسان + خدا کی منزل پر پہنچ کر اپنا ارتقائے حیات کا دائرہ مکمل کرلیتا ھے ۔ مگر اس طرح سے کہ مجاز اور حقیقت دو متوازی خطوط کی طرح ساتھ ساتھ چلتے ھیں اور عشق برقی لہر کی طرح دونون خطوط میں بیک وقت سرایت کرتا ھوا گزرتا جاتا ھے ۔ اور یوں عشق کا وجود ازل سے ھے اور ابد تک رھیگا ۔ اور عین ممکن ھے کہ ابد میں بھی اسکی بیقراری شوق اور جنون آرزو مندی کو قرار نہ آئے ۔ اظہار و بیان کے حوالے سے عشق کا موضوع کائنات ھی کی طرح پرانا ھے ۔ اور تخلیقی اذھان کا موضوع خاص رھا ھے ۔ مگر غالب اور اقبال کا تصور عشق عمومی نوعیت کا نہیں عالمگیر نوعیت کا ھے ۔ جس میں جوش آرزو مندی بھی ھے اور غم کی اتھاہ گہرائی بھی ۔ فرق اتنا ھے کہ غالب کا غم قلوب انسانی کی گہرائیون سے ابھرتا ھے ۔ اور گہرائیوں ھی میں اتر جاتا ھے ۔ جبکہ اقبال کا غم ایک انقلابی کی طرح نظام حیات کو تبدیل کرنےکیلئے چودہ سو سال پہلے کی تاریخ عشق اسلامیہ کو دھرانا چاھتا ھے ۔ یون اقبال کا غم عشق ، جنون شوق یا جوش آرزو مندی اصلاحی اور مقصدی نوعیت کا ھے اور باقاعدہ ایک فلسفے کی صورت میں سامنے آتا ھے ۔ جبکہ غالب کا غم عشق خالصتا فطری ھے اور کائنات کے ھر اس انسان کا غم ھے جو ارتقائے حیات کے سفر میں متحرک رھنا چاھتا ھے یہی وجہ ھے جہاں انکے یہاں :

"عشق نےغالب نکمــــا کردیا " (٣٧) اور
غم عشق گر نہ ھوتا غم روزگار ھوتا (٣٨)

جیسے خالص مجاز عموس کے سے مصرعے ملتے ھیں وھان ھمہ گیر نوعیت اور ارتقائی فکر کے حامل اشعــار بھی کافی تعداد میں موجود ھیں مثلاً"

ھزارون دل دیئے جوش جنون عشق نےمجھ کو
سیہ ھوکر سویدا ھوگیا ھر قطرہ خون تن میں (٣٩)

رونق ہستی ہےعشق خانہ ویران ساز سے
انجمن بے شمع ہےگر برق خرمن میں نہیں (۴۰)

غالب بھی اقبال کی طرح کسی منزل پر قرار کے قائل نہیں بلکہ انکا جنون عشق بھی یہ کہتا نظر آتا ہے ۔

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر درودیوار (۴۱)

غالب اور اقبال کا عشق اگرچہ اس اعتبار سے مشترک نوعیت کا ہے ۔ کہ حیات و کائنات کی رفتار کو مہمیز کا کام دیتا ہے اور حیات و کائنات کے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے وہ خون جگر جو دل سے جگر تک کے مراحل طے کرتا ہے ۔ جسے غالب اور اقبال کا عشق جنون خیز " خون جگر " کہہ کر پکارتا ہے ۔ غالب نے خون جگر کے عمومی اور روائتی مفاہیم سے ہٹ کر ترکیب میں ہمہ گیر معنی پیدا کئے ہیں ۔ ان کے خیال میں ارتقائے خیال کے سفر میں حصول مقاصد کیلئے خون جگر کرنا بہت ضروری ہے کہ عشق و خودی کی تکمیل اسی میں ہے ۔ اقبال غالب کی اس ترکیب سے بہت متاثر نظر آتے ہیں ۔ جگر اور خون جگر کے حوالے سے غالب کے شعر ملاحظہ ہوں :

" دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ ، خوشا لذت فراق
تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی (۴۲)

اور

چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی (۴۳)

یہی وہ خون جگر ہےجو تخلیقی عمل میں معاون ہوتا ہے اور تخلیق کار کو لافانی بنا دیتا ہے جیسا کہ غالب کہتے ہیں :

درد دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی ، خامہ خونچکاں اپنا (۴۴)

یہی وہ خون جگر ہے جو اقبال کے یہاں معنی کی مزید وسعت اختیار کرکے یوں اظہار پذیر ہوتا ہے —

اهل زمیں کو نسخه زندگی دوام هے
خون جگر سے تربیت پاتی هے جو سخنوری (٤٥)

دراصل اقبال اور غالب کے یہاں عشق اور خون جگر تقریبا هم معنی سے هو جاتے هیں کہ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم هیں — خون جگر کا یہی وہ تخلیقی و ارتقائی عشق کا سفر هے جو جاوید نامه میں فلک مشتری پر اقبال کو غالب کے سامنے سراپا سوال بناتا هے " غالب ، کے عنوان سے اقبال خون جگر ، کی توجیہات اس طور کرتے هیں که اقبال کا اپنا انداز فکر نمایاں هوکر سامنے آتا هے :

ناله کو خیزد از سوز جگر
هر کجا تاثیر او دیدم دگر
قمری از تاثیر او واسوخته
بلبل از و رنگہا اندوخته (٤٦)

گویا خون جگر اور لذت عشق ایک هی جذبے کے دو نام هیں — وہ جذبه جو پوری کائنات مین سرایت کر گیا هے — مگر اقبال عشق کی اس همه گیریت کے ساتھ ساتھ اسکو ایک انفرادی شان کا حامل مقصدی موڑ دیئے هوئے اسے " صدق خلیل " اور " صبر حسین " سے تعبیر کرتے هین اور فقیہه حرم ، " امیر جنود ، اور " ابن السبیل ، کے گرانقدر خطابات سے نوازتے هوئے :

عشق دم جبریل عشق دل مصطفی
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام (٤٧)

کا نعرہ مستانه لگاتے هیں — عظمت عشق سے متعلق اقبال کی انتہائے فکر کا یه عالم هے که وہ کافر و مسلم کی شناخت بھی اسی حوالے سے کرتے هیں — انکے فلسفه عشق یا مذهب عشق کے مطابق :

اگر هو عشق تو هے کفر بھی مسلمانی
نه هو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق (٤٨)

یہ اسی فلسفہ و فکر کی بسیط شکل ہے جسکا اظہار غالب نے بڑے ہی خوبصورت اور موثر انداز میں اس طرح کیا تھا :

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو (٤٩)

یہ طے ہے کہ غالب اور اقبال دونوں ہی غم عشق کو روح حیات سمجھتے ہیں ۔ اگر اقبال ہجر میں لذت طلب کے قائل ہیں تو غالب کو تیر نیم کش ، کی خلش یک گونہ لطف و سرور بخشتی ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں :۔

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا (٥٠)

اور اقبال اسی قرار بے ندارد کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں :

می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر (٥١)

مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنون عشق ، جوش آرزو اور لذت غم کی کیفیات دونوں شاعروں کے یہاں مشترک ہیں ۔ البتہ زمانی تقاضوں اور بدلتے ہوئے تہذیبی ، معاشرتی ، ادبی اور ثقافتی سانچوں کے سبب فکر و خیال کی بعض کیفیات تمام تر موضوعاتی اشتراک کے باوجود جدا جدا ہیں ۔

غالب کا زمانہ عظیم الشان مغلیہ سلطنت کے اندوہناک زوال کا زمانہ ہے جہاں غموں کی اس جھلسا دینے والی دھوپ میں عالم انسانیت کو حوصلہ دینا مقصود ہے اسی لئے غم کی تمام تر شدتوں اور روح کی تمام تر بے سکونیوں کے باوجود نغمہ ہائے غم کو غنیمت جاننے کا حوصلہ دیتے ہیں ۔ جبکہ اقبال کا زمانہ آزادی کی جدوجہد اور عالم انسانیت اور بالخصوص عالم اسلام کی بیداری کا زمانہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ موضوع یکساں ہونے کے باوجود متن مختلف زاویہ ہائے نظر کی ترجمانی کرتے ہیں اقبال تک پہنچتے پہنچتے آرزو ، عشق و جنون اور لذت غم کا فلسفہ انقلابی اور ولولہ خیز رنگ میں بدل جاتا ہے ۔

خـــرد :

اقبال کا ایک موضوع خاص خرد کو عشق سےکمتر قرار دینا ہے ــ اقبال کے مطابق :

خرد واقف نہیں ہے نیک و بـــد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حـــد سے (٥٢)

اور پھر یہ کہ خرد "چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے" (٥٣) اور اسکی تقدیر میں حضـور نہیں (٥٤) " اس موضوع کو جب غالب کے یہاں دیکھتے ہیں تو وہ بھی اپنی تمام تر عقل پسندی کے باوجود وجدان کو زیادہ اہم گردانتا ہے ــ اگرچہ اس ضمن میں ڈاکٹـــر سید عبـــد اللہ کا خیال ہے کہ

" غالب اپنے زمانے کی عقل پسندی کی تحریک سے متاثر ہو کـــر ــــــــــ اپنی خرد پسندی کا بہت چرچا کرتے ہیں ــ " (٥٥)

لیکن جب ہم غالب کی زندگی کے تمام احوال کا جائزہ لیتے ہیں اور اسکے شعر و ادب پر نگاہ ڈالتے ہین تو وہ ہمین عشق و وجدان کی سرمستیون میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے ــ اور انکے مقابلے میں عقل کی کم مائیگی کو تسلیم کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے :

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنےعالم تقـــــــــریر کا " (٥٦)

گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیـــم ضبـط
شعلہ خس میں جیسے ، خون رگ میں نہان ہو جائیگا (٥٧)

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنـــا مسجـــود
قبلے کو اہل نظـــر قبلہ نمـــا کہتے ہیـــں (٥٨)

اہل تدبیر کی وا مـــــــاندگیـــاں
آبلوں پر بھی حنـــا باندھتـــے ہیـــں (٥٩)

یہ تمام اشعار جوش جنون اور عشق و وجدان کے مقابلے میں عقل کی بے تدبیریوں اور حاصل تک نارسائیوں کا پتہ دیتے ھیں ــ عقل جو کہ عرفان جنون نہیں رکھتی اور وجدان کے معاملات سمجھنے سے قاصر ھے اور یوں دونوں مفکر اس موضوع پر بسیط و عالمگیر انداز میں سوچتے نظر آتے ھیں ــ

خــودی ــ خود داری ــ خود پسندی :

یہ تو سبھی جانتے ھیں کہ احساسات انسانی میں لفظ خودی ، خود داری اور خود پسندی کو بنیادی اھمیت حاصل ھے ــ جیسے زیادہ فصیح زبان میں انائے ذات اور انا پسندی کا نام دیا جاتا ھے ــ اگرچہ اس موضوع کے حوالے سے غالب اور اقبال کی فکر میں بڑے فاصلے ھیں ــ بات اگرچہ دونوں کے یہاں غیرت و خودی اور عرفان ذات کے احساس سے شروع ھوتی ھے مگر اقبال اس پر بس نہیں کرتے ــ وہ خودی کو اعلی و ادنی میں تقسیم کر کے بندے اور خدا کے گہرے روابط کا شعور حاصل کرتے ھیں اور اپنے قاری کو بھی اس شعور کی تہہ تک پہنچانے کی دیوانہ وار کوشش کرتے ھیں ــ

" یہی خودی یا انائے برحق خون صالح کی طرح اقبال
کی ساری شاعری میں رواں دواں ھے ــ جسکے سبب انکـــی
آواز غیر مبہم ھوتی ھے " (۶۰)

خودی ،.. اقبال کے نزدیک " وحدت و جدانی یا شعور کا روشن نقطہ ھے جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ھوتے ھیں " اور " وہ پراسرار شے ھے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ ھند ھے ــ یہ خودی ، یا انا ، یا "میں" جو اپنے عمل کی رو سے ظاھر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ھے جو تمام مشاھدات کی خالق ھے مگر جس کی لطافت مشاھدہ کی گرم نگاھوں کی تاب نہیں لا سکتی " (۶۱)

اقبال کی تمام شاعری اسی فلسفہ خودی کی شناخت کی شاعری ھے اقبال کے یہاں خودی انسان کا محض ذاتی مسئلہ ھی نہیں بلکہ اجتماعی مسئلہ بھی ھے ــ اسی لئے وہ فرد کی خودی کو ملّت کی خودی میں جذب ھو جانیکا مشورہ دیتے ھیں ــ اسکے برعکس غالب کی خودی جہاں محدود معنی میں

" الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ھوا ، (۶۲) کی تمہید ھے وھاں " خودی شیر

مولا جہان اسکا صیـــد ، کے مصــــداق

جاں مطرب ترانہ ھل من مــزید ھے
لب پردہ سنج زمـزمہ الامــــان نہیں (٦٣)

جیسے خودی کے نگہدار اشعار بھی مل جاتے ھیں ـ اور پھر اقبال کی خودی کی طرح غالب کی خودی بھی

ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیــں (٦٤)

کا ارتقائی اعلان کرتی ھے ، " رہ و رسم ثواب سے انحراف کرتی ھے " (٦٥)

اور انائے مطلق کو مشورہ دیتی ھے کہ " بہشت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے (٦٦)

یوں اگر ہم غالب اور اقبال کی خودی کا جائزہ لیں تو معنوی اعتبار سے اقبال کی فلسفیانہ فکر اور انقلابی و خالص اسلامی سوچ انھیں انسانی راستوں کی بجائے آفاقی اور رومانی راستوں پر ڈال دیتی ھے ـ انسان کارزار حیات میں جو کچھ محسوس کرتا ھے ـ غالب اسکی بات کرتے ھیں لیکن اقبال انسان کو محسوسات کی ایک نئی اور بے کنار جہت دکھاتے ہوئے بتاتے ھیں کہ انسان کو کس طرح محسوس کرنا چاھئے ـ یہی دونوں میں بنیادی فرق ھے ـ دراصل اقبال بنیادی طور پر فلسفی شاعر ھیں اور پھر یہ کہ انھیں فلسفیانہ مزاج کی آبیاری کیلئے مشرقی و مغربی تعلیم کی بے پناہ سہولتیں میسر آگئی تھیں اور یوں اقبال کی فکر کو علم و حکمت کا ایک وسیع کینوس میسر تھا ـ جبکہ غالب کی فلسفیانہ سوچ ان تمام تر سہولتوں کے بغیر حیات و کائنات کے مسائل و معاملات کو اپنی ھی قلندرانہ نگاہ سے دیکھتی رھی اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کو اپنے عرفان نظر اور رنگ وجدان سے سلجھانے کی کوشش کرتی رھی ـ

غالب اور اقبال کا فنی و فکری نقطہ نظر :

" غالب سخن کو ایک الہامی چیــز جانتے ھیں ، یہ وھی بات ھے جو سقراط اور افلاطون نے بھی کہــی تھی ـ کہ شاعر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس پر الہام ھوتا ھے جو وہ ہم تک پہنچا دیتا ھے ـ غالب کا نظریہ شعــــر بھی یہی ھے انکے بقول :

" آتے ھیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے (٦٧)

اور یہ کہ

پاتا ھوں اس سے داد کچھ اپنے سخن کی میں
روح القدس اگرچہ میرا ہم زباں نہیں (٦٨)

غالب کے یہاں معانی کی بہت اہمیت ہے وہ فنکار سے غور و فکر اور حکمت و دانائی کی توقع رکھتے ہیں ۔ فلسفیانہ انداز فکر انکے یہاں خاص اہمیت رکھتا ہے اور فلسفیانہ فکر کے حامل فن کو ہی وہ اعلی وارفع سمجھتے ہیں ۔ انکے نزدیک ایسا فن خون دل کرنے سے ہی وجود مین آتا ہے تخلیق فن کیلئے " گداز دل " بہت ضروری ہے جسے غالب " دل گداختہ " کا نام دیتے ہیں بقول غالب :

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی (٦٩)

بقول ڈاکٹر سید عبد اللہ

غالب کے نزدیک تخلیقی جذبے کی نمود کا منبع دل گداختہ بھی ہے ۔ اور خرد بھی ۔ انکا خیال ہے کہ سخن کے لئے جوہر اندیشہ اور خون دل دونوں کی ضرورت ہے (٧٠)

اقبال کا فنی نقطہ نظر بھی غالب سے مختلف نہیں ہے ۔ انکے خیال میں وہ آرٹ یا فن جو خون جگر سے وجود میں آتا ہے ۔ قوموں کی بقا کا ضامن ہوتا ہے ۔ اقبال کے لفظوں میں :

" جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے ۔ اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کیلئے کفارہ ہوتا ہے " (٧١)

اقبال کے خیال میں ایسے معجزہ ہائے فن آسانی سے رونما نہیں ہوتے بلکہ :

رنگ ہو یا سنگ و خشت چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود (٧٢)

اقبال ارتقائے فن کو قوموں اور ملّتوں کے عروج و زوال کے تناظر میں دیکھتے ہیں ۔ انکے فکر رسا کے مطابق زندہ قومیں زندہ ادب تخلیق کرتی ہیں ۔ اور

" جب کوئی قوم زوال پر آمادہ ہو جاتی ہے تو ٹھوس چیزوں سے ، مغز سے ، معنی سے ، بیگانہ ہو جاتی ہے چھلکے سے ، شکل سے ، دل بستگی بڑھ جاتی ہے ۔ یہی آرٹ کی زوال پذیری ہے ۔ (٧٣)

اقبال مزید کہتے ہیں کہ

زوال پذیر قومون کے نقاد بھی کس قدر ژولیدہ فکر ہو جاتے ہیں کہ پریشان گفتادی کو ندرت اسلوب اور ژولیدہ بیانی کو جدت ادا کا لقب دے کر معایب کو محاسن بنا کر پیش کرتے ہین " (٧٤)

گویا اقبال بھی غالب کی طرح ٹھوس اور حکمت و دانائی سے بھرپور ادب و فن کے قائل ہین ۔ اقبال کا اپنا کلام اسکی واضح دلیل ہے ۔ اقبال فن میں جلالی و جمالی صفات کی موجودگی کے قائل ہیں ۔ جبکہ غالب کے نزدیک فن نور بھی ہے اور شعلہ بھی ۔ نور اور شعلے کا جلال اور جمال سے گہرا تعلق ہے اور اس سے دونوں کے نظریوں کی مماثلت سامنے آتی ہے ۔ جلال اور جمال ، یا نور اور شعلہ ، روشنی اور حرارت کی علامت ہیں ۔ اور تخلیق فن اور تکمیل فن کیلئے فنکار کے شعور و احساس میں ان دونوں کی موجودگی بہت ضروری ہے ۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ " نور اور شعلے " میں جلال اور جمال کی مشابہت تلاش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

" یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ غالب اور اقبال کے تصور جلال یا جمال میں کہاں تک مماثلت ہے مگر یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ سخن کیلئے نور کی شفاف پاکیزگی اور شعلے کی شدید گرمی کا تصور ایک دوسرے رنگ مین جمال یا جلال ہی ہے " (٧٥)

جب ہم غالب اور اقبال کے نظریہ فن کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ڈاکٹر سید عبد اللہ کی مذکورہ رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کیونکہ دونوں ہی تخلیق فن کے لئے " دل گداختہ" اور خون جگر کو لازمہ فکر قرار دیتے ہیں ـــ اور دونوں کی فنی و فکری عظمت کا راز بھی اسی نظریہ شعر ہی میں ہے ـــ

یہ فکری فنی اور موضوعاتی مماثلتیں عبد القادر کی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ غالب نے اقبال کے روپ میں دوبارہ جنم لیا ـــــــــ ان مماثلتوں سے ہٹ کر مزاج کی ہم آہنگیاں دیکھئے کہ دونوں ہی کا مزاج درویشانہ ہے ـــ دونوں ہی عزم بلند رکھنے کے باوجود حالات کے دباؤ کے سبب دنیا سے کنارہ کشی کا سوچتے ہیں ـــ غالب جب یہ کہتے ہیں کہ

" رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ، ہمزبان کوئی نہ ہو ، رازدان کوئی نہ ہو اور پھر یہ کہ " بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے " (۷٦)
وغیرہ وغیرہ تو اقبال عین عالم شباب میں یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو (۷۷)

غالب حسن تعلّی کے طور پر اپنی ولایت کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ :

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا (۷۸)

تو اقبال اپنی نظم " صوفی و رندی " کے زیر عنوان ایک مولوی صاحب کی زبان سے ایسے ہی خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں :

مجموعہ افراد ہے اقبال نہیں ہے
دل دفتر حکمت ہے طبیعت خفقانی
رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی (۷۹)

غالب کی بحور ، ردیف ، قوافی اور اقبال :

غالب سے اقبال کی تاثر پذیری اسقدر ہے کہ غالب کی بہت سی رواں دواں بحروں ، ردیفوں اور قافیوں میں اقبال نے شعر کہے ہیں — نہ صرف اردو میر بلکہ فارسی مین بھی — اردو اشعار میں مماثلتوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں :

مثال نمبر ١

غالب :— زہرہ گر ایسا ہی شام ہجر میں ہوتا ہے آب
پر تو مہتاب سیل خانماں ہو جائیگا (٨٠)

اقبال :— آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی (٨١)

بحر ایک ہے — قافیہ مختلف سہی مگر ردیف مین تذکیر و تانیث کے فرق کے باوجود ایک کا شعر پڑھتے ہوئے ذہن فورا دوسرے کے شعر کی طرف جاتا ہے —

مثال نمبر ٢

غالب :— ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے (٨٢)

اقبال :— عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے (٨٣)

اگرچہ قافیہ مختلف ہے مگر بحر اور ردیف مین اتفاق ہے —

مثال نمبر ٣ :

غالب : سب کہاں کچھ لالہ و گل مین نمایاں ہوگئین
خاک میں کیا صورتین ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں (٨٤)

اقبال : جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بن گئیں (٨٥)

قافیه اگرچه مختلف هے مگر بحر اور ردیف ایک هے —

مثال نمبر ٤

غالب : زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پرواہ نمک
کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک (٨٦)

اقبال : همت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچه سان غافل ترے دامن مین شبنم کب تلک (٨٧)

بحر کی یکسانیت کے باوجود اگرچہ ردیف اور قافیه یکسر مختلف هے مگر "نمک" اور تلک ،کی تکرار دونوں کو قریب کر دیتی هے —

مذکورہ تمام حواله جات اس حقیقت کا ثبوت هیں که اقبال کو غالب سے کس قدر ، قلبی اور روحانی لگاؤ تھا — یوں لگتا هےکه مولانا روم کےبعد اقبال غالب هی کو اپنا مرشد مانتے تھے — جاوید نامه میں جس طرح وہ غالب سے سوال و جواب کرتے ملتے هیں — اس سے ایک مرید و مرشد کا تعلق هی ظاهر هوتا هے— اقبال سوال کرتے هیں اور غالب جواب دیتے جاتے هیں — اور پھر یوں هوتا هے — که اقبال کسی اچھے مرید کی طرح اپنے مرشد کی باتوں سےاتفاق کرتے چلے جاتے هین — اور یہین پر اقبال غالب کے اس شعر کی وضاحت چاهتے :

هر کجا هنگامه عالم بود
رحمة اللعالمینے هم بود (٨٨)

اور پھرخود بھی معنی کی گہرائی کو سمجھتے هوئے غالب کی طرف سے جواب دیتے هیں

این سخن را فاش تر گفتن خطاست (٨٩)

اور یه که نکته را برلب رسیدن مشکل است

یه درست هےکه اعلی فکر کے لوگ هی اعلی فکر کےلوگون پر اثر انداز هوتے هیں — غالب اور اقبال کےاشتراک فکر و فن نےاس حقیقت کی گواهی دی هے— مولانا شبلی اس ضمن میں لکھتے هیں —

" ڈاکٹر اقبال کے علم ادب اور انکی شاعری کا مقابلہ
غالب کی شاعری سے کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہو سکتا " (۹۱)

ڈاکٹر سید عبد اللہ اس بارے میں لکھتے ھیں :

" اقبال کی طرح غالب بھی اس عظیم وراثت کے محافظ
تھے۔ جسکا سلسلہ حافظ سے شروع ہو کر بابا فغانی
اور انکے متبعین تازہ گویان ہند کے ذریعے بیدل اور غالب
تک پہنچتی ہے (۹۲)

آخر میں اپنی بات ہم اقبال کے ان اشعار پر ختم کرتے ھیں جو انھوں نے یوم غالب کے سلسلے میں
خواجہ حسن نظامی کو ان الفاظ کے ساتھ لکھ کر بھیجے تھے :

" پیغام کیلئے مراقبہ کیا تو مرزا ہرگوپال تفتہ کی روح
سامنے آئی اور دلی والوں کیلئے یہ شعر نازل کر کے
غائب ہو گئی ۔

درین محفل کہ افسون فرنگ از خود برد اورا
نگا ہے پردہ سوز آور ، ولے دانائے راز آور
فئے این ساقیان لالہ رو ذوقے نمی بخشد
ز فیض حضرت غالب ہمان پیمانہ باز آور (۹۳)

****

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
١ــ	اقبال	کلیات اقبال اردو/بانگ درا	٣٥	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	١٩٩٠
٢ــ	مرزا غالب/ امیر حسن نورانی مرتب	کلیات فارسی	٢٣٧	مطبع منشی نولکشور لکھنئو	١٩٦٨
٣ــ	" "	" "	٢٣٧	"	"
٤ــ	" "	دیوان اردو	٢٧٥		
٥ــ	" "	" "	٢٨٧		
٦ــ	محمد رفیق افضل مرتب	گفتار اقبال	٢٠٧	ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاھور	١٩٦٩ء
٧ــ	غالب	اردوئے معلی	١٧		
٨ــ	" /امیر حسن نورانی (مرتب)	کلیات فارسی	١٧		
٩ــ	فقیر سید وحید الدین	روزگار فقیرجلد دوم	٢٧٠	آتش فشان پبلیکشنز لاھور	١٩٨٨ء
١٠ــ	اقبال	پیام مشرق	٢١٢	شیخ غلام علی اینڈ سنز	١٩٨٣ء
١١ــ	مرزا غالب	دیوان غالب	٩٩		
١ــ١٤ــ	اقبال	کلیات اقبال اردو/بانگ درا	٥٥		
١٥ــ	رفیع الدین ھاشمی مرتب	خطوط اقبال	٧٨	مکتبہ خیابان ادب لاھور	١٩٧٦ء
١٧ــ	مرزا غالب	دیوان غالب	١٦٠		
١٨ــ	گوھر نوشاھی ــ مرتب	مطالعہ اقبال	٤٧٤	بزم اقبال لاھور	١٩٨٣ء
١٩ــ	اقبال	کلیات اقبال اردو/بانگ درا	٥٦/٤٠		
٢٠ــ	چراغ حسن حسرت	اقبالنامہ	٣٣		
٢١ــ	ڈاکٹر عبد الشکور احسن	اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ ــ	٤٣٧	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	١٩٧٧
٢٢ــ	ڈاکٹر جاوید اقبال ــ مرتب	فکر اقبال	٥٤	مجلس ترقی ادب لاھور	١٩٧٢ء

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٢٣ـ	ڈاکٹر جاوید اقبال مرتب	شذرات فکر اقبال	١٠٥		
٢٤ـ	ڈاکٹر سید عبداللہ	غالب پیش رو اقبال (مضمون)	١٥	ماہ نو اقبال نمبر لاہور	١٩٧٧ء
٢٥ـ	خواجہ منظور حسین	اقبال اور بعض دوسرے شاعر	٥٠٤	نیشنل بک فاونڈیشن	١٩٧٧ء
٢٦ـ	ڈاکٹر سید عبداللہ	غالب پیش رو اقبال (مضمون)			
٢٧ـ	ڈاکٹر محمد ریاض	اقبال اور فارسی شعراء		اقبال اکاڈمی پاکستان لاہور	
٢٨ـ	ڈاکٹر سید عبداللہ	غالب پیش رو اقبال	١٩		
٢٩ـ	غالب	دیوان غالب	٦٢		
٣٠ـ	"	"	٥٦		
٣١ـ	"	"	٦٣		
٣٢ـ	ڈاکٹر سید عبد اللہ	غالب پیش رو اقبال	١٩		
٣٣ـ ٣٤ـ	اقبال	اسرار و رموز	١٦	شیخ غلام علی اینڈ سنز	١٩٨٤
٣٥ـ٣٦ـ	"	"	"		
٣٧ـ	غالب	دیوان غالب	١٨٧		
٣٨ـ	"	"	٢١		
٣٩ـ	"	"	١١٦		
٤٠ـ	"	"	٨٨		
٤١ـ	"	"	٥٩		
٤٢ـ	"	"	١٦٠		
٤٣ـ	"	"	٢١٨		
٤٤ـ	"	"	٤٥		

حـــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٤٥ــ	اقبال	کلیات اقبال ارد و بانگ درا	٢٢٤ / ٢٤٠		
٤٦ــ	"	جاوید نامہ	١٢٥		
٤٧ــ	"	کلیات اقبال ارد و بال جبریل	٩٧ / ٤٢١		
٤٨ــ	"	" "	٤٦ / ٣٧٠		
٤٩ــ	غالب	دیوان غالب	١٢٥		
٥٠ــ	"	"	١٠		
٥١ــ	اقبال	پیام مشرق	١٤٥		
٥٢ــ	"	کلیات اقبال ارد و بال جبریل	۱۳۴		
٥٣ــ	"	"	۴۰۹		
٥٤ــ	"	"	۳۷۵		
٥٥ــ	ڈاکٹر سید عبداللہ	غالب پیش رو اقبال	١٨		
٥٦ــ	غالب	دیوان غالب	١		
٥٧ــ	"	"	٢٧		
٥٨ــ	"	"	٨٦		
٨٩ــ	"	"	١٠٨		
٦٠ــ	گوھرنوشاھی (مرتب)	مطالعہ اقبال / مقالہ ڈاکٹر سید عبد اللہ	٣٢٦		
٦١ــ	سید عبد الواحد معینی (مرتب)	مقالات اقبال	١٩٣	آئینہ ادب لاھور	١٩٨٨ء
٦٢ــ	غالب	دیوان غالب	٢٣		
٦٣ــ	"	"	٩١		
٦٤ــ	"	"	١٠٢		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٦٥-	غالب	دیوان غالب	١٢٢		
٦٦-	"	"	١٢١		
٦٧-	"	"	١٧٤		
٦٨-	"	"	٩٢		
٦٩-	"	"	٢٢٠		
٧٠-	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مباحث	٤٩٩	مجلس ترقی ادب لاہور	١٩٦٥ء
٧١-	اقبال	مکاتیب اقبال بنام گرامی	١٥٥		
٧٢-	"	کلیات اقبال اردو	٤٢١/٩٧		
٧٣-	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	ملفوظات اقبال	٢٢٤	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	١٩٧٧ء
٧٤-	"	"	٢٢٥		
٧٥-	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مباحث	٥٠٢		
٧٦-	غالب	دیوان غالب	١٣٤		
٧٧-	اقبال	کلیات اقبال اردو	٧٨		
٧٨-	غالب	دیوان غالب	٢٢		
٧٩-	اقبال	کلیات اقبال اردو	٩٢		
٨٠-	غالب	دیوان غالب	٢٦		
٨١-	اقبال	کلیات اقبال اردو	٢٢١		
٨٢-	غالب	دیوان غالب	٢٢٣		
٨٣-	اقبال	کلیات اقبال اردو	٣٠٢		
٨٤-	غالب	دیوان غالب	١١١		
٨٥-	اقبال	کلیات اقبال اردو	٢١٤		

حواشی

ر	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۔	غالب	دیوان غالب	۷۸		
۔	اقبال	کلیات اقبال اردو	۲۹۲		
۔	غالب / امیر حسن نورانی مرتب ۔	کلیات فارسی	۳۸۹	مطبع منشی نولکشور لکھنئو	۱۹۶۸ء
۔	اقبال	جاوید نامہ	۱۲۶	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۷۸ء
۔	"	"	۱۲۶		
۔	سید افتخار حسین شاہ	اقبال اور بیوری شبلی	۳۷	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور	۱۹۸۳ء
۔	گوہر نوشاہی (مرتب)	مطالعہ اقبال	۳۱۴		
۔	رفیع الدین ہاشمی (مرتب) ۔	خطوط اقبال	۱۲۰	مکتبہ خیابان ادب لاہور	۱۹۷۶ء

مومن خان مومن

تاریخ پیدائش : ۱۸۰۰

تاریخ وفات : ۱۸۵۱

حکیم مومن خان مومن ۱۸۰۰ میں کوچہ چیلا ن میں پیدا ہوئے ۔ آپکے والد کا نام حکیم غلام نبی خان تھا ۔ مومن خان کےمورث اعلی نامدار خان کشمیری الاصل تھے ۔ اور شاہ عالم ثانی کےعہد میں دھلی آئے تھے حکیم غلام نبی انھی کےبیٹے تھے ۔ بقول مصنف آب حیات :

" مومن خان مومن کےوالد کو شاہ عبد العزیز سےعقیدت تھی انھوں نے ھی مومن خان نام تجویز کیا " (۱)

مومن اپنے والدین کےاکلوتے بیٹے تھے ۔ اسی لئے ناز و نعم میں پرورش پائی ۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مسجد اکبرآباد میں شاہ عبد القادر سے پڑھیں اور یہیں سے عربی ، فارسی ، حدیث فقہ ، منطق ، معانی کی تکمیل کی (۲)

" حال انکی استعداد کا یہ ھےکہ عربی میں شرح ملا تک اور فارسی خوب جانتے تھے " (۳)

سرخوش کہتے ھیں کہ :

" انھوں نےفارسی عبد اللہ خان علوی سےجوعدیم المثال عالم تھےتحصیل کی تھی " (٤)

شیفتہ انکی فارسی زباندانی کا ذکر یوں کرتےھیں :

" باوجود تخالف لسانیں ھردولغظ چندا دستگا ھے نصیب اوگشتہ کہ پارسیان ازآن خودمی انگارند " (۵)

سرسید احمد خان انکی فارسی دانی کوداد تحسین دیتے ہوئےلکھتے ھیں :

" اگر یہ کہا جائےکہ شیرینی زبان حافظ اور نمک سخن سعدی ،اور متانت تراکیب انوری اورنشست الغاظ

خاقانی اور آیانی (کذا) عبارات ابوالفضل هندی اور
تازگی معانی کمال الدین اصفهانی اور سوا اسکے جو خوبی
صف شعراء سے کسی کے ساتھ مختص ھے سب انکے کلام معجز
نظام میں ھے" (٦)

فارسی پر دسترس رکھنے کے ساتھ عربی سے بھی گہری واقفیت تھی ۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حافظ قران تھے ۔ علم طب میں ماہر تھے ۔ علم نجوم و رمل سے خوب آگاہ تھے ۔ اور اس فن کے سبب کافی شہرت رکھتے تھے ۔ اکثر صحیح صحیح حساب لگا کر لوگوں کو حیران کر دیتے تھے ۔ اس باب میں مومن بڑے فخریہ انداز میں کہتے ھیں :

کـــرون جوگردش انجم کی مین رصـــد بنـدی
فـــدا هو وجـــد میں آ کر روان بطلیمـــــوس (٧)

میرے کلام سے ھیں گونہ گونہ فائـــده منـــد
ادیب و نبـــض شناس و منجـــــم و فاضــــل (٨)

شاعری اپنی هوتی نیـــــرنگی دانشــــــوری
جو سخن ھے سو طلسم راز بطلیمـــــوس ھے (٩)

اور پھر یہ کہ :

ان نصیبون پرکیا اختـــــر شنـــــاس
آسمـــان بھی ھے ستـــــم ایجـاد کیا (١٠)

شطرنج کا شوق رکھتے تھے ۔ موسیقی سے خاص لگاؤ تھا ۔ اور فن عملیات میں دخل ہونے کی وجہ سے تعویز نویسی بھی کر لیا کرتے تھے (١١) مومن کے درج ذیل اشعـار انکی علمی بصیرت واستعداد کی دلیل ھیں :

کس قـــــدر حکمت اشراق سے دل جلتـــا ھے
هو گئے شعلہ دوزخ میـــرے دل کے انـــــوار

غـــم بے قـدری هیت سے جگـــر چاک هـــوا
خرق افلاک سمجھتـــا تھا میں کتنـــا دشـــوار (١٢)

بیشتر علوم اور زبانوں میں دسترس کامل رکھنے کے باوجود مومن دنیائے عشق کے بھی مرد میدان تھے ۔ انکا عشق اور شاعری ایک هی سر آغاز رکھتی هے ۔ مولانا آزاد اور مرزا فرحت الله بیگ کی پیکر تراش کے مطابق مومن ایک خوش شکل اور وجیهه مرد تھے ۔ انکی وضع قطع اور نفاست و دلکشی لباس سے انکی رنگین مزاجی صاف چھلکتی تھی ۔ انکی مثنویاں " شکائت ستم " " قصه غم ، قول عمیق ، تف آتشین " اور حسن مغموم ، انکی دنیائے عشق کے پیچ وتاب کی خبر دیتی هیں ۔

اس تمام تر عاشقانه مزاجی کے باوجود انکی شخصیت کا ایک اهم پہلو انکا مذهبی هونا هے :

بزرگان دین کی عقیدت و صحبت کو وه همیشه جزو
ایمان سمجھتے تھے ۔ اگر انکے والہانه جوش مذهب کا
نمونه دیکھنا هو تو انکے قصائد لغت و منقبت ملاحظه
هوں " (۱۳) ۔

قصائد لغت کے ایک دو اشعار ملاحظه هوں ۔

جو شمع هزم کہوں اسکے روئے تابان کو
کتان و ماه بنے نور شعله و فانوس
وه کون احمد مرسل شفیع هر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس (۱٤)

اگر کہے مدد ے یا محمد عربی
صفیر مرگ هو رستم کو نعره لا کوس
مخالفون کو تیرے دو جہان جہنم هے
که تاب مہر سے جلتے رهے هین یان بھی مجوس (۱۵)

اس قابل قدر مذهبی رجحان کے باوجود بهر حال مومن کے کردار میں جذباتی حوالوں سے بشری کمزوریاں نمایاں تھیں ۔ انکے مزاج کی اسی آزاده روی کے پیش نظر انکے شاگرد رشید نواب مصطفی خان شیفته نے از خود انکے کلام کی ترتیب وتدوین کی اور متفرق کلام کو مومن کی نظرثانی کیبعد ۱۲٤۳ھ میں دیوان بینظیر کے نام سے پیش کردیا ۔ اس

وقت مومن کی عمر انتیس (۲۹) سال تھی اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مومن کم عمری ہی میں استاد کے مرتبے پر فائز ہو گئے تھے ۔ اور دھلی کے مشاہیر شعراء میں شمار ہوتے تھے اس دور کے مشاہیر شعراء میں شاہ نصیر ، مفتی صدر الدین آزردہ ، حکیم آغا جان عیش ، ذوق اور غالب قابل ذکر ہیں ۔

۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء مومن چھت سے گرے ۔ شدید ضرب آئی ۔ علاج کیا افاقہ نہ ہوا خود ہی اپنا زائچہ نکالا تو پتہ چلا کہ بقیہ عمر صرف پانچ (۵) ماہ رہ گئی ہے ۔ چنانچہ پانچ ماہ قبل خود ہی اپنا قطعہ تاریخ لکھا :

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا
خود با خروش گفتم ، بشکست دست و بازو
گفتم کہ با موت گفت تاریخ این مصیبت
گفتا خموش ، گفتم بشکست دست و بازو (۱۶)

مرزا غالب نے مومن کی موت پر منشی نبی بخش حقیر کے نام ۲۱ مئی ۱۸۵۲ کے ایک خط میں اپنے گہرے رنج کا یوں اظہار کیا ہے :

" سنا ہوگا تم نے کہ مومن خان مر گئے ———
——— مومن خان میرا ہمعصر تھا اور یار بھی
تھا ——— چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری
اور اس مرحوم کی عمر تھی ، مجھ میں اس میں ربط
پیدا ہوا ، اس عرصے میں کبھی کسی طرح کا رنج و
ملال درمیان نہ آیا ——— یہ شخص بھی اپنی
وضع کا اچھا کہنے والا تھا ۔ طبیعت اسکی معنی آفرین
تھی " (۱۷)

مومن کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو :

تاب و طاقت ، صبر و راحت ، جان و ایمان ، عقل و ہوش
ہائے کیا کہیے کہ دل کیساتھ کیا کیا جائے ہے (۱۸)

گو کہ ہم صفحہ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے (۱۹)

وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ولیکن
ذرا اے چارہ ساز و زحمت تدبیر تو کھینچو (۲۰)

کیونکر نہ کھیں منت اعداء نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے (۲۱)

ایسے سے قدر و مہر و وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو (۲۲)

سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ھیں
مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ھے (۲۳)

مومن کی تمام تر علمی و فنی عظمتوں اور خوبیوں کے باوجود جو بات حیرت انگیز ھے وہ یہ کہ اقبال نے مومن خان مومن کی شاعری کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور نہ ھی انکی شاعری کے بارے میں قابل تعریف کلمات کہے اگر کہا تو یہ کہا :

" مومن ژولیدہ گفتار ھے " (۲٤)

اور مومن کی بیپناہ تعریف کو وہ ناقدین کی ژولیدہ فکری قرار دیتے ھیں جو ژولیدہ بیانی کو جدت ادا کا لقب دیکر معائب کو محاسن قرار دیتے ھیں ۔ مومن کے حوالے سے اقبال ایک جگہ کہتے ھیں :

" میں نے مومن کا دیوان نہیں پڑھا تھا ' اب دیکھا ھے اس میں مجھے صرف ایک شعر پسند آیا :

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا (۲۵)

اقبال کے مذکورہ بیانات سے پہلی بات جو سامنے آتی ھے وہ یہ کہ جس طرح غالب سے اقبال کا ایک ذہنی ، فکری اور روحانی رابطہ تھا وہ اس دور کے کسی شاعر کے ساتھ پیدا نہ ہو سکا ۔

غالب کے بعـــد خاقانی ہند ذوق بھی انہیں متاثر نہ کر سکے اور مومن اپنی رنگیـن مزاجی کےسبب ویسے ہی اقبال کے معیار پر پورے نہیں اترے یہی وجہ ہےکہ اقبال نےمومن کے دیوان کا مطالعہ کرنا ہی ضروری نہ سمجھا ـ اقبال کا یہ فقرہ کہ" اب دیکھا ہے" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہےکہ اقبال نے مومن کا کلام یقیناً سرسری طور پر دیکھا ہوگا اور پھر یہ کہ ذہن مین غالب کی یہ معروف بات بھی محفوظ ہوگی کہ انہوں نے اپنےدیوان کے عوض مومن کا مذکورہ شعر لینا پسند کیا تھا ـ غالب کو یہ شعر اپنی سلاست بیان ، معنی آفرینی ، اثر انگیزی اور معصوم خیالی کےسبب اسقدر پسند آیا کہ انہوں نےاس شعر کی ایسی ٹھوس تعریف کردی کہ پھر کسی شاعر کیلئے گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی کیونکہ اقبال بھی ذوق شعر شناسی میں غالب کےہمقدم تھے چنانچہ اس پس منظر مین مومن کےمذکورہ شعر کو پسند کرنا اقبال کیلئے لازمی امر ہوگیا تھا ـ یہ شعر بہرحال اقبال کو بہت پسند تھا ـ حوالہ کےطور پر مہاراجہ کشن پرشاد کےنام ٢١ دسمبر ١٩١٥ کے خط میں لکھتے ہیں :

"آپ نےمومن مرحوم کا شعـــــر :

تم میرےپاس ہوتے ہوگـــویا

خوب یاد دلایا ـ مگر مومن مرحوم نےیہ شرط لگا دی ہے :

" جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا " (٢٦)

کچھ عرصہ قبل علامہ اقبال کا ایک خط بنام پروفیسر ضیا احمـــد صاحب بدایونی کے نام نظر سےگزرا جس میں اقبال نےمومن کےبارےمیں اپنی رائےکی کچھ وضاحت کی ہے ـ پروفیسر ضیاء نےاپنا مومن کا مرتب کردہ دیوان علامہ کی خدمت میں بھیجا تھا ـ اور کلام مومن کےبارےمیں لکھتے ہیں :

It is very kind of you to send me a copy of your Edition of Momins Lyries over for which you seem to have first time in my life. But I confess I am very much disappointed in the poet."

آگے چل کر اقبال اس انتہائی مایوسی کی وجہ بتاتے ھیں کہ

1. It is only rarely that he reaches a truely lyrical feelings"
2. His thoughts are childish.
3. His feelings often disclose an illconcealed vulgarity.
4. Psychologically speaking his lack of clarity in expression is a valuable. (27).

اقبال کی ان آراء کی روشنی مین جب ھم کلام مومن کا جائزہ لیتے ھیں تو اقبال سے کچھ نہ کچھ اتفاق ضرور کرنا پڑ جاتا ھے ۔ دراصل ھر شاعر کی سوچ اپنے مزاج ، ماحول اور افتاد طبع کے تابع ھوتی ھے نفسیات کے اس اصول پر جب ھم مومن کی زندگی پر نظر ڈالتے ھیں تو وہ ایک ایسے عاشق مزاج انسان کے روپ میں سامنے آتے ھیں جسکے یہاں یکجائی کا کوئی تصور نہیں ھے اور جس نے سن شعور تک پہنچتے سے قبل ھی حسن و عشق کے بہت سے مراحل طے کر لئے تھے ۔ بقول مومن :

کھو دیا چین اک مہ رونے | شب سیہ کی ھلال ابرو نے
ھائے بچپن میں دل کا آجانا | کچھ سمجھتے نہ تھے یہ کیاجانا
پہنچےسن وقوف کو بھی نہ ھم | کہ ھوئے واقف رموز الـــــــم (۲۸)

ان عشقیہ حوالوں سے مومن کی کئی مثنویاں سامنے آتی ھیں ۔ کہنے کا مطلب یہ ھے کہ جو عشق میں یکجائی کا قائل نہیں ھوتا ۔ اسکے یہاں جذبے کی سچائی اور صداقت اور احساس کی سلگاھٹ کا ھونا مشکل امر ھے یہی وجہ ہے کہ مومن کے اظہار جذبات میں تغزل کی حقیقی روح واقعتاً برائےنام ھے ۔ جذبات عدم پختہ ھیں جسکے سبب خیالات میں طفلانہ پن اور اظہار میں سوقیانہ پن آجانا فطری سی بات ھے ۔ مومن اتنا کچھ کہہ جانے کیبعد بھی یہ نہیں سمجھا پاتے کہ درحقیقت وہ کہنا کیا چاھتے ھیں ۔ اور یوں ھمیں اقبال کی رائے مومن کے بارے میں بے وزن نہیں لگتی ۔

تاہم یہ خیال رہے کہ اقبال کی یہ رائے مومن کی غزلیات وعشقیہ رنگ کی مثنویات کے بارے میں ہے ۔ ورنہ جب ہم مومن کی شاعری کے مذہبی پہلو کا مشاہدہ کرتے ہیں تو وہاں حمد و نعت اور منقبت کی زبان میں عقیدت کے قابل قدر رنگ ملتے ہیں ان میں

" جذبہ جہاد اور دینی جوش بھی موجود تھا اور وہ
سید احمد شہید اور سید اسمعیل شہید کی تحریک
کے مداحوں میں تھے بلکہ عملاً اس جہاد میں شرکت کی
زبردست خواہش بھی رکھتے تھے " (۲۹)

عین ممکن ہے کہ اقبال نے مومن کی غزلیہ شاعری سے مایوسی کے بعد فوری طور پر انکے اس مذہبی جذب و احساس کی حامل شاعری کی طرف توجہ نہ دی ہو ۔ لیکن بعد میں اسپر ایک نگاہ ضرور ڈالی ہو ۔

اس ایک نگاہ ڈالنے کا خیال اس لیے آتا ہے کہ جب ہم مومن کی مثنوی بعنوان " اشعار مثنوی ناتمام " پڑھتے ہیں تو ذہن بے اختیار اقبال کے ساقی نامے کی طرف جاتا ہے مثنوی کے اشعار ملاحظہ ہوں :

کہاں ہے تو اے ساقی تیز ہوش
کہ مانند مے مجکو آیا ہے جوش
شراب سراسر ہدایت پلا
کہن سے مہ توبہ تاثیر لا (۳۰)

اور پھر مسلسل بتیس (۳۲) مصرعوں میں وہ شراب معرفت کی صفات گنواتے ہوئے اس انتہا پر پہنچ جاتے ہیں کہ

وہ مے جسکی حد سے زیادہ صفت
وہ مے جسکو صوفی کہیں معرفت
وہ مے جسکا خمخانہ عرش عظیم
وہ مے جسکا خمار ربّ کریم (۳۱)

آگے چل کر " دیگر " کے عنوان سے اسی شراب معرفت سے متعلق اپنے مذہبی جوش کو مومن الفاظ کا ایکبار پھر سرمدی رنگ دیتے ہوئے مسلسل چوبیس (۲۴) مصرعوں میں تسلسل کیساتھ

بیان کرتے ملتے ھیں ۔

اب مومن کی مذکورہ مثنوی کے پس منظر میں ساقی نامہ ،کے اشعار ملاحظہ ھوں

ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
سناتی ھے یہ زندگی کا پیام
پلا دے مجھے وہ مے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز (٣٢)

اور یہ کہ

وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مے جس سے ھے مستی کائنات
وہ مے جس میں ھے سوز و ساز ازل
وہ مے جس سے کھلتا ھے راز ازل (٣٣)

اظہار کے پیرائے زمانی اعتبار سے مختلف سہی لیکن مفہوم میں اخلاص عمل کی خواھش ، پاکیزہ و منزہ احساس اورعقیدت و محبت کے لافانی رنگ دونوں کے یہاں موجود ھیں = تاھم اقبالی فکر ان تمام اوصاف کی ھمراھی میں حرکت وعمل ،اورغیرت و خودی کی پیامبر بن کر حقائق حیات کی پیچیدہ گھتیوں کو سلجھانے کی کوشش کرتی ھے ۔ اقبال زندگی کی ازلی وابدی صداقتوں کو سمجھانا چاھتے جبکہ مومن کے یہاں بات خالص صوفیانہ طرز احساس سے آگے نہیں بڑھتی ۔

اقبال کی نظم ساقی نامہ بال جبریل میں ھے اور بال جبریل پہلی بار ١٩٣٥ میں شائع ھوئی تھی جبکہ ضیا احمد بدایونی کے نام مذکورہ خط ٩ نومبر ١٩٣٤ کو لکھا گیا اس اعتبار سے خیال گزرتا ھے کہ ساقی نامہ لکھنے سے پہلے ممکن ھے اقبال نے مومن کی مذکورہ مثنوی پر نگاہ ڈالی ھو ۔ اور اسکا لب ولہجہ اقبال کو پسند آیا ھو ۔

تاھم یہ حقیقت ھے کہ مومن کے شاعرانہ احساسات اقبال کو متاثر نہیں کر سکے وجہ اسکی یہی ھے کہ مومن کے یہاں نہ صرف حرکت وعمل کا پیغام نہیں ھے بلکہ جذبہ عشق کی لا مرکزیت کے سبب عشق کا وہ منزہ اور آب حیا میں ڈھلا ھوا لہجہ بھی نہیں ھےجو سینوں میں گداز اور تڑپ پیدا کرکے دلوں کو مجاز و حقیقت کے دوراھے پر لا کھڑا کرتا ھے ۔

+++++++++++++

حواشی

شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
–	مولانا محمد حسین آزاد	آب حیات	۳۴۳	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور	۱۹۸۵ء
–	"	"	"	"	"
–	مولوی کریم الدین	تذکرہ شعرائے اردو	۴۴۳		۱۸۴۸ء
–	سر خوش	اعجاز سخن	۲۶۹	بحوالہ مخزن اکتوبر–نومبر ۱۹۱۴ء	
–	نواب مصطفی خان شیفتہ	گلشن بیخـــار	۱۹۶		
–	سرسید احمد خان	آثار الصنادید باب چہارم	۱۹۲		
–	مومن خان مومن	کلیات مومن	۱۵	مکتبہ شعر وادب لاہور	
–	"	" "	۲۴		
–	"	" "	۱۴۴		
۱–	"	" "	۶۱		
۱–	ضیاء احمد ضیاء مرتب	مقدمہ دیوان مومن	۲۵		
۱–	مومن خان مومن	کلیات مومن	۲۹		
۱–	کلب علی خان فائق	مومن	۴۲	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۱ء
۱–	مومن خان مومن	کلیات مومن	۱۳		
۱–	"	" "	۱۵		
۱–	کلب علی خان فائق	مومن	۱۰۵		
۱–	آفاق حسین آفاق مرتب	نادرات غالب	۱۴	ادارہ نادرات کراچی	
۱–	مومن خان مومن	کلیات مومن	۱۴۶		
۱–	"	" "	۱۴۸		
۲–	"	" "	۱۳۵		
۲–	"	" "	۱۶۰		
۲–	"	" "	۱۳۷		
۲–	"	" "	۱۵۳		

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۲۴ـ	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	ملفوظات اقبال	۲۲۵	اقبال اکادمی پاکستان لاھـــور ـ	۱۹۷۷
۲۵ـ	" "	" "	۱۴۷		
۲۶ـ	محمد عبد اللہ قریشی	روح مکاتیب اقبال	۱۳۵	اقبال اکادمی " لاھور ـ	۱۹۷۷ء
۲۷ـ	اقبال	خط بنام پروفیسر ضیاء احمد بدایونی	۱۹	ماھنامہ احساس	
۲۸ـ	مومن خان مومن	کلیات مومن	۲۶۲	مکتبہ شعر و ادب لاھور	۱۹۸۰ء
۲۹ـ	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	ملفوظات اقبال	۵۱۲		
۳۰ـ	مومن خان مومن	کلیات مومن	۴۰۴		
۳۱ـ	" "	" "	۴۰۵		
۳۲ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو	۴۵۰		
۳۳ـ	"	" "	۴۵۰		

چھٹا باب

امیـــــر مینـــائی

پیدائش : ١٨٢٩
وفـــات : ١٩٠٠

کیونکـــر نہ کرون ملک معـــانی کو مین تسخیـــر
خامہ ھے مــرا دست ید اللہ کی شمشیـــــر
دل صاف ،زبان صاف ، سخن صاف ھے میــرا
موتی کی لڑی ھےکہ مسلسل میــری تقـــــدیر
جو بات میرےمنہ سےنکل جائے وھـــی ھـــو
گویا ھون زبان قـــــلم کاتب تقــــــدیـــر (١)

امیر مینائی ،نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کے زمانے مین لکھنٔو مین پیدا ھوئے ــ سلسلہ نسب مخدوم شاہ مینا سے ملتا ھے اسی نسبت سے مینائی کہلائے ــ سلسلہ صابریہ چشتیہ سے بیعت تھے ــ اور تصوف مین مسلک وحدت الوجود کے قائل ، منطق و فلسفے کے عالم تھے ــ علمائے فرنگی محل سے فقہ اوراصول فقہ پڑھ کر دستار فضیلت حاصل کی ــ اردو ،فارسی ،عربی ،بھاشا اور سنسکرت جیسی زبانون کےوہ عالم تھے ــ عروضی موسیقی ، جفر ، رمل ، نجوم کیساتھ ساتھ، فقہ و قانون کے بھی ماھر تھے ــ تاھم انکا مقام شاعری کی دینا مین نمایان ھے ــ وہ ایک اچھے غزل گو اور قابل قدر نعت گو شاعر تھے ــ

امیر ایک پرگو شاعر تھے انکی تخلیقات کی تعداد کافی ھے غزل مین مرأت الغیب صنم خانہ عشق ،گوھر انتخاب ، جوھر انتخاب ، اور دیوان امیر ، انکے یادگار مجموعے ھین نعتیہ کلام مین " محامد خاتم النبین " مثنوی نور و تجلی و ابرِکرم ، نعتیہ مسدّس صبح ازل ، شام ابد ،لیلة القدر اور شاہ انبیاء رسول اقدس کے حضور قابل قدر نذرانے ھین ــ مولود شریف سےمتعلق نعتیہ شاعری اس دور کی ایک اھم شعری روائت تھی ــ امیر مینائی نے اس روائت کو خوش اسلوبی سے نبھایا " خیابان آفرینش " انکا قابل ذکر میلادنامہ ہے ــ اس کے علاوہ زاد الامیر ،سرمہ بصیرت ، بہار ھند اور نماز کے اسرار وغیرہ بھی انکی علمی و تخلیقی کاوش کا ثمر ھین ــ ایک اور شعری مجموعہ " غیرت بہارستان " جو ١٨٥٧ کی جنگ آزادی مین ضائع ھوگیا تھا وہ بھی بعد مین چھپ کر منظرعام پر آیا ــ " تذکرہ انتخاب یادگار " بھی انکی ایک تنقیدی کوشش کا نتیجہ ھے اس تذکرے کی خصوصیت یہ کہ

" اس مین عربی ، فارسی ، اردو اور بھاشا چار زبانون کے
سخنورون کا حال درج ھے " (۲)

واجد علیشاہ کی تصنیف " نغمہ قدسی" پر " شرح صورت المبارک " کے نام سے حواشی انھی کے لکھے ھوئے ھین ۔ شاعری کے علاوہ منشی امیر مینائی کا گرانقدر کارنامہ انکی مرتب کردہ جامع لغت موسوم بہ " امیر اللغات ھے جو اپنے مولف کے مرتبے اور زباندانی کی دلیل ھے انھون نے اس مقصد کیلئے :

" باقاعدہ ایک دفتر امیر اللغات قائم کیا ھوا تھا جہان ایک
ادارے کی صورت مین کام ھوتا تھا " (۳)

افسوس کہ امیر مینائی اپنی زندگی مین اس لغت کو مکمل نہ کر سکے تاھم اردو زبان کی تاریخ مین "امیر اللغات " انکا اھم کارنامہ ھے ۔

امیر مینائی فلسفہ ، منطق ، حکمت ، طب ، تفسیر حدیث اور تصوف پر بھی عبور رکھتے تھے ۔ داغ کے عمعصر اور شاعری اور شاعری کے مرد میدان تھے انکی انھی بے پناہ صلاحیتون کے سبب اسمعیل احمد مینائی کہتے ھین ۔

" جلال و داغ کیلئے صرف انکی شاعری انکی نامـــوری
کا سرمایہ تھی ۔ امیر مینائی سے شاعری کا طرہ امتیاز چھین
بھی لیا جائے تو بھی وہ نامور رھین گے " (٤)

ان تمام اوصاف کے باوصف امیر مینائی کی شخصیت کا ایک اور نمایان پہلو ھے جو انکی تمام علمی و فنی صلاحیتون کے پس منظر مین موجود نظر آتا ھے وہ انکا درویشانہ اور فقیرانہ اسلوب حیات ھے عشق رسول انکی زندگی کا سرمایہ حیات ھے اور خودی و خدامستی انکی فطرت کا خاصہ جسکی گواہ انکی نعتیہ اور حمدیہ شاعری ھے ۔ معراج کے موضوع پر انکے نعتیہ اشعار ملاحظہ ھون :

گرم حضرت کا یہ بازار تھا معراج کی شب
کہ خدا آپ خریدار تھا معـــراج کی شب (٥)

کس کے آنے کی فلک پر ھے خبـــر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ھے قمر آج کی رات (٦)

امیر مینائی نے نعت گوئی کی طرف خصوصی توجہ دی اوراپنی فنی باریکیون کی مدد سے اس صنف کوارتقائی مدارج مین داخل کیا ۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید :

" نعت کے موضوع کوایک مکمل فن بنانے مین امیر
کی کارکردگی تاریخی اهمیت کی حامل هے ۔ فنی
نزاکتون کےعلاوہ نعت کے فکری پہلوؤن کے سلسلے
مین بھی امیر مینائی کی مساعی قابل ذکر هین " (۷)

امیر مینائی نعت گوئی مین روایت کی صحت کے قائل تھے انھین اپنے زمانے کے میلاد نامون پر اعتراض تھا کہ جوش عقیدت و محبتّ مین غلط روایات منظوم کر دیجاتی هین ۔ اس اصلاحی جذبے کے تحت انھون نےخیابان آفرینش تالیف کی اور سبب تالیف یون بتایا :

" ان وجوه سے اس هیچ مداں کو یہ خیال هوا
کہ ایک رسالہ ایسا بھی لکھا جائے جس کے پڑھنے
سننےسے اهل علم و فضل کو مطلق تامل نہ هو اور
تکلفات شاعرانہ و منشیانہ سے بالکل پاک هو اسلئے
کہ شاعری اور انشاپردازی مین کس حد سے تجاوز هو
هی جاتا هے اور نقل روایات مین حد سےتجاوز کرنا
سخت مواخذے سے ڈراتا هے ۔ " (۸)

یہ تھا انکا عشق رسول جوذات اقدس سےغلط بات منسوب کرنےکی اجازت نهین دیتا تھا خواہ وہ بے پناہ عقیدت کے جذبےکےتحت هی کیون نہ ہو۔ انکی میلادیہ نعت کا ایک بند ملاحظہ هو جس مین نشاطیہ آهنگ بھی هے اور حسن و تاثر بھی اور عشق کی شدید کیفیت بھی :

کــر دو خبــــر یہ محفــل میلاد شـــاہ هے
یان آمـد جناب رسالت پنـــــــاہ هے
امت چلے رســول کی یہ جلـــــــوہ گاہ هے
سیدھی یہی بہشـــت مین جـــانیکی راہ هے
دربارعام گرم هوا اشتهار دو
جن و بشر سلام کو آئین پکار دو (۹)

امیر مینائی کی یہی وہ وارفتگی شوق هے جس نےاقبال کو بہت زیادہ متاثر کیا ۔ اسلئے بھی

کہ اقبال خود عاشق رسول ہے اور روح کی گہرائیون سے صوفی منش بھی ۔ وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا شدت سے منتظر ہے اور انسانی دلون کو جوش انقلاب اسلامی سے بھر دینا چاہتا ہے ۔ اور اس شخص کو نگاہ عقیدت و احترام سے دیکھتا ہے جسکے یہان عشق رسول کے انداز اور مومنانہ پر تو نظر آتے ہین ۔ امیر مینائی سے عقیدت کا سبب بھی یہی ہے کہ وہ انکی علمی فنی اور فکری صلاحیتون کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہین ۔ یہ امیر کی عظمت کا اعتراف ہی ہے کہ اقبال اپنے ٢٨ فروری ١٨٩٩ کے احسن مارہروی کے نام ایک خط مین داغ کی تصویر کے ساتھ اس نظرئیے سے امیر مینائی کی تصویر بھی منگواتے ہین کہ :

" مین نے تمام دنیا کے بڑے بڑے شاعرون کے فوٹو
جمع کرنے شروع کئے ہین ۔۔۔۔ حضرت امیر
مینائی کے فوٹو کی بھی ضرورت ہے "۔ (١٠)

اگرچہ پورا نام امیر احمد تھا اسی لئے تخلص بھی امیر ہی اختیار کیا ۔ مگر انکے طرز بود و باش پر تخلص کا ذرا اثر نہین ملتا ۔ وحدت الوجودی حوالون سے انکے چند ایک شعر دیکھئے :

اسی کا ہے رنگ یاسمن مین اسی کی بوباس نسترن مین
جو کھڑکے پتا بھی اس چمن مین خیال آواز آشنا کر (١١)

اے امیر اول تو وہ نا آشنـــــا ملتـــا نہین
مل گیا جس کـــو تو پھر اسکا پتـــہ ملتـــا نہین (١٢)

کوئی مجھ کو لئے جـــاتا ہـــے کہیـــن
نہیـــن معلـــوم کہان جاتـــا ہـــون (١٣)

اگرچہ اقبال نظریہ وحدت الوجود کے سخت مخالف تھے اور اس مکتب فکر کی لذت سکون پسندی پر تنقید کرتے ہین اور امیر مینائی کے اس شعر کو بھی بنگاہ تنقید دیکھتے ہین :

دیکھ جو کچھ سامنے آ جائے منہ سے کچھ نـــہ بول
آنکھ آئینے کی پیـــدا کر ذهـــن تصـــویر کا (١٤)

لیکن بحثیت مجموعی انکے روحانی اسالیب حیات اور صوفیانہ و درویشانہ طرز احساس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہین ۔ اسي شعر پر ایک خاص نقطہ نظر سے نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی تمام تر

تغیر پسندی کے باوجود یوں بھی رائے دیتے ھین :

" بہرحال اگر تغیر قابل دید بھی ہو تو امیر
مرحوم کا اصول عمل کے قابل ھے " (۱۵)

اقبال نے اگرچہ داغ کی شاگـــردی قبول کی تھی لیکن امیر مینائی کی مذکورہ صوفیانہ وعارفانہ صفات کےسبب وہ انکی روحانیت کے اسیر ھو گئے تھے ۔ اقبال انکے کلام کی دردمندی اورگداز کے بارے مین لکھتے ھین :

" حضرت امیر کے کلام کا مطالعہ کرنے والون سے مخفی نہین
کہ وہ صرف شاعر ھی نہین تھے بلکہ انکا درجہ شاعری سے بہت
بڑھا ہوا تھا انکے کلام مین ایک خاص قسم کا درد اور خاص
قسم کی لے پائی جاتی ھے جو صاحب دلون کو بے چیــن
کردیتی ھے " اور وہ کلیجہ پکڑ کے رہ جاتا ھے " (۱٦)

اقبال کی یہ رائے امیر کے اس کلام پر ھے جوعشق حقیقی کے مدارج طے کرتا ملتا ھے اور جو عشق رسول سے سرشار ھے ۔ ورنہ تو اگر ھم امیر مینائی کی اس شاعری کا مطالعہ کرین جسکا تعلق خالصتاً انسانی جذبات اورعشق کی سفلی کیفیات سےھےتو معاملہ برعکس نکلیگا خاص طور پر مراۃ الغیــب کی شاعری بالکل ناسخ کے رنگ مین ڈوبی ھوئی ھے :

" انکے ابتدائی کلام مین وہ سب عیوب موجود ھین جو ناسخ کے
رنگ کیلئے مخصوص ھین یعنی جا بیجــا رعائت لفظی ابتذال
رکیک اور بدنما تشبیہین وغیرہ " (۱۷)

معاملہ بندی کی انتہائین بھی انکی شاعری مین ملین گی ۔ مگر رام پور منتقل ھو جانے کے بعد انکی شاعری ایک شستہ شاعرانہ لباس پہن لیتی ھے اور انکے کلام مین وہ تمام اوصاف جمع ھو جاتے ھین جو داغ کی شاعری کا خاصہ تھے ۔ بلکہ داغ کے مقابلے مین انکی شاعری ... منزہ انداز مین سامنے آتی ھے بقول رام بابو سکسینہ :

" منشی صاحب کو مختلف اصناف سخن ۔ غزل ، قصیــدہ
رباعی ، مخمــس ، مسدس وغیرہ پر عبور تام حاصل ھے انکا
کلام اعلی خیالات ، فصاحت و بلاغت روانی و سلاست ،
توازن الفاظ اور ایجاز کیلئے مشہور ھے ۔ حشـــو و زوائد

اور ضائع و بدائع لفظی کی کثرت سے انکا کلام پاک ھے ۔
انکے کلام مین شگفتگی ، نزاکت خیال ، بلند پروازی ،
شیرینی زور اور قادرالکلامی بدرجہ احسن موجود ھے" (۱۸)

امیر مینائی کی مجازی رنگ کی شاعری دیکھئے تو پتہ چلتا ھے کہ عشق مجازی کا کوئی پہلو ایسا نہین جسے امیر نے برتا ھو ۔ چند ایک شعر ملاحظہ ھون :

قفس مین آج بہت بے حواس ھے بلبل
گلون کی خیر ھو یا رب اداس ھے بلبل (۱۹)

جوش وحشت مجھے ھر سال بناتا ھے جوان
جب بہار آتی ھے ایام شباب آتے ھین (۲۰)

ھٹاو آئینہ امیدوار ھم بھی ھین
تمہارے دیکھنے والون مین یار ھم بھی ھین (۲۱)

کہتے تھے دل کس سے لگاو نہ اے امیر
دیکھو تو چار روز مین کیا حال ھو گیا (۲۲)

ان اشعار مین جہان عشق مجازی کی وحشتین ھین وھان زبان و بیان کی خوبیان بھی واضع ھین ۔ صاف پتہ چلتا ھے کہ الفاظ کے استعمال کا سلیقہ امیر کو خوب آتا ھے ۔ انکی زبان پر دھلویت کے اثرات بھی صاف نظر آتے ھین ۔ دراصل امیر نے :

"غالب ، آتش ، ناسخ اور انیس و دبیر کی صحبتین
اٹھائین ، رند ، صبا ، نسیم ، بحر ، اشک اور وزیر
کی زمزمہ سنجیان سن کر اپنے کلام کو چمکایا ھر
صنف سخن کو آزمایا اور ھندوستان گیر شہرت حاصل
کی ۔" (۲۳)

اس تمام تر مجازی رنگ کی شاعری کے باوجود انکی شاعری پر صوفیانہ رنگ نمایان ھے اور دنیا کی بے ثباتی کا شدید احساس ملتا ھے ۔ امیر مینائی اپنی تمام تر دنیادارانہ اور حسن پرستانہ شاعری کا جواز یہ پیش کرتے ھین ۔

ظاہر مین ہم فریفتہ حسن بتان کے ہین
پر کیا کہین نگاہ مین جلوے کہان کے ہین (۲٤)

اور یہ کہ :

کھیل تھا عمر بھر جو دیکھا تھا
زندگی کیا تھی اک تماشا تھی (۲۵)

حقیقت بھی یہی ہے کہ امیر مینائی اپنی شخصیت اور مجازی شاعری کے حوالون سے متضاد فکر آدمی نظر آتے ہین ـ تاہم تصوف کا رنگ انکے کردار پر غالب ہے ـ وہ صوفیانہ مکتب فکر کے آدمی تھے ـ قطب الاستاد حضرت امیر شاہ صاحب قدس سرہ کے ہاتھ بربیعت بھی خاص طور پر اس لئے کی تھی کہ انھین شاہ صاحب کی شکل و صورت اور حلیہ خواب مین دکھایا گیا تھا ـ (۲٦) انکی زندگی اسی واقعہ کے سبب عالم جذب و مستی مین گزری ـ ثاقب گوالیاری جامع مکاتیب امیر مینائی مین لکھتے ہین کہ " حضرت ایک عالم نور تھے " (۲۷) انکے شاگردون کا بیان ہے :

" امیر مینائی کی ذات بڑی پاکیزہ اور دلکش تھی چہرے پر
ایک معصومیت ایک محویت کے آثار کا ہلکا سا پردہ پڑا
رہتا تھا جو ہر دیکھنے والے اور ملنے والے کو بے اختیار
رجھا دیتا " (۲۸)

امیر مینائی کے یہان ایک طرح کی درویشانہ خود پرستی اور عاشقانہ سرمستی ہے یہی کیفیات اقبال مین بدرجہ اتم موجود تھین ـ وہ بھی اپنی تمام تر دنیاوی اور مادی ضروریات حیات کو بہ حسن و خوبی نبھانے کے باوجود اندر سے مرد درویش ہی تھے ـ اپنے ۱۷ جولائی ۱۹۰۹ کے مکتوب مین لکھتے ہین :

" مین تو خود اپنے لئے بھی ایک معمہ ہون لیکن وہ خیالات
جو میری روح کی گہرائیون مین ایک طوفان بپا کئے ہوئے ہین
عوام پر ظاہر ہون تو مجھے یقین واثق ہے کہ میری موت کے بعد
میری پرستش ہوگی ـ دنیا میرے گناہون کی پردہ پوشی کرے
گی ـ اور مجھے اپنے آنسوون کا خراج عقیدت پیش کریگی " (۲۹)

اپنے مستقبل کے بارےمین ایسی پیش گوئی جو حرف به حرف درست ثابت هو کوئی صاحب کشف والهام هی کر سکتا هے۔ اقبال اور امیر مینائی مین اس قسم کی روحانی اور درویشانه هم آهنگی موجود تهی ۔

اقبال امیر مینائی کی مذکوره صفات گران قدر علمی وادبی خدمات سے متاثر تهے ۔ اور چاهتے تهے که عظیم شخصیت کے کارنامون کو تاریخ کے اوراق مین محفوظ کر لیا جائے ۔ انهین اس بات پر حیرت بهی هے اور افسوس بهی که :

" فن سخن کے استاد اور ملک نظم کے بادشاه حضرت امیر
مینـــائی کی لائف ابهی تک نهیـــن لکهی گئـی " (۲۹)

چنانچه وه اپنی اس کوشش کا اظهار بهی کرتے هین :

" راقم نے جناب امیر مرحوم کے اکثر تلامذه اور بالخصـــوص
حضرت جلیل ، ریاض ، مضطر ، کوثر ، عابد اور انکے خلف
ارشد حضرت اختر وغیره کو متوجه کیا هے که ایسا شاعر بینظـــر
اور انکی لائف اب تک نه لکهی جائے ـــ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ
ـــ ـ ـ اے کمال افسوس هے تجھ پر کمال افسوس هے " (۳۰)

اس سلسلے مین اپنی خواهش کا ذکر یون کرتے هین :

" میرا ایک عرصے سے خیال تها که حضرت امیر کی زندگی
کے جسته جستـه واقعات قلم بند کرون ـ ـ ـ ـ اسلئے چند
باتین حضرت امیر کے تلامذه اور دیگر واقف کارون سے دریافت
کرنا چاهتـــا هون " ۔ (۳۱)

اس خط مین آگے چل کر امیر مینائی کی عظمت فکر کو یون خراج تحسین پیش کرتے هین :

" آه ایسے بینظر شخص کے حالات جو اصل معنون مین
تلمیذ الرحمن کا مستحق هو ـــــــــــــ
ـــــــ اگر یه شخص یورپ یا امریکه مین هوتا تو اسکی
زندگی مین هی اسکی کئی سوانح عمریان نکل جاتین " (۳۱)

اسکے بعد نمبر وار امیر مینائی کی زندگی کی کوئی اهم بات ، زبانی مقولے ، بچپن کی بعض بعض باتین ، سفر اور باعث سفر ، اساتذه ، عادات اور مشاعرون کی تفصیل طلب کرتے هوئے لکھتے هین :

" یه بتا دینا ضروری هے که یه مضمون انگریزی مین لکھا
جائیگا اور ولائیت کے کسی مشهور اخبار یا رسالے مین
چھپوایا جائیگا ـ امید هے که حضرت امیر کے نام لیوا اور
انکے تلامذه مجھے امداد دیکر ممنون فرمائین گے " (۳۲)

اقبال کے اس پر خلوص جذبات کے حامل خط کا یه اثر هوا که امیر مینائی کے شاگردون ، جانشینون اور قدر دانون نے امیر کی زندگی سے متعلق قابل قدر سوانح عمریان لکھ ڈالین مثلا سیرت امیر ، ذکر حبیب ، صهبائے امیر ، طره امیر وغیره ـ اگر اقبال اپنی تحریرون سے محبان امیر کو جوش نه دلاتے اور ان مین شعور و عقیدت بیدار نه کرتے تو عین ممکن هے که یه سوانح عمریان نه لکھی جاتین ـ اسلئے هم کهه سکتے هین که امیر مینائی کی شعری شخصیت ، روحانی عظمت اور بلندی کردار کے فکر و ادب کی موجوده دنیا سے روشناس کرانے میـــن اقبال کی کوششون کا عمل دخل هے ـ

اقبال کے دل مین امیر مینائی کی عظمت روحانی اور علمی بصیرت کا کتنا گهرا شعور ، احساس تھا اسکا اندازه ان القابات سے لگایا جا سکتا هے جو انهون نے مذکوره خط مین امیر مینائی کیلئے استعمال کیے هین ـ مثلا "فن سخن کے استاد" ، "ملک نظـــم کا بادشاه" ، "شاعر بینظیـــــر" ، "اور تلمیذ الرحمن" وغیره پھر یه که اقبال نه صرف امیر مینائی کا نام عقیدت و احترام سے لیتے هین بلکه انکے شاگرد جلیل کیساتھ بھی کلمه احترام "حضرت" لگاتے هین ـ اسکے علاوه اپنی ایکنظم "سرگذشت اقبال" ، کے مقطع مین جس جوش عقیدت و محبت سے امیر مینائی کی عظمت شاعرانه کی تعریف کی هے ـ وه بے مثال هے شعر یه هے :

عجیب شے هے صنم خانه امیر اقـــبال
مین بت پرست هون رکھدی کهین جبین مین نے (۳۳)

یه رائے ایک طرف تو امیر مینائی کے شعری مجموعے "صنم خانه عشق" کے بارے مین هے اور دوسری طرف انکی دیگر تمام تر علمی ، فکری اور شعری خدمات کا احاطه کئے هوئے هے :ـ

یہ ایک فطری امر ھے کہ جن شخصیات سے ھم متاثر ھوتے ھین انکے اثرات لا شعوری طور پر ھماری شخصیت مین بھی آتے ھین ـ یا پھر یون کہہ لیجیے کہ ھم کرداری، شخصی اور فکری لحاظ سے جن عادات و اوصاف کے مالک ھوتے ھین ان سے ملتی جلتی شخصیات سے قریب تر ھو جاتے ھین ـ یا قریب تر کر لیتے ھین ـ امیر مینائی اور اقبال کا بھی یہی معاملہ ھے ـ دونون کے تمام تر شعری رویون اور شاعرانہ احساس و فکر کے باوجود عشق حقیقی اور عشق رسالت کا پہلو قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ھے ـ تصوف مین ھر چند کہ دونون کے مسالک جدا ھین مگر صوفی کا توکل وغنا دونون کےیہان موجود ھے ـ تاھم اتنا فرق بہر حال موجود ھے کہ امیر مینائی کا تمام تر صوفیانہ، نعتیہ اور حمدیہ لب و لہجہ اور طرز احساس ایک مخصوص و محدود دائرے مین گھومتا ھے جبکہ اقبال دائرہ توڑ کر اپنی انقلابی اور ھمہ گیر فکر مین آفاق کو کم کرنے کا قائل ھے آفاق مین گم ھونا اسکی آفاقی فکر کے خلاف ھے ـ دونون کے مزاج کا فرق اس بات سے واضح ھو جاتا ھے کہ امیر مینائی مشورہ دیتے ھین کہ :

آنکھ آئینے کی پیدا کر دھن تصویر کا

جبکہ اقبال کا پرجوش انقلابی لب و لہجہ انسان کو زندگی سے بھرپور یہ مشورہ دیتا ھے

کھول آنکھ، زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ (٣٤)

اور یہ کہ

تیری نوا سے ھے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ھے مضرابی (٣٥)

لیکن اسکے باوجود اقبال کو امیر کا یہ شعر بہت پسند ھے اپنی نظم "نالہ فراق" مین جو انھون نے اپنے استاد آرنلڈ کی یاد مین لکھی تھی اسکے مقطع مین انھون نے امیر کی اسی غزل کے مقطع کو اپنی بے بسی کے اظہار کے طور پر لکھا ھے شعر یہ ھے :

تاب گویائی نہین رکھتا دھن تصویر کا
خامشی کہتے ھین جسکو ھے سخن تصویر کا (٣٦)

امیر مینائی نے اگرچہ رام پور مین زندگی کے ٤٣ برس گزارے لیکن آخری عمر مین نظام دکن کے اصرار پر دکن منتقل ھو گئے ـ اور جاتے ھوئے یہ عارفانہ اشعار جو پیش گوئی کا درجہ رکھتے ھین انکی زبان سے بے ساختہ ادا ھو گئے ـ

اب کے سفر وہ ہے کہ نہ دیکھوں گا پھر وطن
یوں تو میں لاکھ بار غریب الـــــوطن ہــوا (٣٧)

اور یہ کہ

اب نہ ٹھہروں جو خوشامد بھی کرے خاک وطن
کہ پکارا ہے غریب الــــوطنی نے مجھ کو (٣٨)

دوسرے شعر کا دوسرا مصرع انکی تاریخ وفات ثابت ہوا ۔ دکن ہی میں بالاخر ١٤ اکتوبر ١٩٠٠ میں آپکا انتقال ہوگیا ۔ اور وہیں پر درگاہ یوسف صاحب شریف صاحب کے احاطے میں دفن کر دئے گئے ۔ اقبال نے اپنے گہرے رنج کا اظہار یوں کیا :

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینـــائے امیر
چشم محفل میں ہے لب تک کیف صہبائے امیر (٣٩)

اور پھر امیر مینائی کی شخصی عظمت ، روحانی بصیرت اور فکری پاکیزگی کے پیش نظر قران مجید کی سورۃ شعراء سے یہ تاریخ وفات نکالی :

" لسان صدق فی الآخرین "
١٣١٨ھ

بقول عبد اللہ قریشی :

" یہ مادہ تاریخ ہر لحاظ سے بینظیر الہامی یادگار سمجھا جا سکتـــا ہے " (٤٠)

یہ مادہ تاریخ اقبال کی طرف سے امیر مینائی کی عارفانہ و صوفیانہ نگاہ بلند کو زبردست خراج عقیدت ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائیگا ۔

امیر مینائی کی قبر کے تعویز پر سامنے کے رخ ان کے شاگرد جلیل کا قطعہ تاریخ درج ہے ۔ جسکا مفہوم اقبال کی تاریخ وفات کے مفہوم سے مختلف نہیں ہے قطعہ یہ ہے :

امیـــــــر کشور معنی امیر مینـــائی
خدائے عـاشق صادق درنبی کے فقیر

گئے جو خلد بریں کوتوال کی تربت پر
لکھا جلیل نے یہ روضۂ جناب امیر، (۱۱)

اور پشت پر خود انکا بے مثال شعر کندہ ہے ۔ امیر مینائی بزبان سکوت یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں :

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشان رہے نہ رہے (۱۱)

حـــــواشی
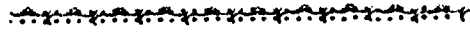
نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۔	بحوالہ اسمعیل احمد مینائی "امیر مینائی" مضمون		۱۴۰۱	نقوش شخصیات نمبر ۲	اکتوبر ۱۹۵۶
۲۔	" "	" "	۱۴۰۲	"	"
۳۔	" "	" "	۱۴۰۳		
۴۔	" "	" "	۱۴۰۲		
۵۔	امیر مینائی	محامد خاتم النبیین	۱۱۵		
۶۔	" "	" "	۱۱۶		
۷۔	ڈاکٹر ریاض مجید	اردو میں نعت گوئی	۳۴۹	اقبال اکادمی پاکستان	۱۹۹۰ء
۸۔	امیر مینائی	خیابان آفرینش	۳		
۹۔	" "	محامد خاتم النبیین	۱۱۱		
۱۰۔	شیخ عطاء اللہ	اقبال نامہ	۳۔۴		
۱۱۔	امیر مینائی ۔مرتب خالد مینائی	غیرت بہارستان	۱۴۴		
۱۲۔	" "	" "	۲۰۴		
۱۳۔	" " "	" "	۲۱۰		
۱۴۔	سید عبد الواحد	مقالات اقبال	۱۹۷		
۱۵۔	محمد عبداللہ قریشی مرتب محمد عبداللہ قریشی		۱۱۴	اقبال اکادمی پاکستان	۱۹۷۷
۱۶۔	" " "	معاصرین اقبال کی نظرمیں	۲۴		
۱۷۔	رام بابو سکسینہ / مترجم محمد حسن عسکری	تاریخ ادب اردو	۲۶۹	علمی کتب خانہ لاھور	نہیں
۱۸۔	" " "	" "	۲۶۹	"	"
۱۹۔	امیر مینائی / مرتب خالد مینائی	غیرت بہارستان	۱۷۶		
۲۰۔	" " "	" "	۱۹۵		
۲۱۔	" " "	" "	۱۹۵		
۲۲۔	" " "	" "	۱۴۷		

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٢٣—	محمدعبداللہقریشی	معاصرین اقبال کی نظرمیں	١٨		
٢٤—	امیر مینائی /مرتب خالد مینائی —	غیرت بہارستان	١٩١		
٢٥—	" "	" "	١٤٦		
٢٦—	اسمعیل احمد مینائی	امیر مینائی — مضمون	١٣٩٧		
٢٧—	" "	" "	١٣٩٧		
٢٨—	" "	" "	" "		
٢٩—	محمدعبد اللہ قریشی مرتب	روح مکاتیب اقبال	٨٨	اقبال اکادمی پاکستان لاهور—	١٩٧٧
٢٩—	محمد عبداللہ قریشی	معاصرین اقبالکی نظرمیں	٢٣		
٣٠—	" "	" "	٢٣—٢٤		
٣١—	" "	" "	٢٤—٢٥		
٣٢—	" "	" "	٢٥		
٣٣—	سید عبدالواحد معینی	باقیات اقبال	٣٣٦		
٣٤—	اقبال	کلیات اقبال اردو	٤٦٠		
٣٥—	"	" "	٤٦٠		
٣٦—	"	" "	١٠٤		
٣٧—	بحوالہ محمد عبداللہقریشی	معاصریناقبالکی نظرمیں	٣٧		
٣٨—	" "	" "	"		
٣٩—	" "	" "	٢١		
٤٠—	" "	" "	٢١		
٤١—	اسمعیل احمد مینائی	امیر مینائی — مضمون	١٣٩٧		
٤٢—	" "	" "	١٣٩٨		

****

نواب مرزا داغ دهلوی

تاریخ پیدائش : ١٨٣١
تاریخ وفات : ١٩٠٥

" جناب داغ کی اقبال یه ساری کرامت هے
تیرے جیسے کو کر ڈالا سخندان بھی سخنور بھی (١)

نواب مرزا داغ جنکا شاگرد کهلانے پر اقبال کو همیشه فخر رها — ١٨٣١ مین دهلی مین پیدا هوئے — مرزا خان نام اور داغ تخلص تها — مرزا نثار علی شهرت لکھتے هین :

" اصل نام ابراهیم تها شادی کیبعد احباب نے نواب مرزا سے ان کو ملقب کیا اور آگے چل کر اسی نام سے مشهور هوئے " (٢)

کم عمری هی مین والد کا انتقال هو گیا تها چنانچه :

" اس پریشانی کے زمانه مین مرزا صاحب کی والده ماجده نے صاحب عالم ولی عهد شاه دهلی مرزا فخرو کے دامن عاطفت مین پناه لی اور اپنی زندگی کا بهت بڑا حصه محل شاهی مین گزارا — اور نواب شوکت محل بیگم صاحبه خطاب پایا " (٣)

اور یون مرزا داغ دهلوی کے شعور کو ابتدائے عمر مین هی شاهی قلعے مین پروان چڑھنے کا موقع ملا — مرزا فخرو کو شاعری سے شغف تها — انهون نے داغ کی طبعیت کی موزونیت کو بھانپ لیا تها — چنانچه ١٨٤٤ مین جبکه داغ ابھی چوده (١٤) سال کے تھے — ذوق کی شاگردی مین دیدیا — اور یون داغ کو اس زبان کے مزاج کو سیکھنے اور سمجھنے کیلئے بھر پور مواقع میسر آ گئے — جیسے قلعه معلی کی زبان یا اردوئے معلی کها جاتا هے — اور جسے پرشکوه صاف و شفاف موثر ، مهذب اور ساده و پرکار بنانے مین ذوق اور غالب جیسے اساتذه فن نے بھر پور طور پر جگر کاوی سے کام لیا تها — اس لسانی فکری و فنی پس منظر مین داغ کی شاعرانه صلاحیتون کو جلا ملی — ذوق کی شاگردی نے انکے یهان خالص " اردو پن " پیدا کر دیا پهلی بار سوله (١٦) سال کی عمر مین نواب مصطفی خان شیفته کے گھر مشاعرے مین شرکت کی

اسکے بعد داغ کو مشاعرون مین شرکت کا حوصلہ ملا ـ ظہیر دہلوی ، مومن ، ذوق ، غالب ، اور شیفتہ جیسے مشاہیر روزگار کے بعد عمر کے لحاظ سے مختلف نوجوان شاعرون کی درجہ بندی کرتے ہوئے تیسرے درجے کے نوجوانون کی عادات اور شعری صفات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہین :-

"ان بزرگون کیبعد چند نوجوان، نوخیز ، نوعمر ، شوخ طبع ، با مذاق ، جدت پسند ، نازک خیال ہمعصر تھے کہ زمانہ حال کے موافق اگر غور کیا جائے تو ہر ایک یگانہ روزگار تھا" (٤)

ظہیر دہلوی کے مطابق نواب مرزا داغ مذکورہ صفات کے حامل نوجوانون کی فہرست مین اول نمبر پر تھے ـ ۱۸۵۷ کے ہنگامے مین دہلی سے نکل کر رامپور پہنچے اور وہین پر ۱۹۰۵ مین وفات پائی ـ

دہلی کی تباہی کا انکی طبعیت پر بہت اثر ہوا ـ جسکے نتیجے مین انکے شہر آشوب مشہور ہین ـ جن مین انکا غم دل کی اتھاہ گہرائیون سے ابھرتا ہے ـ کیونکہ دلی کی تباہی ایک پر شکوہ تہذیب کی تباہی تھی ـ ایک شاندار اور پر وقار اسلوب حیات تھا جو چھن گیا تھا ـ

شہر آشوب ، کے علاوہ انھون نے ایک مثنوی " فریاد داغ " لکھی اور گلزار داغ آفتاب داغ ، مہتاب داغ اور یادگار داغ کے نام سے غزل کی شاعری کے چار ضخیم دیوان یادگار چھوڑے ـ شاعری کا یہ اثاثہ اس بات کی علامت ہے کہ داغ ایک پرگو اور زود گو شاعر تھے ـ

یہ تھا وہ ماحول جس مین فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کی شخصیت اور فن پروان چڑھے ـ قلعہ معلی کا نشاط انگیز زمانہ جس نے داغ کی شاعری کو حسن و عشق کے طربیہ آہنگ سے مزین کر دیا ـ داغ نہ تو صوفی شاعر ہین ـ نہ فلسفیانہ انداز فکر رکھتے ہین اور نہ ہی حیات کی الجھی ہوئی گتھیون کو نفسیاتی باریک بینی سے سلجھانے کی کوشش کرتے ہین ـ یہ الگ بات کہ داغ کے یہاں زمانے کی روش کے پیش نظر کہین کہین صوفیانہ اشعار بھی دیکھنے کو ملتے ہین اور فلسفیانہ سوچ بھی از خود وارد ہوتی ملتی ہے ـ

داغ کے مذکورہ تمام تر شعری تناظر مین اقبال کی شاعری سے انکا موازنہ کرنا یا دونون کے یہان فکری روابط تلاش کرنا سرا سر غیر فطری عمل ہوگا ۔ داغ کی جولا نگاہ فکر مین حسن وعشق کے ہزار پہلو مین جس کا تعلق مٹی سے بہت گہرا ہے جبکہ اقبال کا تصور حسن وعشق ہزار پہلوؤن کے باوجود مٹی کو تجلی زار بنانے کی کوشش مین تمام تر کائناتی اور مادی حدود کو توڑتا نظر آتا ہے ۔

دراصل داغ اور اقبال کی مطابقت اس بات مین ہے کہ داغ بہر حال اقبال کے ہمعصر ہیں ۔ فاصلہ اتنا ہے کہ ایک عمر کی سیڑھیون پر چڑھ رہا ہے اور دوسرا اترائی کے سفر پر مائل ہے اقبال حیات کے علمی خزانون سے اپنے دامن کو مالا مال کرنے کی غرض سے ۱۹۰۵ مین لندن سدھارتے ہین اور داغ اہلیان ہند کو داغ مفارقت دے جاتے ہین ۔

اقبال نے جس زمانے مین شعور کی منزلون مین قدم رکھا وہ داغ کا زمانہ تھا ۔ داغ کا کا طوطی پورے ہندوستان مین بول رہا تھا ۔ اور نظام دکھن کی استادی کے سبب انکی شہرت اور بھی دوچند ہوگئی تھی ۔ داغ فصیح الملک تھا ۔ ملک کے طول وعرض مین شاگردان داغ کی موجودگی اسکی مسلمہ عظمت کا منہ بولتا ثبوت تھا ۔ جن کے اشعار کی خط وکتابت کے ذریعے اصلاح کیجاتی تھی ۔ خط وکتابت کی اس ترسیل کے لئے داغ نے باقاعدہ عملہ رکھا ہوا تھا ۔ ایسے مین کون کافر تھا جو داغ کا شاگرد کہلانا یا داغ کی شاگردی قبول کرنا پسند نہ کرتا ۔ اقبال ذہنی ارتقا کی جس منزل سے گزر رہے تھے ۔ اس مین داغ کے فکر و فن سے کسب فیض کرنا اور بھی ضروری تھا ۔ سلیم اختر داغ کی لسانی و شعری عظمت اور بیپناہ شہرت کی یون بیان کرتے ہین ۔

" داغ ــــــــــــ اپنی مخصوص شوخی اندازاشعار الفاظ کی تراش ، محاورہ گوئی اور زبان مین سند کی بناء پر غالباً اپنے عہد کے سب سے زیادہ مقبول غزل گو سمجھے جا سکتے ہین " (۵)

مصنف اسی مضمون مین آگے چل کر لکھتا ہے :

فلسفہ اور تصوف سے نا آشنا عنفوان شباب مین ایک نوجوان طالبعلم کے گرم خون کیلئے داغ کی بارہ مصالحون کی چاٹ ایسی غزل ــــــــــ کہین زیادہ باعث تحریک بن سکتی تھی (۶)

اس تحریک کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے داغ سے مراسلت شروع کی اور اصلاح کی غرض سے چند غزلیں بھیجیں مگر :

" جناب داغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دور افتادہ ضلع کا یہ طالبعلم کوئی معمولی غزل گو نہیں ۔ انھوں نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے " (۷)

اس پس منظر میں جب ہم اقبال کی شاگردی داغ کی ابتداء کا زمانی جائزہ لیتے ہیں ۔ تو پتہ چلتا ہے کہ داغ کے رنگ میں غزلیں کہنے کا آغاز ۱۸۹۳ سے ہو چکا تھا ۔

" نومبر ۱۸۹۳ ، اور فروری ۱۸۹٤ وہ زمانہ ہے جب علامہ اقبال سیالکوٹ میں ایف ۔ اے کی کلاس میں سال اول اور سال دوم کے طالبعلم تھے " (۸)

ان ادوار میں داغ کے رنگ میں دو غزلیں علی الترتیب رسالہ زبان دہلی " کے شمارہ نومبر ۱۸۹۳ اور فروری ۱۸۹٤ میں شائع ہوئیں اور بعد میں یہی غزلیں رسالہ " آجکل " کے ۱۵ جولائی ۱۹٤٤ کے شمار میں بھی شائع ہوئیں ۔ غزلوں کا ایک ایک شعر ملاحظہ ہو :

جب دعا بھر اثر مانگی تو یہ پایا جواب
غیر رو کر لے گئے حصہ تیری فریاد کا (۹)

نومبر ۱۸۹۳

ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت کے سوا
خود وہ اٹھ کر مجھے محفل سے اٹھا دیتے ہیں (۱۰)

فروری ۱۹٤٤

بقول رسالہ " آجکل "

ان غزلوں کے شروع میں تلمیذ بلبل ہند حضرت داغ دہلوی ، کے الفاظ بھی ہیں جن سے واضح ہے کہ اقبال اس زمانے میں داغ کی شاگردی اختیار کر چکے تھے " (۱۱)

یہ تھا سلسلہ تلمذ جس نے اقبال کے دل مین داغ کیلئے قدرتی طور پر ایک عقیدت و محبت کا احساس پیدا کر دیا تھا اور اقبال وقت کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کو نکھارنے ، سنوارنے ،اور اہل زبان کے قاعدون کا خیال رکھنے پر خصوصی توجہ دینے لگے تھے ۔ غالب کیبعد یہ داغ کی زباندانی ہی کا فیض سخن تھا جس نے فنی و لسانی اعتبار سے اقبال کو اقبال بنانے مین اہم کردار ادا کیا ۔ بقول شیخ عبد القادر :

"اقبال کو اردو زباندانی کیلئے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوگئی جو اپنے وقت مین زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل مین یکتا سمجھا جاتا تھا " (۱۲)

اقبال نے داغ کی زباندانی کی خوبیون سے بنظر توجہ استفادہ کیا ۔ اقبال اعتراف کرتے ہین :

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ نازان نہین اس پر
مجھے بھی فخر ہے شاگردی داغ سخندان کا (۱۳)

رسالہ "شور محشر" مین انکی اس غزل پر انکا نام اسطرح درج ہے

" جناب شیخ محمد اقبال صاحب اقبال تلمیذ فصیح الملک حضرت داغ دہلوی " (۱٤)

ایک اور جگہ مقطع ہی مین لکھتے ہین :

گرم ہم پر کبھی ہوتا ہے جو وہ بت اقبال
حضرت داغ کے اشعار سنا دیتے ہین (۱۵)

اقبال کے یہان ۱۹۰۵ سے پہلے کی غزلین داغ کے رنگ و آہنگ مین ہین وہی عشق کی بیقراریان اور حسن کی شوخیان ہین جو اقبال نے داغ سے مستعار لی ہین ۔ مستعار اس لئے کہ اقبال کے یہان یہ رنگ تا دیر قائم نہین رہا اسکی غزلون مین داغ کی تقلید کے ساتھ ساتھ اپنی منفرد اور معروف فکر کے سوتے پھوٹتے ہوئے بھی نظر آتے ہین

یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۸۹۵ مین طالبعلمی کے زمانے مین حکیم امین الدین کے مکان پر پہلے مشاعرے مین شرکت کی " ۔ (۱٦)

اور پھر ۱۸۹۵ سے ۱۸۹۹ تک اقبال مختلف ادبی انجمنون مین اپنا نمایان مقام بناتے دکھائی دیتے ھین ۔ شعر و ادب کے اس دور پر داغ کی گہری چھاپ ھے بحیثیت طفل مکتب داغ دھلوی جیسا شاعر اقبال کو نیلگون آسمان نظر آتا ھے جسے وہ چھو لینا چاھتے ھین آسمان کو چھونے کی یہی وہ خواھش ھے کہ اقبال احسن مارہروی کو اپنے ۸ فروری ۱۸۹۹ کے مراسلے مین لکھتے ھین :

"دونون رسالے پہنچے ۔ سبحان اللہ نواب صاحب (داغ) کی غزل کیا مزیکی ھے ۔ اگر آپ کے پاس استاذی حضرت مرزا داغ کی تصویر ھو تو ارسال فرمائیے گا " (۱۷)

اقبال نے داغ کے رنگ مین کئی ایک غزلین کہین جن مین سے کچھ بانگ درا مین شامل ھین بقیہ وہ غزلین جو اقبال نے شعوری طور پر شامل نہین کی تھین ، باقیات اقبال مین ملتی ھین چند ایک مثالین ملاحظہ ھون :

نہ آتے ھمین اس مین تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ھوئے عار کیا تھی
تمہارے پیامی نے سب راز کھولے
خطا اس مین بندے کی سرکار کیا تھی (۱۸)

اس غزل کا خاص طور پر یہ شعر تو زبان و بیان کے اعتبار سے خالصتاً داغ کے رنگ مین ھے :

بھری بزم مین اپنے عاشق کو تاڑا
تیری آنکھ مستی مین سرشار کیا تھی (۱۹)

بزم ،عاشق ، آنکھ ،مستی اور تاڑنا ،رعائت لفظی کا یہ انداز بے اختیار داغ کی یاد دلاتا ھے ۔

ایک اور غزل کے چند شعر ملاحظہ ھون :

جان دیکر تمہین جینے کی دعا دیتے ھین
پھر بھی کہتے ھو کہ عاشق ھمین کیا دیتے ھین
بد گمانی کی بھی کچھ حد ھے کہ ھم قاصد سے
قسمین سو لیتے ھین جب ایک پتہ دیتے ھین (۲۰)

ایک اور غزل دیکھئے :

کہتے ھین ھنس کے جائیے ھم سے نہ بولئے
قربان جاؤن طرز بیان ملال کے
بگڑے حنا نہ شوخی رفتار سے کھین
چلتے نہین وہ اپنا دوپٹہ سنبھال کے (۲۱)

اور یہ کہ

محبت مین دل مضطر جبھی کچھ لطف اٹھاتا ھے
کہ ھو معشوق ظالم بھی ، جفا جو بھی ستم گر بھی (۲۲)

اس غزل کو بھی ملاحظہ کیجیے اگرچہ لب ولہجہ داغ کا سا ھے ۔ مگر معنوی حیثیت مین اقبال اپنا راستہ بدلتے ہوئے نظر آتے ھین :

ستم ھو کہ ھو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاھتا ھون
یہ جنت مبارک رھے زاھدون کو
کہ مین آپ کا سامنا چاھتا ھون (۲۳)

دراصل اقبال کے خون مین عشق حقیقی کی جو لہرین روز اول سے موجزن کردی گئی تھین اسکی پہلی علامت تو بزبان شعر اس وقت ظاھر ھوگئی تھی جب انھون نے ۱۸۹۵ مین حکیم امین الدین کے مکان پر پہلے مشاعرہ مین شرکت کی تھی اور یہ نادر روزگار شعر پڑھا تھا :

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے (۲٤)

ایسے مین داغ کے رنگ کا دور تک ساتھ دینا اقبال فکر کیلئے مشکل تھا ۔ اب ذرا ایک نظر داغ کے رنگ سخن پر بھی ڈالتے ھین جسکے بارے مین اقبال کی ناقدانہ رائے یہ ھے :

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز مین
آنکھ طائر کی نشیمن پر رھی پرواز مین (۲۵)

گویا اقبال کہنا یہ چاہتے ھین کہ داغ کے یہان فکر و خیال اور حسن بیان مین گہری ہم آھنگی تھی ۔ خیال و فکر کے بیان مین وہ اسالیب حسن زبان سے کبھی بھی صرف نظر نہین کرتے ۔ یہی وہ بڑائی ہے جس پر داغ بڑے فخریہ انداز مین کہتے ھین :

اردو ھے جسکا نام ھمین جانتے ھین داغ
سارے جہان مین دھوم ھماری زبان کی ھے (۲٦)

اور اقبال زباندانی کے معاملے مین اپنے انکسار اور داغ کی بڑائی کو یون تسلیم کرتے ھین :

تجھ کو اقبال ان سے کیا نسبت
دلی والے زبان والے ھین (۲۷)

اگرچہ اقبال کا یہ انکسار کچھ زیادہ قابل قبول نہین ھے کہ اس نے انھی اساتذہ سخن کے اسلوب بیان سے کچھ ایسا فیض اٹھایا کہ آج بھی قرینہ زباندانی مین اقبال کا کوئی حریف نہین ھے ۔

اھل مغرب کی حاکمانہ قرابت نے برصغیر کے ماحول اور مزاج مین بڑی تیزی سے انقلاب برپا کیا ۔ ایک مشترکہ حریف کی موجودگی مین ھنگامی بنیادون پر پورے برصغیر کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے کے انتہائی قریب آ گئی تھی ۔ اور مغربی تہذیب و معاشرت کے زیر اثر ایک نئی اور ھمہ گیر زبان وجود لے رھی تھی ۔ علی گڑھ تحریک نے بھی اپنے وسیع تر لسانی اور فکری مقاصد کے پیش نظر ارادی اور غیر ارادی طور پر دھلویت اور لکھنویت کے پرانے مستند سانچون کو کمزور کیا ۔ اگرچہ اقبال حالی کو دھلی کا نمائندہ بتاتے ھوئے کہتے ھین :

اٹھ گئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگار بزم دھلی ایک حالی رہ گیا (۲۸)

لیکن حقیقت یہ ھے کہ حالی کی تحریرین بتاتی ھین کہ وہ لسانی سانچون کے استعمال کے اعتبار سے دھلویت کے نہین بلکہ علی گڑھ تحریک کے نمائندے ھین تاھم دھلی سے انھین اتنی نسبت ضرور تھی کہ وہ غالب اور شیفتہ کے شاگرد اور داغ کے ھمعصر تھے ۔

ایسے مین جب لسانی سانچے تیزی سے بدل رھے ھون تو اقبال سے کسی دھلویت یا لکھنویت کی توقع کرنا ھی عبث ھے اس نے تو اپنی زبان کو ان قیود سے نکال کر پورے برصغیر کی

زبان بنا دیا ــ اقبال کی زبان مین فارسیت کا جو رچاؤ ھے وہ انکے بعد اس حلاوت کے ساتھ کسی شاعر کے یہان دیکھنے کو نہین ملتا ــ تاھم داغ کی عظمت اس بات مین ھے کہ وہ ھر لحاظ سے دھلویت کے آخری نمائندہ شاعر تھے :

" اگرچہ وہ بہت زندہ دل ، بہت شگفتہ طبع ، بہت بذلہ سنج اور شوخ طبیعت کے آدمی تھے ــ مگر ان کے ایوان شخصیت کے سب سے بڑے ستون ان کی زندگی بخش شاعری ، ان کی دھلی ھوئی اور بے تکلف ٹکسالی زبان اور اس ٹکسالی زبان مین انکا تغزل یا معاملہ بندی یہی تین چیزین ھین جو انکی عظمت و شہرت کیلئے پر پرواز ثابت ھوئین " (۲۹)

ڈاکٹر سید عبد اللہ انکی شاعری پر یون تبصرہ کرتے ھین :

" اردو شاعری مین نواب مرزا داغ دھلوی کا بڑا امتیاز وہ زندہ دلی اور خوش دلی ھے جو انکی مخصوص معاملہ بندی اور مردانہ لہجے کیساتھ مل کر ایک طرز خاص بن گئی ھے ــ " (۳۰)

انکی شوخی اور بذلہ سنجی سے مزین معاملہ بندی کا صرف ایک شعر ملاحظہ ھو :

تمہین انصاف سے اے حضرت ناصح کہدو
لطف اِن باتون مین آتا ھے کہ اُن باتون مین (۳۱)

نہ بتانے مین سب کچھ بتا دینا اور چھوٹے چھوٹے لفظون مین بڑی سے بڑی بات ادا کر دینا داغ کی زباندانی کا کمال ھے ــ اس شعر مین اِن اور اُن کا اشارہ عجب لطف دیتا ھے ــ سید نور الحسن تذکرہ " طور قدیم " مین داغ کی شوخی اور زباندانی کو یون خراج تحسین پیش کرتے ھین ــ :

" شوخی کہ در کلام اوست بندہ ندانم کہ امروز دیگرے مرا دادہ باشد و زبانے کہ اوراتجشیدہ اند فی زماننا ھیچ کس را میسر نیست " (۳۲)

داغ کی شوخی زباندانی اور شعری عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب داغ کا یہ مشہور شعر

رُخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

"مرزا غالب کو کسی نے سنایا تو وجد میں آ گئے ۔
شطرنج کی بازی چھوڑ کر دیر تک کیفیت کے عالم میں
رہے اور پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے ۔" (۳۳)

اقبال نے بھی داغ کی اس شوخی و شوخ چشمی کو سراہا ہے کہتے ہیں :

اب وہ کہاں بانکپن ، وہ شوخی طرز بیان
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں (۳۴)

جیسا کہ نفسیات دان کہتے ہیں کہ فنکار کا کلام اسکے طرز احساس ، طرز حیات اور طرز فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ داغ کا کلام اس قول کی صحیح ترجمانی کرتا ہے ۔ انکی زندگی کا بیشتر حصہ نشاط انگیز تھا ۔ نشاطیہ کیفیات انکے شعری تجربات میں شامل تھیں اور انھی تجربات کو انھوں نے زندہ دلانہ طرز احساس کیساتھ بیان کر دیا ہے دراصل داغ رجائی طرز احساس کے شاعر ہیں ۔ قنوطیت سے انہیں مفر ہے انکا نظریہ ہے کہ :

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے
جان بھی نکلے تو میری جان ہنستے بولتے (۳۵)

داغ کی تمام تر شاعری اس نظریہ نشاط کی آئینہ دار ہے ۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں :

بجا اے حضرت واعظ کہاں دنیا کہاں جنت
نرالی آن ، بانکی وضع ، جب نکلی یہیں نکلی (۳۶)

اس خرابات سے وہ اہل خرابات گئے
جام بھر کے مئے گلفام کے دینے والے (۳۷)

جب ہو نہ اعتبار تو کہنے سے فائدہ
اللہ جانتا ہے جو اس دل کا حال ہے (۳۸)

الٰہی وہ نکلے تو ہیں سیر کو
چلے آئیں مجھ تک ٹہلتے ہوئے (۳۹)

ان اشعار مین بیان کی شوخی ،احساس کی زندہ دلی ،اور نشاطیہ تجربات کی دلپزیر کیفیات کیساتھ زبان و بیان کا سلیقہ بھی قابل داد ہے۔ دھلویت کی سادگی و پرکاری اور اثر آفرینی ہے جو بیان کے قرینے سے صاف چھلکتی ہے ۔

اس شوخی اور بانکپن کے ساتھ ساتھ داغ کے یہان ڈرامائی انداز بھی ملتا ہے جو انکے شعری حسن کو اور بھی بڑھا دیتا ہے مثلا

تم کو ہے وصـــل غیـــر سے انکار
اور جـــو ہم نے آ کے دیکھ لیـــا (٤٠)

سن سن کے میری شوخی تقریر یـون کہا
توبہ ہے یہ زبان دھن مین رھیگی کیا (٤١)

ایسے انگنت اشعار آپکو مل جائین گے ۔ جو انکی زباندانی اور مکالماتی و ڈرامائی اسلوب کی دلیل ہے ۔ تاثیر مرحوم نے داغ کا یہ وصف خاص دریافت کیا تھا ۔ انکے الفاظ مین :

وہ کبھی کبھی یون بات کرتا ہے کہ شعر مین ڈرامے کے کم و بیش سارے عناصر موجود معلوم ھوتے ھین ۔ واقعات کا پھیلاؤ ان کا چڑھاؤ، کش مکش ،نقطہ نظـر مسئلے کا حل ،واقعات کا سمٹنا اور انجام سبھی کچھ داغ کے اشعار مین پایا جاتا ہے (٤٢)

داغ کی ایک خوبی انکے مطلع کے دونون مصرعون کی ہم آہنگی ہے سید عابد علی عـابد کے مطابق :

" ذوق کیبعد یہ کمال فن داغ کے یہان ملتا ہے " (٤٣)

عابد علی عابد اچھے مطلع کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ انتہائی رائے قائم کرتے ھین :

" جو مطلع اچھا کہہ لے ، مین سمجھتا ھون کہ اسے غزل گوئی کی معـــراج حاصل ھو گئی (٤٤)

داغ کو زبان کی نزاکتون اور اسکی باریکیون کا شعور تھا وہ اردو زبان کی شناخت کا ایک اصول یہ بتاتے ھین :

" کہتے ہین اسے زبـــــان اردو
جس مین نہ ہو رنگ فارســــــی کا (٤٥)

فارسی کا رنگ نہ ہونے سے مراد یہ نہین ہے کہ فارسی کے الفاظ و تراکیب سے اجتناب کیا جائے ۔ کیونکہ ایسا تو خود داغ نے بھی نہین کیا ۔ داغ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اردو مین فارسی زبان کے ناگزیر الفاظ یعنی ایسے الفاظ جو اُسکی ساخت کا حصہ بن گئے ضرور استعمال کیے جائین مگر اسطرح کہ زبان کا " اُردو پن " متاثر نہ ہو دوسرے الفاظ مین یہ کہ فارسیت کا غلبہ نہ ہو ۔ عابد علی عابد کے الفـاظ مین :

" جسے اردو پن کہتے ہین ، وہ یہ ہے کہ اردو
کا انفرادی مزاج صاف ظاہر ہو " (٤٦)

بہر حال لسانی اور فنی اعتبار سے داغ نہ صرف اپنے دور کا بڑا نام ہے بلکہ آنے والے زمانون مین بھی اسکی مقبولیت مسلمہ ہے ۔ اور رہیگی ۔ جوش ملسیانی داغ کی عظمت کو یون بیان کرتے ہین :

" غدر سے سات آٹھ سال پہلے جس نوجوان شاعر کی گرمی کلام کا چرچا دلی مین گھر گھر ہونے لگا اور جس نے بعض غیرفانی اشعار کی مقامی شعراء اساتذہ اور خود بادشاہ ظفر نے وجدانی کیفیت مین آکر داد دی وہ داغ دہلوی تھے ۔ جو آگے چلکر خان بہادر بلبل ہندوستان ناظم یار جنگ امیر الدولہ فصیح الملک استاد حضور بندگان عالی آصف جاہ نظام دکن کے القاب سے ملقب ہوئے اور جنھون نے اپنی گران مایہ شاعری ، حسن اخلاق اور وسیع المشرب ہونے کی وجہ سے اتنی قدر و عـــــزت پائی کہ اردو نظم کی تاریخ مین اسکی مثال نہین ملتی (٤٧)

اقبال اگرچہ داغ کی عظمت شعر کے معترف ہین اور انکی شاگردی پر انھین فخر و ناز بھی ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنے مقاصد فکر کے اعتبار سے داغ سے یکسر مختلف مزاج رکھتے ہین ادب مین مقصدیت کے قائل تھے اور گم کردہ راہ مسلمانون کا زبوں حالی معاشرہ ان کے سامنے تھا اگرچہ داغ بھی اسی دور سے متعلق تھے مگر انھون نے اپنے غم کو دلی کی بربادی تک محدود

رکھا اور شہر آشوب لکھ کر اپنا دل ہلکا کر لیا مگر مقصد کو شعر مین داخل نہین ہونے دیا یقینا انکی افتاد طبع کا تقاضا وہ نہین تھا جو اقبال کی افتاد طبع کا تھا ـ اقبال فطرت سے دل درد مند لیکر آئے تھے ـ جسکی تربیت خالص اسلامی ، صوفیانہ اور درویشانہ ماحول مین ہوئی تھی ایسا ماحول جس مین علوم عربی و فارسی کی چاشنی سے حلاوت بھر دی گئی تھی ـ اسلئے ابتدائے فکر و فن ہی مین اقبال کو اس بات کا شدید احساس ہو گیا تھا کہ موضوعاتی اعتبار سے داغ کی تقلید نا ممکن تھی ـ انکے سامنے ایک اور راستہ بھی تھا اصلاح ملت کا راستہ وہ فن سے سرسید ، شبلی ، حالی اور اکبر کی طرح تعمیر ملت کا کام لینا چاہتے تھے ـ انکا عقیدہ تھا کہ :

" آرٹ یعنی ادبیات یا شاعری یا مصوری یا موسیقی یا معماری ــــــــ ان مین سے ہر ایک زندگی کا معاون اور خدمتگار ہے ــــــــ
ــــــــ شاعر قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی ــــــــ ملک کے شعراء پر لازم ہے کہ وہ نوجوان قوم کے سچے راہنما بنین " (۴۸)

کابل مین کی گئی اس تقریر مین آگے چل کر اقبال کہتے ہین :

" جو چیز حقیقتاً قوم کی زندگی کیساتھ تعلق رکھتی ہے وہ تخیئل ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے ـ وہ بلند نظریات ہین جن کو وہ اپنی قوم مین پیدا کرنا چاہتا ہے قومین شعراء کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہین (۴۹)

گویا اقبال نے جلد ہی عشقیہ شاعری کا موڑ کاٹا اور قومی و ملی انسانی و آفاقی شاعری کی لا متناہی شاہراہ پر چل پڑے ـ

شعری نظریات کے اس تمام تر فرق اور فاصلے کے باوجود داغ کی جو عظمت اقبال کے دل مین جاگزین ہو گئی تھی ـ وہ تاحیات دل سے نہ نکل سکی ایسے مین داغ کی وفات اقبال کیلئے بہت بڑا المیہ تھی ـ یہ المیہ " مرثیہ داغ " کی صورت مین سامنے آتا ہے ـ بانگ درا مین " داغ " کے عنوان سے یہ مرثیہ اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال کی ناقدانہ

صلاحیتون نے اپنے استاد کو کتنا منفرد اور بیمثال سمجھا ، جسکی موت محض ایک شخص کی موت نہین تھی بلکہ ایک مکمل تہذیب اور بھرپور لسانی شعور کی موت تھی ۔

چل بسا داغ ، آہ میت اس کی زیب دوش ھے
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ھے (۵۰)

اقبال تأسف سے کہتے ھین کہ اس دنیا میں بیشک ایسے سینکڑوں شاعر آئیں گے جو فن کی باریکیوں اور فکر کی نکتہ آفرینیوں کے جوھر دکھائیں گے ۔ زور تخیئل سے نئی نئی دنیاوں کو تخلیق کریں گے ۔ کچھ بلبل شیراز صفت ھوں گے ۔ کچھ شاعری کی دنیا کے آزر کہلائین گے ۔ نئی فکر ، نئی سوچ ، نئے لسانی سانچے ھونگے اور یہ کہ :

لکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت
ھوں گی اے خواب جوانی تیری تعبیریں بہت (۵۱)

لیکن شاعر کو یہ مسلمہ پریشانی لا حق ھے :

ھو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون (۵۲)

اور پھر خاک دلی کو مخاطب کرتے ھوئے داغ کے فراق مین اقبال کے یہ گلوگیر اور رقت انگیز اشعار بھی دیکھئے :

اشک کے دانے زمین شعر مین بوتا ھون مین
تو بھی رو اے خاک دلی داغ کو روتا ھون مین
اے جہان آباد اے سرمایہ بزم سخن
ھوگیا پھر آج پامال خزان تیرا چمن
وہ گل رنگین تیرا رخصت مثال بو ھوا
آہ خالی داغ سے کاشانہ اردو ھوا (۵۳)

داغ ۱۴ فروری ۱۹۰۵ کو اپنی شوخی و شوخ سامانی کی تمام شمعین بجھا کر رخصت ھو گئے ۔ تو اقبال نے اپنے استاد کے انتقال پر ملال پر فی البدیھہ جو تاریخ وفات نکالی وہ یون تھی :

" نـــواب مـــرزا داغ " (٥٤)
۱۳۲۲ ھ

آخر مین داغ اور اقبال کے بارے مین سلیم اختر کی اس رائے پر ھم اپنی بات ختم کرتے ھین :

"یہ ایک دلچسپ "ادبی ظن" ھے کہ اگر اقبال
نے صرف داغ ھی کے رنگ مین غزلین کہی ھوتین
تو بندش کی چستی ، الفاظ کی ترتیب اور
محاورہ گوئی سے معاملہ بندی مین کمال ھی پیدا
نہ ھوتا بلکہ اپنی جسمانی صحت ، کشمیری وجاھت
پنجابی خون اور حسن پرست طبعیت کی بناء پر
وہ یقیناً داغ سے بڑھ کر بڑا داغ ثابت ھوتا " (٥٥)

تاھم اقبال کے فکر و فن کی آفاقیت اس بات مین ھے کہ اس نے ان تمام دینی ، جسمانی اور جذباتی خصائص کے باوجود شاعرِ اسلام ، حکیمُ الامت اور شاعرِ مشرق بننا پسنـــد کیا ۔ اور تاریخ شعـــر وادب مین ایک مفکر کی حیثیت سے جلوہ گر ھوا ۔

****

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱-	سید عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	۳۹۵	آئینہ ادب	۱۹۶۶
۲-	مرزا نثار علی شہرت	آئینہ داغ	۸۶		
۳-	" "	" "	۸۸		
٤-	ظہیر دہلوی	داستان غدر	۷	طبع اول	
٥-	سلیم اختر	غزل میں نئی جہت اور اقبال (مضمون)	۱۸۷	ماہ نو۔ اقبال نمبر	ستمبر ۱۹۷۷
٦-	" "	" "	۱۸۸	" " "	" "
۷-	شیخ عبد القادر	دیباچہ کلیات اقبال اردو	۳۷	اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد	۱۹۹۰
۸-	داکتر محمد عبد اللہ جغتائی	اقبال کی صحبت میں / شعر گوئی کا آغاز اور داغ کا تلمذ (مضمون)	۸۹ / ٥	مجلس ترقی ادب لاہور	
۹-	سید عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	۳۸٤		
۱۰-	" "	" "	۳۸۱		
۱۱-	داکتر محمد عبد اللہ جغتائی	اقبال کی صحبت میں	۱٦		
۱۲-	شیخ عبد القادر	دیباچہ کلیات اقبال اردو	۳۷		
۱۳-	سید عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	۳۸٦		
۱٤-	داکتر محمد عبد اللہ معینی	اقبال کی صحبت میں	۱۹		
۱٥-	سید عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	۳۸۰		
۱٦-	محمد حنیف شاہد	نذر اقبال	۳		
۱۷-	شیخ عطاء اللہ مرتب	اقبال نامہ حصہ اول	۳	شیخ محمد اشرف	۱۹٤٥
۱۸-	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	۱۲٤		
۱۹-	"	" "	۱۲٤		

حـــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٢٠ـ	سید عبدالواحد معینی	باقیات اقبال	٣٨٠		
٢١ـ	" "	" "	٣٩٠		
٢٢ـ	" "	" "	٣٩٥		
٢٣ـ	اقبال	کلیات اقبال	١٣١		
٢٤ـ	غلام رسول مہر	سرود رفتہ	١٤٦		
٢٥ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	١١٦		
٢٦ـ	داغ دہلوی	آفتاب اقبال	٢٧٨		
٢٧ـ	سید عبدالواحد معینی	باقیات اقبال	٣٩٦		
٢٨ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	١١٧		
٢٩ـ	سید عابد علی عابد	اقبال	١١٩		
٣٠ـ	داکٹر سید عبد اللہ	ولی سے اقبال تک	٣٢٧		
٣١ـ	مرزا داغ دہلوی	آفتاب داغ	١٨٧		
٣٢ـ	سید نور الحسن / داکٹر سید عبد اللہ	تذکرہ طور قدیم بحوالہ ولی سے اقبال تک ـ	٣٢٧		
٣٣ـ	جوش ملیسانی	مضمون ـ داغ دہلوی	٧٠٩	نقوش شخصیات نمبر ٢ لاہور	اکتوبر ١٩٥٦
٣٤ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	١١٦		
٣٥ـ	مرزا داغ دہلوی	آفتاب داغ	٢٤٩		
٣٦ـ	" "	مہتاب داغ	٣٦٨	مجلس ترقی ادب لاہور	١٩٦٢
٣٧ـ	" "	" "	٣٧٣	"	"
٣٨ـ	" "	" "	٣٨٥	"	"

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۳۹ـ	مرزا داغ دہلوی	مہتاب داغ	۴۲۸	مجلس ترقی ادب اردو لاہور	۱۹۶۲
۴۰ـ	" "	" "	۳۲	" "	" "
۴۱ـ	" "	" "	۱۰	" "	" "
۴۲ـ	" "	" "	۹۵	" "	" "
۴۳ـ	" "	" "	۱۲۶	" "	" "
۴۴ـ	" "	" "	۱۲۵	" "	" "
۴۵ـ	داغ دہلوی	آفتاب داغ	۸۲		
۴۶ـ	" "	مہتاب داغ	۱۲۷		
۴۷ـ	جوش ملیسانی	مضمون ـ داغ دہلوی	۷۰۹	نقوش ـ شخصیات نمبر ۲	۱۹۵۶
۴۸ـ	سید عبد الواحد	مقالات اقبال	۲۵۹	آئینہ ادب لاہور	۱۹۸۸
۴۹ـ	" "	" "	۲۶۰	" "	" "
۵۰ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو ـ (بانگ درا)	۱۱۶		
۵۱ـ	"	" "	۱۱۶		
۵۲ـ	"	" "	۱۱۷		
۵۳ـ	"	" "	۱۱۷		
۵۴ـ	محمد عبداللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظر مین	۳۰	مجلس ترقی ادب لاہور ـ	۱۹۷۷
۵۵ـ	سلیم اختر	غزل مین نئی جہت اور اقبال (مضمون)	۱۸۸		

ظہیـــر دہلوی

پیدائش : ۱۸۳۵
وفـات : ۱۹۱۱

نواب مرزا داغ کی طرح ظہیر دہلوی بھی استاد ذوق کے قابل قدر شاگردون مین سے تھے ـ اصل نام سید ظہیرالدین تھا اسی نسبت سے ظہیر تخلص کیا ـ آپکے والد کا نام سید جلال الدین حیدر اور خطاب صلاح الدولہ مرصع رقم تھا ـ اسی سبب سے بہادر شاہ ظفـــر کے استاد تھے ـ قابل قدر شاعر تھے اور شاہ نصیر کو اپنا استاد مانتے تھےـ شاہی دربار مین اپنےوالد کے مقام و مرتبے کی وجہ سے ظہیر بھی کم عمری ہی مین شاہی ملازمت مین آ گئے ـ اور راقم الدولہ خطاب پایا ـ بچپن ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا ـ چنانچہ چودہ برس کی عمر مین استاد ذوق کی شاگردی مین آگئے ـ ذوق کی وفات کے بعد کیونکہ مرزا غالب بہادر شاہ ظفـــر کے استاد مقرر ہوئے چنانچہ ظہیر نے مرزا غالب سے اصلاح شعر لینا شروع کردی ـ اپنے شوق شاعری کے بارےمین ظہیر اپنی تصنیف "داستان غـدر" مین لکھتے ہین :

"مین جس زمانے مین بہار دانش و زلیخا پڑھتا تھا ـــــ ـــــــــــ میان نبی بخش صاحب نےایک شعر کسی استاد کا پڑھا ـ مرے والد نے فرمایا کہ کیا عمدہ و لا جواب مطلع ہے سبحان اللہ وہ شعر یہ تھا

ہم سے پھری چشم یار دیکھئے کب تک رہے
گردش لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

مطلع کا کلمہ سن کر میرےکان کھڑےہوئے ـــــــــــ والد مـاجـد نے مجھے مطلع اور مقطـع کے معنی سمجھائےـــــــــــــــــ ـــــــــــــــــ مین نے فی البدیہہ ایک مطلع اور ایک شعر اسی وزن پر موزون کر کے پڑھا تو والد بزرگوار اور نبی بخش صاحب نہایت خوش ہوئے نبی بخش صاحب نےمجھے پیار کیا اور کہا تو لا کلام شاعر ہوگا وہ مطلع اور شعر یہ ہین :

صحبت اغیار و یار دیکھئے کب تک رھے
مجھ سے یہ دار و مدار دیکھئے کب تک رھے
غیر سے دل تیرا یار صاف ھے آئینہ وار
میری طرف سے غبار دیکھئے کب تک رھے (١)

اس تعریف نے خود ظہیر کے کہنے کے مطابق انکے حق مین بارود مین شنابہ اور سونے پر سہاگہ کا کام کیا ۔ فارسی شعراء کے من دیکھئے ۔ دیوان ناسخ اور آتش کو پڑھا واسوخت اور مثنویون پر نگاہ کی اسی زمانے مین شاہ نصیر کے گھر پر جو مشاعرہ ھوا اس مین بڑے بڑے شعراء کی موجودگی مین پہلی بار شرکت کی اور یون ذوق شعر گوئی کی آب و تاب دوبالا ھونے لگی ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بادشاہ لال قلعے تک محدود ھوگئی تھی اور بالاخر غدارون کی دیدہ دلیری ، اپنون کی بے حسی اور بادشاہ کی بے بسی نے انگریزون کے تخت دھلی کی طرف بڑھتے ھوئے قدمون کو حوصلہ بخشا اور بالاخر ١٨٥٧ کو جنگ آزادی کا سانحہ وجود مین آ گیا ۔ ظہیر دھلوی کو اس ھنگامے کے سبب دھلی سے نکلنا پڑا ۔ چنانچہ آپ جھجر سونی پت اور نجیب آباد سے ھوتے ھوئے بریلی پہنچے ۔ مگر دھلی سے نکل کر انھین در بدر کی خاک چھاننا پڑی مستقل طور پر کوئی ٹھکانہ نہ مل سکا ۔ حسرت موھانی کی زبان مین :

وان سے نکل کے پھر نہ فراغت ھوئی نصیب
آسودگی کی جان تیری انجمن مین تھی (٢)

اسی دوران بلند شہر مین جلوہ طور ، اخبار کی ادارت بھی سنبھالی ۔ ریاست جے پور مین سپرینٹنڈنٹ پولیس کے عہدے پر بھی کام کیا ۔ مہاراجہ رام سنگھ کے بلائے پر الور مین بھی کچھ عرصہ گزارا ۔ اور آخری عمر مین مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کی حکومت سے وابستہ ھوگئے ۔ یہ وھی سرکشن پرشاد ھین جن سے اقبال کے انتہائی دوستانہ ، رازدارانہ قلبی و روحانی مراسم تھے ۔ اور باقاعدہ خط وکتابت تھی ۔ شاد و اقبال کی اسی محبت اور باھمی مراسلت کا ثبوت " خطوط شاد و اقبال " ھین ۔ کیونکہ ظہیر کو بھی شاد کی قرابت حاصل تھی اس لئے اقبال کے دل مین فن شعر کے علاوہ اس واسطے سے بھی ظہیر دھلوی کیلئے ایک لگاو اور محبت پیدا ھوگئی تھی اور پھر یہ کہ ظہیر اقبال کے زمانے کے بزرگ شاعرون مین شمار ھوتے تھے ۔ اسلئے اس محبت مین عقیدت و احترام کا رنگ بھی شامل ھوگیا تھا ۔

ظہیر دہلوی نے بے وطنی اور مسافرت کی اذیتون کی " داستان غدر " مین تفصیل سے لکھا ھے ـ جس کے بارے مین اقبال کی رائے ھے :

" ظہیر کے سوانح دلچسپ ھین ـ خصوصا غدر
کے ایام کے واقعات ، جو انھون نے لکھے ھین ـ
تاریخی اھمیت رکھنے کے علاوہ عبرت ناک ھین " (۳)

یہان کتاب کے نام " داستان غدر " پر ایک اعتراض پیدا ھوتا ھے ـ وہ یہ کہ جیسا کہ تاریخ گواہ ھے ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کو " غدر " کا نام انگریزون نے دیا تھا اس سیاسی مغالطے کی بناء پر کہ برصغیر کے لوگون نے انکا ساتھ نہ دیکر ان سے غداری کی تھی ـ جبکہ برصغیر کے لوگ اسے اپنی بقا و سلامتی کی جنگ سمجھتے تھے ـ اور علی الاعلان جنگ آزادی کا نام دیتے تھے ـ اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ھے کہ ھم نے انگریز کے خلاف بہر رنگ اسلامی سلطنت کی بقا کی جنگ لڑی تھی ـ ایسے مین ظہیر دہلوی کا اپنی تصنیف کا نام " داستان غدر " رکھنا قابل غور بات ھے خاص طور پر یون بھی کہ ان کا اور انکے والد گرامی کا بہادر شاہ ظفر اور اسکے درباریون سے براہ راست رابطہ تھا ـ شاید اقبال نے جو مسلمانون کی آزادی اور عروج کا دل سے خواھان تھا کتاب کے نام پر کچھ زیادہ غور نہین کیا یا پھر مصلحتا اعتراض نہین کیا ـ

داغ کی طرح ظہیر ایک پرگو شاعر تھے ـ آپکے چار دیوان چھپ چکے ھین ـ پہلا دیوان "گلستان سخن ، آگرہ مین چھپا تھا ـ دوسرا اور تیسرا دیوان قاضی عبد الکریم نے ابن مطبع کریمی بمبئی سے چھاپے اور چوتھا دیوان بقول حسرت موھانی جس مین :

" تین سو غزلون کے علاوہ قصائد اور مسدس بھی
شامل ھین انکے نواسے کے پاس ھے " (٤)

بقول اقبال :

" انکے قصائد کا دیوان بھی عمدہ ھے " (۵)

اگرچہ شعری عظمت و شہرت مین ظہیر ، داغ کے مقام کو تو نہ پہنچ سکے مگر یہ درست ھے کہ اپنے دور کے مشہور شاعر تھے ـ ظہیر کے معاملے مین یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ھے کہ :

گو که ذوق کے شاگرد تھے مگر کلام مین مومن خان کا رنگ
زیادہ پایا جاتا ھے ۔ جسکا اعتراف بعض غزلون کے مقطعون
مین خود انھون نےکیا ھے مثلا :

طرز مومن سے نہ اگاہ تھا جبتک که ظہیر
سچ تو یہ ھے کہ کبھی رنگ غزل نے نہ دیا

کیا نباھی طرز مومن اے ظہیر
طاق ھین لا ریب اپنے فن مین ھم (٦)

نجم الدین ثاقب جو پہلوان سخن کے لقب سے مشہور ھین ۔ انکے شاگرد تھے ۔ اگرچہ مولانا ظہیر علوم ظاھری و باطنی پر دسترس رکھتے تھے ۔ مگر فن شعر مین بھی انکا شمار اپنے دور کے اساتذہ مین ھوتا ھے ۔ اقبال انکے شاعرانہ مقام سے متعارف تھے اور دل سے قدر و منزلت کرتے تھے ۔ ظہیر کے ضعف ناتوائی کے زمانہ مین اقبال کی ان سے اس وقت ملاقات ھوئی جب اقبال حیدرآباد دکن کے سفر پر تھے ۔ اور دکن کے با کمالون سے شرف ملاقات حاصل کر رھے تھے ۔ وھان دوسرے حضرات کے علاوہ مولانا ظہیر سے بھی ملاقات ھوئی اقبال اس ملاقات کے بارے مین لکھتے ھین :

مولانا نے مجھ سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی مگر سنانے سے زیادہ مجھے خود یہ شوق تھا کہ مولانا کی زبان سے کوئی شعر سنون ۔ مین نے عرض کیا کہ حضرت ، جب تک مین پہلے آپکی زبان سے شعر نہ سن لونگا اپنا شعر ھرگز نہ سناؤن گا ۔ مولانا نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور یہ شعر سنایا : (٧)

وہ جھوٹا عشق ھے جس مین فغان ھو
وہ کچی آگ ھے جس مین دھوان ھو "

اقبال کے مذکورہ خط سے پہلی بات جو سامنے آتی ھے وہ یہ کہ اقبال کے دل مین ظہیر دھلوی کا کتنا احترام اور لگاؤ تھا ۔ دوسرے یہ کہ ظہیر دھلوی کےشعر سے انکے نظریہ عشق اور زبان کی پختہ کاری کا پتہ چلتا ھے ۔ وہ پردہ داری ھائے عشق کے قائل نظر آتے ھین ۔ تیر جالب دھلوی ظہیر کی زباندانی اور شعری عظمت کا اعتراف یون کرتے ھین :

" هماری زبان ، هماری قوم اور همارے ملک پر ظهیر کا
بہت احسان هے — وہ محاورہ بندی ، پر گوئی اور سادگی
مین ذوق تھے — نازک خیالی مین مومن تھے — اور مشکل
گوئی مین غالب " (۸)

ظهیر دهلوی کے چند مشہور شعر ملاحظہ هون :

چاهت کا جب مزہ هے کہ وہ بھی هون بیقرار
دونون طرف هو آگ برابر لگی هوئی (۹)

کچھ تو هوتے هی هین الفت مین جنون کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے هین (۱۰)

خدا ملتا هے ڈھونڈے سے اگر انسان جویا هو
مگر هان آدمی کو آدمی مشکل سے ملتا هے (۱۱)

یہ وهی خیال هے جسے غالب نے یون ادا کیا تھا کہ

آدمی کو بھی میسر نہین انسان هونا (۱۲)

ایک دو شعر اور ملاحظہ هون :

حسب خواهش گر خدا دیتا تو انسان حریص
حشر تک هر شے یونهی نوبت بہ نوبت مانگتا (۱۳)

جس قدر ثروت بڑھی اتنی بڑھی حرص و هوا
خوب تھا انسان اگر صبر و قناعت مانگتا

ظهیر کے قصائد بھی زبان و بیان اور بلندی خیال کے اعتبار سے کافی اهمیت رکھتے هین —

ظهیر نے کیونکہ اساتذہ کے کلام سے بھرپور استفادہ کیا تھا یہی وجہ ہے کہ انکے یہان میر سے لیکر غالب و ذوق اور مومن تک کے اوصاف موجود هین — ظهیر کی اسی شعری بڑائی کے پیش نظر اقبال ظهیر مرحوم کے سوانح اور قصائد کی طبع و اشاعت کیلئے مہاراجہ سرکشن پرشاد کی مالی معاونت پر شکریہ ادا کرتے نظر آتے هین —

ظہیر کا انتقال ۱۹ مارچ ۱۹۱۱ کو حیدرآباد دکن مین ہوا ۔ ظہیر کی شہرت ، عظمت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سےلگایا جا سکتا ہےکہ جب وفات کے دس دن بعد یعنی ۲۹ مارچ کو انکے انتقال کی خبر لاہور پہنچی تو لاہور کےادبی حلقون مین دکھ کی ایک شدید لہر دوڑگئی چنانچہ :

" فصیح الملک بہادر نواب مرزا داغ دہلوی کےاستاد بھائی ہونے کی بناء پر داغ کے تمام شاگرد انہین اپنےاستاد کی طرح واجب التعظیم جانتےتھے۔ اسلئے جناب وجاہت جھنجھانوی ــــــــــ مولوی ظفرعلی خان ــــــــــ میر بشارت علی جالب دہلوی ــــــــــ منشی محمد فوق ــــــــــ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ــــــــــ اور پنڈت راج نرائن ارمان دہلوی (شاگردان داغ) نےباہم مشورہ کرکے فیصلہ کیا کہ ایک ماتمی جلسہ منعقد کیا جائے " (۱٤)

چنانچہ جلسے کا انعقاد عمل مین لایا گیا اور شاگردان داغ نے مولانا ظہیر دہلوی کو نظم و نثر کی زبان مین انکی عظمت کو سراہتے ہوئےزبردست خراج عقیـــدت پیش کیا ۔

" حضرت علامہ نے جلسے مین بیٹھے بیٹھے " زبدہ عالم ظہیر دہلوی " سے مولانا کی تاریخ وفات نکالی " (۱۵)

اگرچہ اس بات کا سراغ تو نہین ملتاکہ اقبال پر ظہیر کی شاعری کے اثرات ہین ۔ سراغ ملنا بھی نہین چاہئے اسلئے کہ ظہیر داغ دہلوی کے ہمعصر ہین اور اس وقت تک غزل کا رزار عشق کےمخصوص راستون پر ہی رواں دواں تھی ۔ حالی اگرچہ جدید اردو شاعری کی بنیاد ڈال چکے تھےلیکن کہنہ مشق شاعرون کیلئےحالی کا راستہ مشکل بھی تھا اور حسن تغزل کے خلاف بھی جبکہ اقبال حالی کے عقیدت مند اور مقصدی اعتبار سےحالی کے مکتب فکر کےآدمی ہین ۔ بہرحال ظہیر دہلوی کےبارےمین اقبال کےخیالات و محسوسات سےیہ پتہ چلتا ہےکہ اقبال کی نگاہ مین اپنے دور کےبزرگ شاعرون کی کس حد تک قدر و منزلت تھی: اور وہ استاد کے دوست بھائی کو بھی استاد ہی کی طرح لائق تعظیم سمجھتے تھے ۔

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx
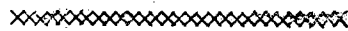
حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ـ	ظہیر دہلوی	داستان غدر	۲۱	اکادمی پنجاب لاہور	۱۹۵۵ء
۲ـ	حسرت موہانی	کلیات حسرت	۲۷۸		
۳ـ	اقبال	خط بنام کشن پرشاد	۱۰۱	صحیفہ سہ ماہی لاہور اقبال نمبرـ حصہ اول	
٤ـ	رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	۲۳۵	علمی کتب خانہ لاہور	
۵ـ	اقبال	خط بنام کشن پرشاد	۱۰۱		
٦ـ	رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	۲۳۵		
۷ـ	اقبال	صدارتی خطبہ	۱٤ـ۱۵	رسالۂ اصلاح سخن لاہور جلد ٦ جون	۱۹۱۱ء
۸ـ	محمد عبد اللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظرمیں	٤٤	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۷ء
۹ـ	بحوالہ محمد عبد اللہ قریشی	" "	۵۰		
۱۰ـ	" "	" "	۵۱		
۱۱ـ	" "	" "	۵۲		
۱۲ـ	غالب	دیوان غالب	۱٦		
۱۳ـ	بحوالہ محمد عبد اللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظرمیں	۵۱		
۱٤ـ	محمد عبد اللہ قریشی	" "	٤۲		

مولانا الطاف حسین حـــالی

پیدائش : ۱۸۳۷ء
وفـات : ۱۹۱٤ء

مولانا حالی اپنی خود نوشت مین لکھتے ھین :

" میری ولادت تقریبا ۱۲۵۳ھ ، ۱۸۳۷ء میـن
به مقام پانی پت جو شاھجھان آباد سے جانب
شمال ۵۳ میل کے فاصلے پر ایک قدیم بستـــی
ھے ، واقع ھوئی "
(۱)

مولانا حالی کا سلسله نسب والد کی طرف سے حضرت ابو ایوب انصاری اور والده کی طرف سے حضرت فاطمه بنت ختم المرسلین علیه الصلواۃ والسلام تک پہنچتا ھے ـ آپکے والد کا نـام خواجه ملک علی تھا ـ جو ھرات سے ھندوستان آئے تھے ـ حسن خدمات کے صلے مین پانی پت اور اسکا ملحقه علاقـه کفالت کیلئے خواجه ملک علی کو دیدیا آپ اس پرگنے مین منصب قضاۃ پر بھی مامور رھے ـ

مولانا حالی کو ابتدائے عمر ھی سے آزمائشون کا سامنا کرنا پڑا ـ حالی کی پیدائش کے فورا بعد انکی والده ذھنی توازن کھو بیٹھین اور ۹ سال کی عمر تھی که والد اختلاج قلب کے سبب چل بسے ـ آغاز ھی مین والدین کی محبت و شفقت سے محرومی نے حالی کی طبعیت مین درد اور گداز بھر دیا تھا بعد مین جسکا اثر انکی شاعری مین بھی نظر آیا ـ

حالات کی ستم ظریفی کے باوجود حالی نے اپنے شوق علم کی تکمیل کی ھر ممکن کوشش کی ـ اگرچه انھین باقاعده تعلیم کا موقع تو نہین ملا تاھم ابتداء مین حافظ قاری ممتاز علی صاحب سے قران حفظ کیا ـ سید جعفر علی صاحب کی صحبت نے ان مین فارسی کا ذوق پیدا کیا ـ مولوی حاجی ابراھیم حسین انصاری سے عربی علوم کی تحصیل کی ـ اور عربی زبان و قواعد کی کتابین پڑھین ـ ستره برس کی عمر مین شادی کر دی گئی ـ مگر حالی کچھ عرصے بعد گھر والون سے روپوش ھو کر دھلی آ گئے ـ یہان انھون نے مشہور واعظ مولوی نوازش علی مرحوم سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابین پڑھین ـ دھلی ھی مین علوم شرقیه کی مشہور درسگاه مدرسه حسین بخش مین اکتساب علوم کیا ـ دھلی کالج مین داخله اس لئے نه لے سکے که پانی پت کے جس ماحول مین

حالی پروان چڑھے تھے ۔ وھان انگریزی تعلیم کو محض نوکری کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا ۔

قیام دھلی کے دوران حالی کا مرزا غالب کے گھر آنا جانا ھوگیا ۔ حالی کے شوق علم اور ذوق شاعری سے متاثر ھوکر غالب نے اپنے دیوان سے کچھ قصیدے حالی کو درساً پڑھائے ۔ حالی نے دھلی کے مشاعرون مین شرکت کی اور غالب سے داد بھی وصول کی ۔

جہان تک حالی کی پیشہ ورانہ مصروفیات کا تعلق ھے تو انھون نے ضلع حصار مین کلکٹری سے ملازمت کی ابتداء کی مگر ۱۸۵۷ کے بعد دوبارہ دھلی آ گئے اور آٹھ سال تک نواب مصطفی خان شیفتہ کے بچون کی اتالیقی کرتے رھے ۔ شیفتہ اور غالب کی صحبتون نے حالی کے شعری وادبی ذوق کو نکھار بخشا ۔ ۱۸۷۰ مین حالی لاھور پہنچے ان دنون میجر فلر ڈائریکٹر تھے مولانا حالی پنجاب بک ڈپو کی ملازمت کے ساتھ ساتھ میجر فلر کے کہنے پر سر رشتہ تعلیمات پنجاب کے ماھنامہ " اتالیق پنجاب " کے نائب مدیر رھے ۔ ۱۸۷۵ مین اینگلو عربیک سکول دھلی مین عربی کی مدرسی قبول کی اور ۱۸۹۲ مین ملازمت ترک کر دی ۔ ۱۸۹۲ مین سرسید کی قیادت مین محمڈن کالج علی گڑھ کے ٹرسٹیون کا جو وفد حیدر آباد گیا تھا ۔ حالی اس مین شریک تھے ۔

۱۹۰٤ مین مولانا کی علمی وادبی خدمات کی قدر کرتے ھوئے حکومت نے انھین شمس العلماء کا خطاب دیا ۔ ۱۹۰۵ مین نظام حیدر آباد کے جشن چہل سالہ کی روئیداد مرتب کرنے کیلئے دکن گئے ۔ ۱۹۰۵ مین ھی پانی پت مین وکٹوریہ پبلک لائبریری قائم کی ۔ ۱۹۰۷ مین آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کیلئے کراچی گئے ۔ اور ۷۷ (ستتھر) سال کی عمر مین پانی پت مین ۱۹۱٤ مین انتقال کیا ۔

مذکورہ حالات زندگی کے پس منظر مین جب ھم مولانا حالی کی شخصیت کا جائزہ لیتے ھین ۔ تو پتہ چلتا ھے ۔ کہ اس قابل فخر ادیب ، شاعر ، سوانح نگار اور نقاد کی شخصی تعمیر مین بیرونی عوامل سے زیادہ خود اس کے ذوق علم پرستی کا عمل دخل رھا ھے ۔ مذھب کی محبت بچپن ھی سے اسکے رگ و ریشے مین سمائی ھوئی تھی ۔ شعری وادبی ذوق کو غالب اور شیفتہ کی صحبتون نے جلا بخشی اور پنجاب بک ڈپو کی ملازمت نے مترجم کی حیثیت سے انھین انگریزی زبان اور اسکے فکر و فلسفے سے کسی حد تک با خبر کیا ۔ مقدمہ شعر و شاعری مین انگریزی فکر سے باخبری کے یہ اثرات واضح طور پر نظر آتے ھین ۔ پھر سر سید کی ھمراھی نے حالی کی فکر کو ایک زیادہ کشادہ ھمہ گیر اور موثر شاھراہ پر گامزن کر دیا ۔ نتیجۃ حیات جاوید ، یادگار غالب اور حیات سعدی

جیسی قابل قدر سوانح عمریان ادبی منظر پر نمایان ہوئین ۔ حالات کے مذکورہ پس منظر سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے ۔ کہ حالی کو عام روش سے ہٹ کر چلنا زیادہ پسند تھا ۔ مرنجان مرنج طبعیت رکھنے کے باوجود انکے یہان روایت کی یکسانیت سے بغاوت کے انداز نمایان طور پر نظر آتے ہین یقیناً فکر کا یہ رنگ انھون نے غالب سے بھی اخذ کیا ہے ۔ اردو شاعری کو جدید طرز فکر سے روشناس کرانا حالی کا کارنامہ ہے جسکے سبب انھین جدید اردو شاعری کا بانی کہا جاتا ہے ۔ حالی نے یہ کہہ کر کہ " شہر مین کھولی ہے حالی نے دکان سب سے الگ " شعر و ادب کو فکر کے ان راستون پر ڈالدیا جہان سے اقبال کا سفر شروع ہوتا ہے ۔

زمانی اعتبار سے حالی کا تعلق اس دور پر آشوب سے ہے جب ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی لڑی جا چکی تھی ۔ مغلیہ شان و شوکت انگریزی اقتدار کے زیر عتاب آ چکی تھی ۔ دارالخلافہ دھلی غیر ملکی سامراج کی آماجگاہ بن چکا تھا اور ایشیا کے گندمی رنگ کے درمیان یورپ کی سفید فامی دندناتی ہوئی پھر رہی تھی ۔ برصغیر کے لوگ شدت غم اور خوف ابتلاء و آزمائش کےسبب سکتے کے عالم مین تھے ۔ ایسے مین سرسید تن تنہا بزعم خود برصغیر کے مسلمانون کی چارہ گری مین مصروف عمل نظر آتے تھے ۔ سرسید کا اخلاص عمل رنگ لایا اور" لوگ ساتھ آتے گئے ۔ اور کاروان بنتا گیا " کے مصداق قوم کا درد رکھنے والے صاحب بصیرت لوگ سرسید کے ہمنوا بنتے گئے ۔ یون بیک وقت شعر و ادب اور علمی سیاست کی دنیا مین سرسید تحریک اپنے بھر پور جوش و جذبے اور قوت عمل کے ساتھ منظر پر ابھری ۔ حالی اسی سر سید تحریک کے ایک اہم رکن تھے ۔ اور سرسید کے ہمدم خاص بھی ۔

حالی کو سمجھنے کیلئے سرسید تحریک سے باخبری نہایت ضروری ہے کیونکہ حالی کی مزاج سازی اور تعمیر فکر مین سرسید تحریک کا بہت زیادہ عمل دخل ہے ۔ سرسید تحریک خالصتا تعلیمی اصلاحی تحریک تھی ۔ جسکا بنیادی مقصد برصغیر کے مسلمانون مین تعلیم کو عام کرنا ، انکی ذھنی و روحانی اصلاح کرنا اور انکو دور غلامی سے نکالنے اور اپنے پیرون پر کھڑے ہونے مین مدد دینا تھا ۔ مولانا حالی نے دیگر ہمنواؤن کیساتھ مل کر سرسید کے اس مقصد کی تکمیل مین نمایان کردار ادا کیا ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوؤن کے انتہائی متعصبانہ رویوُن کے پیش نظر سر سید اس حقیقت کا ادراک حاصل کر چکے تھے کہ ہمین برصغیر کےتمام لوگون کیلئے نہین بلکہ خالصتا مسلمانون کیلئے کام کرنا ہو گا ۔ سر سید کی اسی سوچ نے ہندوستان مین دو قومی نظرئیے کی بنیاد ڈالی اور

اپنے عمائدین ادب و سیاست کیساتھ اپنی تمام تر متنازعہ شخصیت کےباوجود ملت اسلامیة کی تشکیل نو
مین مصروف ھو گئے ۔ اقبال سرسیـد کی اس عظمت فکر کا یون اعتراف کرتے ھین :

" سرسید احمد خان کا اثر بحثیت مجموعی ھندوستان
تک محدود رھا ۔ غالبا یه عصر جدید کے پہلے مسلمـان
تھے جنھون نے آنے والے دور کی جھلک دیکھ لی تھی
سر سید احمد خان کی حقیقی عظمت اس واقع پر مبنی
ھے کہ یہ پہلے ھندوستانی مسلمان ھین جنھون نے اسلام
کو جدید رنگ مین پیش کرنے کی سعی کی اور سرگرم عمـل
ھوئے ۔" (۲)

اردو ادب کے عناصر خمسه اسی دور اور اسی سرسید تحریک کی یادگار ھین حالی اس
تحریک کے زیر اثر اور اپنے مزاج کی دین پرستی کے سبب اپنے فکر و خیال سے اصلاح قوم اور اصلاح شعر
و ادب کرتے نظر آتے ھین "" مد و جذر اسلام ""جو شاعری کی دنیا مین " مسدس حالی " کے نام
سے شہرت رکھتی ھے ۔ حالی کی دین اسلام سے بے پناہ عقیدت ، درد ملت ، خلوص دل اور
سوز و گداز کا پتہ دیتی ھے ۔ مولوی عبد الحق نے ٹھیک ھی کہا ھے ۔ کہ

" مولانا کی سیرت مین دو ممتاز خصوصیتین تھین ایک
سادگی اور دوسری درد دل اور یہی شان ان کے کلام
مین ھے ۔ ان کی سیرت اور انکا کلام ــــــــــــ
ــــــــــ ایک دوسرے کا عکس ھین "۔ (۳)

عبـد الحق مولانا حالی کی ملّی خدمات کا اعتراف کرتے ھوئے آگے چل کر لکھتے ھین کہ :

" انھون نے تنہا خاموشی سے وہ کام کیا جو انجمنین ،
ادارے بلکه حکومتین بھی انجام نہین دے سکتیـن" (٤)

کیونکه اقبال بھی اپنی فطرت کے اعتبار سے حالی جیسی صفات رکھتے تھے ۔ اسی لئے انھین
حالی سے خاص روحانی قرابت ھو گئی تھی ۔ حقیقت یہ ھے کہ اقبال کی فکری بنیادین استوار کرنے
مین اختلافی امور سے قطع نظر بالعموم سرسید تحریک اور بالخصوص حالی کا بہت بڑا حصه ھے

سر سید تحریک کے نتیجے مین اقبال کو تعمیری مقاصد کے حصول اور اصلاح ملت کا پرجوش انقلاب آفرین ماحول مسیر آ چکا تھا ـ حالی کی مسدس جو اردو ادب کی شاہکار نظم ھے اور جیسے سرسید بڑے فخر سے اپنی بخشش کا ذریعہ بتاتے ھین ـ اس سلسلے کی اھم کڑی تھی ـ جس کے بارے مین مرزا جلال الدین بتاتے ھین کہ :ـ

> " ڈاکٹر صاحب التزام کیساتھ ھر دوسرے تیسرے روز
> اس سے (ٹونک کا ایک شائستہ مزاج شخص جو اقبال
> کا ملازم تھا) مسدس (حالی) سننے کی خواھش کرتے
> حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مین
> وہ بند جو
>
> وہ نبیون مین رحمت لقب پانے والا
>
> سے شروع ھوتے ھین یا جو مسدس کے آخر مین انھین
> بطور خاص مرغوب تھے ـ ان کو سنتے ھی ان کا دل بھر
> آتا اور وہ اکثر بے اختیار رو پڑتے " (٥)

انجمن حمائت اسلام کے جلسوں مین مولانا حالی سے اقبال کو شرف نیازمندی حاصل ھوا ـ اور یہ نیازمندی مسدس حالی کے روح پرور ، دلگداز اورعشق رسالت سے سرشار موثر طرز بیان کے سبب عقیدت مین ڈھل گئی ـ

اقبال کی مشہور زمانہ نظمیں " شکوہ " (١٩١١ ع) " جواب شکوہ " (١٩١٣) ع مسدس حالی کی ھیت میں لکھی گئی ھیں ـ یہ نظمین نا صرف اپنے معنی و مفاھیم اور مقاصد کے اعتبار سے مسدس کی ترقی یافتہ شکل ھین بلکہ اپنے دورس نتائج کے اعتبار سے اگر دونون نظمون کو مسدس حالی کا تتمہ کہا جائے تو غلط نہ ھوگا ـ اسلئے کہ حالی نے اپنی مسدس مین مد و جذر اسلام دکھایا ھے ـ ماضی کی روش اور تابناک تاریخ کا قصیدہ اور حال کی ذلت و زبون حالی کا مرثیہ مسدس کے موضوع خاص تھے ـ حالی نے اپنے دلگدازی اور پرتاثیر بیان سے خود رو رو کر پوری قوم کو رلایا تھا ـ حالی نے اپنے فہم رسا کے مطابق ملت کی اندوھناک بیماری کی تشخیص تو بڑے موثر پیرائے مین کی تھی مگر علاج درد نہین بتلایا تھا ـ یہ فریضہ اقبال نے اپنی نظمون مین پر جوش لب ولہجے گداز دل اور عشق و سرمستی کی لے مین سر انجام دیا ـ " شکوہ " جواب شکوہ ، کی تخلیق اقبال کی حالی

سے عقیدت اور تاثر پزیری کا منہ بولتا ثبوت ہے دونون مین فرق اتنا ہے کہ :

" حالی ہمارے حال کے شاعر تھے اور اقبال
ہمارے استقبال کے شاعر ہین " (٦)

حالی نے مسدس مین نوجوانان ملت سے خطاب کیا تھا ۔ اور اقبال بھی اپنی نظمون مین اسلام کے عظیم الشان تاریخی پس منظر مین نوجوان مسلم ہی کو بیدار کرنا چاہتے ہین ۔ پھر یہ کہ حالی اور اقبال کی ان نظمون مین موضوعاتی ربط اس حد تک ہے کہ مسدس کے آخر مین حالی نے بڑے ہی خضوع و خشوع کیساتھ نہائت رقت امیز انداز مین یہ دعا مانگی ہے کہ

اے خاصہ خاسان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس مین وہ آج غریب الغرباء ہے (۷)

اقبال بھی شکوے کے آخر مین خدا کے حضور گداز دل کے ساتھ یہ دعا مانگتے نظر آتے ہین

مشکلین امت مرحوم کی آسان کردے
مور بے مایہ کو ہمدوش سلیمان کر دے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزان کردے
ہند کے دیر نشینون کو مسلمان کردے (۸)
جوئے خون می چکد از حسرت دیرینہ ما
می تپید نالہ بہ نشتر کدۂ سینہ ما

اقبال حالی کے طرز فکر اور طرز احساس سے بہت متاثر تھے ۔ اقبال نے بڑے فخر سے اسکا اعتراف بھی کیا ہے ۔ حالی کی مرنجان مرنج شخصیت نے اقبال کی روح مین وہ اثر پیدا کر دیا تھا ۔ جس سے اقبال ساری زندگی نہ نکل سکے ۔ اس باہمی شفقت و عقیدت کا ایک رنگ دیکھئے ۔ وہ یہ کہ اقبال نے انجمن حمائت اسلام کے جلسون مین اپنی بیشتر لازوال نظمین پڑھین ۱۹۰٤ کے اجلاس مین جب اقبال نے اپنی نظم " تصویر درد " ترنم سے پڑھی تو اسکے ایک شعر سے حالی اسقدر متاثر ہوئے کہ بلا تامل دس روپیے کا نوٹ پیش کیا ۔ (اس زمانے مین دس روپے

بہت بڑی رقم تھی) اسی اجلاس کے دوسرے روز جب حالی نے اپنی نظم پڑھنا چاہی مگر پیرانہ سالی اور کمزوری آواز کے سبب سامعین تک انکی نظم نہ پہنچ سکی تو یہ سعادت عبد القادر کے اعلان کے مطابق اقبال کے حصے مین آئی ۔ اقبال نے حالی کی نظم سنانے سے قبل حالی کے حضور یہ فی البدیہہ رباعی پیش کی :

مشہور زمانے مین ہے نام حالی
معمور مے حق سے ہے جام حالی
مین کشور شعر کا نبی ہون گویا
نازل ہے میرے لب پہ کلام حالی (۹)

مذکورہ رباعی اس سوال کی وضاحت ہے کہ اقبال کو حالی سے عقیدت کیون تھی ۔

اگرچہ حیات جاوید ، یادگار غالب اور حیات سعدی لکھ کر انھون نے اردو ادب کے پہلے قابل قدر سوانح نگار ہونے کا ثبوت بھی دیا ہے ۔ ان کتابون کو لکھنے کا مقصد مسلمانون کی عظیم ،تحرک پسند ، بیلوث اور درویش منش شخصیات سے قوم کو متعارف کرنا تھا تاکہ اسلاف کے کارنامون سے ادب ، دین اور سیاست کے میدان مین اخلاف کچھ سیکھ سکین ۔ مگر مسدس حالی کے بعد جس کتاب نے شعر وادب کی دنیا مین تنقید کے دروازے کھولے اور جدید شعری رویون کو متعارف کروایا وہ " مقدمہ شعر و شاعری " ہے ۔ جو مسدس حالی کا مقدمہ ہے ۔ جسکے دلائل وبراہین اس بات کا ثبوت ہین ۔ کہ حالی انتہائی منکسرالمزاجی کے باوجود انقلاب پسند طبعیت رکھتے تھے ۔ انکی غالب پسندی کی بنیادی وجہ بھی غالب کی انقلاب پسندی ،روایت شکنی اور درویش مزاجی تھی اب اگر غالب ، حالی اور اقبال اس ترتیب ثلاثہ کا جائزہ لین تو اقبال کی غالب اور حالی پسندی سمجھ مین آ جاتی ہے ۔ ایک رند مشرب صوفی ہے ۔ دوسرا خالص اسلامی صوفی اور تیسرا شاعر مشرق اور شاعر اسلام ہونے کے باوجود رند مشرب صوفی نظر آنا زیادہ پسند کرتا ہے ۔ مزاج اور ماحول کے تمام تر اختلافات کے باوجود تینون کا اشتراک لفظ صوفی ، پر ہو جاتا ہے ۔ اور صوفی ،حق گوئی ، بیباکی ، انسان دوستی ، غیرت مندی ، انا پسندی اور اپنی ذات مین غنی ہونیکا نام ہے ۔

بہر حال حالی کو اپنے مقدمہ کی وجہ سے بیک وقت اردو تنقید اور جدید شاعری کا بانی کہا جاتا ہے ۔ انھون نے اپنا تمام زور قلم شاعری کی اصلاح پر صرف کیا ہے ۔

وہ شاعری مین سادگی ، اصلیت اور جوش کو ضروری قرار دیتے ہوئے اسکی تاثیر کو عام لوگون تک پہنچانا چاہتے ھین — اور شاعری سے اصلاح معاشرہ کا کام لینا ان کا بنیادی مقصد ھے حالی اس ضمن مین یورپ کے ایکمحقق کے خیالات کی تائید کرتےہوئے اپنا نظریہ شعر یون واضح کرتے ھین :

" ھر قوم اپنے ذھن کی جودت اور ادراک کی بلندی
کے موافق شعر سے اخلاق فاضلہ اکتساب کرسکتی ھے
قومی افتخار ، قومی عزت ، عہدوپیمان کی پابندی
بے دھڑک اپنے تمام عزم پورےکرنے، استقلال کے ساتھ
سختیون کو برداشت کرنا اور ایسے فائدون پر نگاہ نہ
کرنی جو پاک ذریعون سے حاصل نہ ھوسکین اور
اسی قسم کی تمام خصلتین جن کےھونے سے ساری قوم تمام
عالم کی نگاہ مین چمک اٹھتی ھے — جن کے نہ ھونے
سے بڑی سے بڑی قومی سلطنت دنیا کی نظرون مین ذلیل
رھتی ھے — اگر کسی قوم مین بالکل شعر ھی کی بدولت
پیدا نہین ھوجاتین تو بلا شبہ انکی بنیاد تو اس مین شعر
ھی کی بدولت پڑتی ھے " (۱۰)

گویا حالی شعر سے بیداری قوم و ملت کا کام لینا چاھتے ھین — حالی کا یہی وہ شعور بیداری ھے جس سے انھون نےاپنی مسدس مین استفادہ کیا اور یہی وہ شعور آ گہی کی منزل ھے جو اقبال کوبیحد پسند آئی اور اس نے اپنی تمام شاعری خودی اور عشق کے راستوں پر ڈال کر انائے اعلیٰ ، کی ھمہ گیری کیلئے وقف کر دی — اقبال کا فارسی کلام ھو یا اردو شاعری اقبال شاعر اسلام وانسانیت اور حکیم الامت ھی نظر آتے ھین حالی کی طرح بیداری ملت اور بقائے خودی انکا بنیادی مسئلہ ھے انکے بقول :

شاعر کی نوا ھو کہ مغنی کا نفس ھو
جس سے چمن افسردہ ھو وہ بادِ سحر کیا (۱۱)

اقبال اپنی نظم وغزل مین حالی کے فکر و خیال کی پیروی کرتے ھین — اقبال کی غزل حالی کی غزل کی طرح عشق وعاشقی اور گل وبلبل کے فسانون سے آزاد نظر آتی ھے

اس لئے کہ اقبال حالی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فکری ہم آہنگی کے سبب غزل سے بھی وہی کام لینا چاہتے تھے ـ جو انہون نے نظم سے لیا تھا ـ غزل کی اہمیت کے پیش نظر حالی کا خیال تھا کہ :

" غزل کی اصلاح تمام اصناف سخن مین سب سے
زیادہ اہم اور ضروری ہے " ـ (۱۲)

اس لئے حالی غزل مین " ہوا و ہوس ، شاہد بازی اور کام جوئی " (۱۳) کے تذکرے ، کو " کم ظرفی " اور بے حوصلگی ، سے تعبیر کرتے ہین ـ انکے نزدیک عشق و محبت کا احاطہ بہت وسیع ہے ـ اور اس مضمون مین بہت جامعیت اور آفاقیت ہے اسلئے غزل مین عشق کی اس جامعیت اور آفاقیت کو قائم رکھنا چاہیے ـ حالی کی اپنی غزلین انکے اس نظریے پر پوری اترتی ہین ـ اگرچہ ابتدائی شاعری مین انکے یہان ایسے شعر بھی مل جاتے ہین مثلا :

تھا آفت جان اسکا انداز کمان داری
ہم بچ کر کہان جاتے گر تیر خطا ہوتا (۱٤)

نہین بھولتا اسکی رخصت کا وقت وہ رو رو کے ملنا بلا ہوگیا (۱۵)

مگر حالی کی مقصدی شناخت ایسے ہی ان اشعار مین ہے

کاٹیے دن زندگی کے ان یگانون کی طرح ـ جو سدا رہتے ہین چوکس پاسبانون کیطرح (۱٦)
خوف کا کوئی نشان ظاہر نہین افعال مین ـ گو کہ دل مین متصل خوف خدا پاتے ہین ہم (۱۷)
فراغت سے دنیا مین دم بھر نہ بیٹھو ـ اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ (۱۸)

اقبال کی غزل پر حالی کا یہ نظریہ غزل خوب خوب اثر انداز ہوا ہے ـ دراصل حالی اور اقبال کا جو انداز فکر بن چکا تھا اسکا ان کی نظم و غزل مین پایا جانا فطری امر تھا ـ اور دونون کا انداز فکر وہی ملت اسلامیہ اور نوع انسانی کی اصلاح تھا ـ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی غزلیں ہو یا نظم ، رباعیان ہون یا قطعات سب کے سب اسی تعمیری فکر کے حامل ہین ـ حالی کی مقصدیت کے حوالے سے سلیم اختر لکھتے ہین کہ :

" الطاف حسین حالی اس نئے انداز نظر کے مبلغ
ہی نہ تھے ۔ بلکہ آج انہین مقصدیت کی اولین علامت
بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی نہین بلکہ حالی نے
غزل کو نئے آہنگ سے بھی روشناس کرایا اور دو متعین
محورون پر رقص کنان غزل کو پہلی مرتبہ ملی مرثیہ خوانی
اور قومی نوحہ خوانی کیلئے بھی بروئے کار لایا گیا " (١٩)

ڈاکٹر سلیم اختر آگے چل کر اقبال کی غزل پر حالی کی غزل کے اثرات کے حوالے سے لکھتے ہین
کہ ۔:

" اردو غزل کی مخصوص روایات سے فکری رشتہ منقطع
کر لینے کی بنا پر اقبال کی غزل کا صرف حالی کی غزل
کے تناظر مین مطالعہ سود مند ہو سکتا ہے۔ حالی نے
غزل سے قومی مرثیہ خوانی کا کام لیا تو اقبال نے قومی
بیداری کا یون کہا جا سکتا ہے کہ حالی نے غزل کو جہان
چھوڑا تھا اقبال نے غزل کو وہین سے شروع ہی نہ کیا
بلکہ اسی انداز کا خاتم بھی ثابت ہوا " (٢٠)

اقبال کی اردو اور فارسی دونون زبانون کی غزلین حالی کی اس مقصدی روش کو
ارتقائی راستون پر ڈالتے ہوئے سلیم اختر کے خیال کی تائید کرتی ملتی ہین ۔

حالی کی طرح اقبال بھی جانتے تھے ۔ کہ شاعر دلنواز کی بات سے مزارع زندگی ہری
ہوتی ہے۔ اور پھر یہ کہ سچا اور کھرا شاعر پیغمبر صفت ہوتا ہے اقبال کے الفاظ مین :

شان خلیل ہوتی ہے اسکے کلام سے عیان
کرتی ہے اسکی قوم جب اپنا شعار آزری (٢١)

مذکورہ مثالین بتاتی ہین کہ دونون کا نظریہ شعر خلوص و صداقت پر مشتمل تھا ۔ حالی
کے زمانے مین شاعری محض لفظون کا کھیل ہو کر رہ گئی تھی ۔ فکر کی سہل پسندی کے سبب
پرانے، فرسودہ اور روائتی خیالات ہنوز شعر کی سجاوٹ کا ذریعہ بنے ہوئے تھے ۔ بقول
حالی " چبائے ہوئے لقمون کو چبانے کا عمل جاری تھا ایسے مین حالی نے مقصدیت کے زیر اثر

شعراء کی توجه قومی مسائل و معاملات کی طرف دلائی اور بتایا که عشق کی بو الہوسی سے ہٹ کر خدا ، رسول ، قوم و ملت اور وطن کی محبت عشق کے اعلی مدارج مین آتے هین حالی کی عظمت عشق اور همه گیری عشق کے فلسفه کو شاگرد هونے کے ناطے یقیناً فکر غالب سے تحریک ملی اور اقبال نے ان دونون روایت شکن شخصیتون سے استفاده کرتے هوئے عشق کی انگنت دنیائین تراش ڈالین ـ غالب نے کہا تھا :

هر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوه اهل نظر گئی (٢٢)

اقبال نے اسی مفہوم کو یون باندها :

درعشق و هوسناکی دانی کہ تفاوت چیست
آن تیشئه فرهادے این حیله پرویزے (٢٣)

اور حالی یون گویا هوئے

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہین
هین هئے ناب کے دلال قدح خوار نہین (٢٤)

حالی کے نئے شعری مزاج کی تعمیر مین انجمن پنجاب کے مشاعراتی ماحول کا بھی بڑا حصه هے ـ یه اس وقت کی بات هے ـ جب ١٨٧٤ مین کرنل هالرائیڈ ڈائریکٹر تعلیمات پنجاب کے ایما پر مولانا حالی نے آزاد کیساتھ ملکر غزل کے طرح مصرع کی بجائے نظمیه موضوعاتی مشاعرون کی بنیاد ڈالی تھی جو هندوستان مین اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نئے تھے ـ حالی کی " برکھارت " ، " نشاط امید ، " انصاف و رحم " ، اور " حب وطن " جیسی نظمین اسی تحریک کا نتیجه هین (٢٥) ـ اقبال کے یہان بھی وه بانگ درا هو یا ارمغان حجاز موضوعاتی شاعری کا پہلو بہت نمایان هے ـ یه الگ بات هے که اقبال نے اپنی نظمون مین غزل کی روح سمودی هے ـ

اگر زبان و بیان کے اعتبار سے هم حالی اور اقبال کا جائزه لین تو دونون کے اسالیب بیان مین بڑے فاصلے نظر آئین گے ـ حالی کا لہجه دھیما اور بیان کی سادگی لئے هوئے هے ـ جو حالی کی مرنجان مرنج طبعیت کے عین مطابق هے ـ جبکه اقبال کے لہجے مین جوش و خروش اور ولوله هے جو سیل تندرو بنکر کوه و بیابان سے گزرنے کا سلیقه اور حوصله

رکھتا ھے۔ اس کی مثال حالی اور اقبال کے ایک ایک شعر سے دینا کافی ھوگی ۔ مثلا حالی کہتے ھین کہ :

باپ کا ھے جبھی پسر وارث
ھو ھنر کا بھی اسکے گر وارث (۲۶)

اقبال اسی خیال کو لہجے کی اس انانیت کیساتھ بیان کرتے ھین

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ھو
پھر پسر لائق میراث پدر کیونکر ھو (۲۷)

حالی اور اقبال کی ایک مشترکہ خصوصیت فارسی زبان مین شعرگوئی بھی ھے مگر زبان وبیان کے اعتبار سے اقبال کی فارسی گوئی کا حالی کی فارسی گوئی سے قطعاً کوئی مقابلہ نہیں ۔ دونون کے لب ولہجے اور طرز بیان جدا جدا ھین ۔ حالی کی فارسی مین شعرگوئی کی ایک مثال ملاحظہ ھو ۔ یہ ایک قطعہ ھے جو انھون نے غالب کے نام لکھا ھے

تو اے کہ رونق پیشینان ھم بشکست
ز نظم و نثر تو کاندر زمان ما گفتی
چہ نغمہ ھا کہ بہ قانون ذوق سنجیدی
چہ بذلہ ھا کہ بہ انداز دلربا گفتی (۲۸)

جبکہ اقبال کی فارسی گوئی ایرانیون کی نظر مین بقاعدہ " سبک اقبال " کا درجہ رکھتی ھے ۔ اقبال کے یہان ایسے قلندرانہ شعر پڑھنے کو بکثرت مل جاتے ھین :۔

می تراشد فکر ما ھر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر
یک نگہ ، یک خندہ و زدیدہ یک تابندہ اشک
بہر پیمان محبت نیست سوگندے دگر (۲۹)

عورت ، کا موضوع دونون شعراء کا مشترکہ موضوع ھے ۔ حالی نے عورت کے موضوع پر کچھ قابل ذکر نظمین لکھین ھین ۔ اور ایک عدد ناول " مجالس النساء " بھی تخلیق کیا ھے ۔ شاعری مین مناجات بیوہ ، اور " چپ کی داد " ، انکی نمایان نظمین ھین ۔ نظم " چپ کی داد "

مین حالی عورت کی عظمت ، اس کی شرافت و پاکیزگی اسکی عفت و حیا کے پاسدار نظر آتے هین ـ نظم کا آغاز هی اس شفیق ، پر محبت اور پاکیزہ انداز سے هوتا ھےکہ :

اے ماؤں ، بہنو ، بیٹیو ، دنیا کی زینت تم سے ھے
ملکون کی بستی هو تمهی ، قومون کی عزت تم سے ھے (۳۰)

" مناجات بیوہ " مین حالی نے عورت کی کس مپرسی کی داستان بیان کرتے هوئے اسے جینے کا حوصلہ دیا ھے ـ اور مستقبل کی روشن امید بندھائي ھے جبکہ " مجالس النساء " مین عورت کی تعلیم و تربیت پر خصوصی زور دیا ھے ـ

حالی عورت کو روح حیات و کائنات سمجھتے هین ـ ملکون کی بستی ، قومون کی عزت ، دین کی پاسبان اور ایمان کی نگہبان کے خطابات سے نوازتے هین ـ اس ضمن مین هندوستان کے مرد کی قدامت پسند سوچ پر اظہار تاسف کرتے هوئے کہتے هین :

جو علم مردون کیلئے سمجھا گیا آب حیات
ٹھیرا تمھارے حق مین وہ زهر هلال سربسر (۳۱)

حالی اس یقین کا بھی اظہار کرتے هین کہ ان نا انصافیون اور حق تلفیون کا حساب هندوستان کے مردون سے ضرور لیا جائیگا ـ

عورت کے موضوع پر جب هم اقبال کے خیالات پڑھتے هین تو وہ اپنے مزاج ، ماحول اور معاشرتی تقاضون کے اعتبار سے حالی سے بھی زیادہ ترقی پسندانہ انداز مین سوچتے نظر آتے هین ـ اسلئے بھی کہ اقبال کے زمانے کی عورت حالی کے زمانے کی عورت کے مقابلے مین زیادہ حوصلہ مند ، زیادہ باشعور اور زیادہ پڑھی لکھی ھے ـ اور اپنے حقوق و فرائض کی اصل نوعیت کا جائزہ لیتی هوئی نظر آتی ھے ـ اقبال کا مضمون " شریعت اسلام مین مرد اور عورت کا رتبہ " اسی حقیقت کا آئینہ دار ھے ـ جس مین " انجمن خواتین اسلام " دوشنبہ ۷ جنوری ۱۹۲۹ کو اقبال کی خدمت مین سپاسنامہ پیش کرتی ھے ـ اور اقبال اسکے جواب مین تقریر کرتے هوئے عورت کے مقام و مرتبے اور عظمت کا یون اعتراف کرتے هین ـ

" کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک
اس قوم کی عورتین هی کر سکتی هین " (۳۲)

حالی کی طرح اقبال بھی عورت کو " زندگی کا سرچشمہ " بتاتے ھین ۔ اور عورت کی عفت اور مشرقیت کے تمام تر حسن کےساتھ ساتھ اسکی دینی و دنیوی تعلیم کے زبردست حامی ھین ۔ اقبال کے خیال مین :

بیگانہ رھے دین سے اگر مدرسہ زن
ھے عشق و محبت کیلئے علم و ھنر موت (۳۳)

عورت سے متعلق آپ حالی کی مذکورہ تمام تخلیقات اور اقبال کی ضرب کلیم کے اوراق جن مین عورت کو موضوع بنایا گیا ھے۔ ایک ساتھ پڑھ ڈالیئے تو آپکو اس موضوع پر دونون کے فکرو خیال کی گہری ھم آھنگی کا اندازہ ھو جائیگا ۔

آخر مین ایک بات یہ کہ حالی نےکہا تھا کہ

حالی اَب آو پیروی مغربیؔ کرین
بس اقتدائے مصحفی و میر ھو چکی (۳٤)

اس شعر سے حالی کےکچھ ناقدین کےذھن مین یہ خیال پیدا ھوا کہ حالی نےمغرب پرستی یا مغربی رجحانات کو اپنانے کی بات کی ھے ۔ اگر ناقدین کے اس خیال سےاتفاق کرلیا جائے۔ تو مغرب سے متعلق حالی اوراقبال کی فکری ھم آھنگی کا معاملہ کچھ الجھ سا جاتا ھے۔ کیونکہ اقبال مغربی تہذیب کو چھوٹے نگون کی ریزہ کاری بتاتے ھوئےکہتے ھین :

فرنگ مین کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤن
مرے جنون کو سنبھالے اگر یہ ویرانہ (۳۵)

گویا اقبال کو فرنگ ایسا ویرانہ نظر آتا ھے جس مین اقبال کے بالفاظ دیگر ایک مرد مومن کےجنون عشق کو سنبھالنےکا حوصلہ نہین ھے ۔ درحقیقت حالی کی پیروی مغربی ، سے مراد مغرب پسندی نہین (کیونکہ حالی کے شخصی رجحانات اسکی نفی کرتے ھین) بلکہ مغرب کی اچھی ،قابل قدر اور قابل عمل باتون کو اپنانے کا مشورہ ھے ۔ جس مین خصوصی طور پر علمی ، تحقیقی اورادبی رجحانات اوراظہار کے نئے نئے پیرایون کو اپنانے کا شعور ھے ۔ مصحفی و میر کا ذکر اور انکی اقتداء سے گریز کا مشورہ اس بات کی دلیل ھے کہ محض لکیر کے فقیر بنے رھنا درست بات نہین بلکہ ایسا کرنے سے شعر و ادب پر فکری جمود

طاری ہو جاتا ہے ۔ اسلئے شعراء و ادباء کو چاھئے کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضون کا ساتھ دین اور فکر کے نئے نئے سوتے تلاش کرین ۔ علاوہ ازین شعری سانچون کے حوالے سے وزن کی قید سے شاعری کو آزاد کرنا بھی مراد لیا جا سکتا ہے جسکا ذکر حالی نے اپنے مقدمہ شعر و شاعری مین کیا ہے ۔ ورنہ تو فکر و عمل کے اعتبار سے حالی اور اقبال دونون ھی .... فرنگیون سے بیزار ھین فرق اتنا ھے کہ ایک نے صرف فرنگیون کو دیکھا ھے اور دوسرے نے فرنگیون کے ساتھ ساتھ فرنگستان کو بھی ، دونون کے تجربے اور مشاھدے مین جو فرق ھے ۔ وھی فرق موضوعات کی ھم آھنگی کے باوجود فکر و خیال اور اظہار و بیان مین بھی موجود ھے ۔ ورنہ تو مولوی عبد الحق کی یہ رائے دونون شعراء پر صادق آتی ھے :

" حالی نے شاعری سے جو کام لیا وہ اس سے پہلے کسی
نے نہین لیا تھا ۔ وہ جگانے کیلئے آیا تھا ۔ اس نے
سوتون کو جگایا اور غافلون کو ھوشیار کیا ۔ بھٹکے ھوؤن
کی رھنمائی کی اور افسردہ دلون مین جوش و حرکت
پیدا کی " ۔ (۳٦)

اقبال حالی کی اسی عظمت اور انقلاب پروری کا یون فراخدلانہ اظہار کرتے ھین :

آن لالہ صحرا کہ خزان دید و بفیسرد
سید دگر او رانجے از رشک سحر داد
حالی زنواھائے جگر سوز نیا سود
تالالۂ شبنم زدہ را داغ جگر داد (۳۷)

اقبال حالی کے بارے مین اظہار خیال کو اسی مقام پر بس نہین کرتے بلکہ ۲٦ اکتوبر ۱۹۳۵ مین حالی کی صد سالہ برسی کے موقع پر نواب صاحب بھوپال کی موجودگی مین انھین مخاطب کرتے ہوئے حالی کو زبردست طریقے سے یون خراج عقیدت پیش کرتے ھین کہ اس مین عقیدت ، احترام ، محبت اور روحانی لگاؤ غرض تمام رنگ شامل ھو جاتے ھین ۔ اقبال کے اشعار ملاحظہ ھون :

طواف مرقد حالی سزد ارباب معنی را
نوائے اُو بجانہا افگند شورےکہ من دانم

بیاتا فقـــر و شاهی در حضور او بهم سازم
تو به خاکش گهر افشان و من برگ گل افشانم (٣٨)

آخر مین هم اپنی بات پروفیسر آل احمد سرور کی اس رائے پرختم کرتے هین :

" اگر حالی نه هوتے تو اقبال شاید کچھ اور هوتے ـ
اقبال کے یہان ادب مین جو علمیت هے وه حالی کے
یہان سب سے پہلے نظر آتی هے " ـ (٣٩)

:=:=:=:=:=:=:=:=:

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ـ	حالی / خلیل الرحمن داودی (حواشی و مقدمه)	یادگار غالب	۱۲	مجلس ترقی ادب لاهور	
۲ـ	لطیف احمد خان شرونی	حرف اقبال	۱۳٦	علامه اقبال اوپن یونیورستی اسلام آباد	۱۹۸۹
۳ـ	داکتر مولوی عبد الحق	افکار حالی	۱۰	انجمن ترقی اردو باکستان کراچی	۱۹۷٦ء
٤ـ	"	"	٤۸		
٥ـ	داکتر ابو اللیث صدیقی	ملفوظات اقبال	۱٦۰	اقبال اکادمی باکستان لاهـور	۱۹۷۷
٦ـ	"	"	٤۹۹		
۷ـ	داکتر افتخار احمد صدیقی مرتب	کلیات نظم حالی جلد دوم	۱۷۷	مجلس ترقی ادب لاهور	
۸ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	۱۹۷	اقبال اکادمی باکستان لاهـــــور	۱۹۹۰
۹ـ		اقبال اور انجمن حمایت اسلام	۸۱		
۱۰ـ	حالی	مقدمه شعر و شاعری	۲۲	ساجد بک دبو	
۱۱ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	۲٤۰		
۱۲ـ	حالی	مقدمه شعر و شاعری	۱۱۰		
۱۳ـ	"	"	۱۱۳		
۱٤ـ	داکتر افتخار احمد صدیقی مرتب	کلیات نظم حالی جلد اول	۸٥		
۱٥ـ	خواجه الطاف حسین حالی	دیوان حالی	۷٤		
۱٦ـ	"	"	۳۳		
۱۷ـ	"	"	۱۰٦		
۱۸ـ	"	"	۱۲۲		
۱۹ـ	سلیم اختر	غزل مین نئی جهت اوراقبال	۱۸٦	ماه نور اقبال نمبر	ستمبر۱۹۷۷
۲۰ـ	"	"	۱۷۸		

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
۲۱ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	۲٤۰		
۲۲ـ	غالب	دیوان غالب	۱٦۱		
۲۳ـ	اقبال	بیام مشرق	۱٦۱	غلام علی بیلشرز	۱۹۸۳
۲٤ـ	خواجه الطاف حسین حالی	دیوان حالی	۱۱۳		
۲۵ـ	داکٹر مولوی عبدالحق	افکار حالی	۹۹		
۲٦ـ	خواجه الطاف حسین حالی	دیوان حالی	۸۰	عشرت بباشنگ هاوس لاهور	۱۹۸۷
۲۷ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو ـ بانگ درا)	۲۳۲		
۲۸ـ	داکٹر افتخار احمد صدیقی (مرتب)	کلیات نظم حالی جلد دوم	٤۱۱		
۲۹ـ	اقبال	بیام مشرق	۱٤۵		
۳۰ـ	داکٹر افتخار احمد صدیقی (مرتب)	کلیات نظم حالی جلد دوم	٤٦		
۳۱ـ	"	"	٤۸	"	"
۳۲ـ	سید عبد الواحد	مقالات اقبال	۳۱۹	آئینه ادب لاهور	۱۹۸۸
۳۳ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو ضرب کلیم ـ	٦۰۸		
۳٤ـ	خواجه الطاف حسین حالی	دیوان حالی	۱٤۰	عشرت بیلشنگ هاوس لاهور	۱۹۸۷
۳۵ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بال جبریل	۲۸۱		
۳٦ـ	داکٹر مولوی عبد الحق	افکار حالی	۸٦		
۳۷ـ	شیخ عطاء الله	اقبالنامه حصه اول	۳۷۰		
۳۸ـ	"	"	۳٦۹		
۳۹ـ	بروفیسر آل احمد سرور	تنقید کیا ھے	۲۹	مکتبه جامع لمیٹڈ کراچی	۱۹۵۵

اکبـــــــر الہ آبادی

تاریخ پیدائش: ۱۸٤٦
تاریخ وفـات : ۱۹۲۱

" ہندوستان اور بالخصوص مسلمانون مین مرحوم کی شخصیت
قریبا ہر حیثیت سے بینظیر تھی ــ اسلامی ادیبون مین تو
شاید آج تک ایسی نکتہ رس ہستی پیدا نہین ہوئی اور
مجھے یقین ہے کہ تمام ایشیا مین کسی قوم کے ادبیات کو نصیب
نہین ہوگی ــ قطرت ایسی ہستیان پیدا کرنے مین بڑی بخیل
ہے ــ زمانہ سینکڑون سال گردش کھاتا رہتا ہے جب جا کے
ایک اکبر ہاتھ آتا ہے ــ کاش اس انسان کا معنوی فیض
اس بد قسمت ملک اور اسکی بد قسمت قوم کیلئے کچھ عرصہ
اور جاری رہتا " ــ (۱)

اقبال کی ٹھوس رائے اپنے اس پیر و مرشد کیلئے ہے جسے عرف عام مین اکبر الہ آبادی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے ــ یہ رائے جہان پیر و مرشد کی عظمت فکر اور عظمت عمل کی دلیل ہے وہان مرید کی مردم شناسی اور ذہنی و فکری رجحان کا بھی پتہ دیتی ہے ــ لسان العصر اکبر الہ آبادی اقبال جنکی عقیدت کا دم بھرتے نہ تھکتے تھے ــ ۱٦ نومبر ۱۸٤٦ کو الہ آباد مین پیدا ہوئے ــ ان کے والد سید تفضل حسین عرف چھوٹے میـــان علم و فضل مین دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ صوفی بزرگ بھی تھے ــ گویا صوفیانہ اور عارفانہ مزاجی اکبر کو ورثے مین ملی تھی ــ بچپن ہی مین خانقاہ چشتیہ نظامیہ کے سجادہ نشین سید الطریقیت سید شاہ محمد قاسم ابو العلائی کی مریدی اختیار کر لی تھی ــ جسکا ذکر انکی کتاب " نذرِ محبوب " مین یون ملتا ہے ــ

" زمانہ طفولیت ہی مین برادر موصوف نے ہمارے پیرو مرشد
سید الطریقیت سید شاہ محمد قاسم داتا پوری قـــدس سرہ
سے بیعت کی تھی " ــ (۲)

برادر موصوف سے مراد اکبر ہین ــ اسکے جواب ہین اکبر لکھتے ہین :

" آپکی تحریر ورود نے عزت بخشی آپکا خیال نہایت
عمدہ ھے ۔ آپ ھی کے گھر کا فیض ھے کہ اس زمانے مین
اور اس حالت مین بھی میرے عقائد محفوظ ہین " ۔ (۳)

مذکورہ حوالہ جات سے پتہ چلتا ھے کہ اکبر کی شخصیت کی تعمیر مین کن عوامل نے حصہ لیا ۔

یہان پہنچ کر جب ھم ایک نظر اقبال پر ڈالتے ھین تو اقبال کی ذھنی و فکری تعمیر کا پس منظر بھی صوفیانہ اور عارفانہ ھی ملتا ھے ۔ اس پس منظر مین اقبال اور اکبر کی باھمی عقیدت و محبت کی وجہ آسانی سے سمجھ مین آ جاتی ھے ۔

اکبر اور اقبال کے معاملات حیات مین یکسان حسنِ اتفاقات

اقبال یون تو اپنے زمانے کی دیگر بزرگ شخصیات سے بھی محبت اور لگاو رکھتے تھے ۔ مگر اپنے خطوط مین اکبر کیلئے اقبال کا جو والہانہ پن پایا جاتا ھے ۔ وہ ان دونون کے تعلقات کی انفرادی شان کو ظاھر کرتا ھے ۔

اس ضمن مین پہلی بات ان دونوں کی ذھنی اور احساساتی قرابت کی جو سامنے آئی وہ انکا صوفیانہ و عارفانہ پس منظر تھا ۔ جو روز اول ھی سے انکی رگون مین خون کی طرح دوڑ رھا تھا ۔ تصوف کا ایسا مضبوط حصار کہ زمانے کی تمام تر جدید روش کے ساتھ چلنے کے باوجود دونوں ھی روحانی طور پر آخر دم تک اسکی بندش سے نہ نکل سکے ۔ سچ یہ ھے کہ ان دونون ھی کو اس حصار کی پائیداری پر فخر تھا ۔

دوسری بات جس سے آغاز شباب مین دونون کو سابقہ پڑا وہ انکی کم عمری کی شادی تھی دونون ھی کی پہلی پہلی بیویان عمر مین ان سے بڑی تھین ۔ دونون ھی کے اپنی پہلی بیویون سے[٤] دو دو بچے تھے (اکبر : نذیر حسین ، عابد حسین ـــ اقبال : آفتاب اقبال ، معراج بیگم) جنھون نے اپنی ماؤن کیساتھ ننھیال ھی مین وقت گزارا اور پدرانہ شفقت سے محروم رھے ۔ دونون ھی کی ایک ایک اولاد[٥] (اکبر : نذیر حسین ـــ اقبال : معراج بیگم) افکار و امراض کے باعث زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکی ۔ اکبر کی زندگی دوسری شادی کے بعد اطمینان و سکون کے راستون پر چل پڑی ۔ اقبال اپنی تیسری شادی کو (جو حقیقت مین انکی دوسری ھی شادی ھوتی اگر زمانے کی کج رفتاریان کچھ سنگین قسم کی غلط فہمیان پیدا نہ کرتین) ۔ اپنے لئے سامان سرور سمجھتے تھے ۔ بقول اقبال :۔

" فطرت کا حسن محض دیدہ عاشق ہی سے محسوس کیا جا سکتا ہے
اسی لئے سچی شادی کی بڑی اہمیت ہے " (٦)

اس اعتبار سے اکبر اور اقبال کی یہ شادیان سچی شادیان تھین جو دونون کی زندگی مین باعث تسکین روحانی ثابت ہوئین ۔ ان شادیون کے نتیجےمین دونون کی زندگی مین باعث تسکین روحانی ثابت ہوئین ۔ ان شادیون کے نتیجےمین دونون ہی کےمزید دو دو اولادین ہوئین (۷) (اکبر : عشرت حسین اور محمد ہاشم ـــ اقبال : آفتاب اقبال اور منیرہ) اور دونون ہی نےاپنےان بچون کو بڑے ناز و نعم سے پالا ۔

اکبر اور اقبال عالم طفلی اور خانگی زندگی کےمعاملات سےہٹ کر دیکھین تو دونون کے درمیان پیشہ ورانہ ہم آہنگی بھی پائی جاتی ہے۔ دونون کا تعلق عدالت اور مقدمات سے تھا ۔ اکبر وکالت سے ہوتے ہوئے سیشن جج کے عہدے تک پہنچے (۸) جبکہ اقبال نے باقاعدہ طور پر مدخولۂ گورنمنٹ بننا پسند نہ کیا ۔ اور بیرسٹر کی حیثیت سے اپنے آزادانہ فرائض سرانجام دیتے رہے ۔

یہ حقیقت ہےکہ انسانی شخصیت کی تعمیر مین اول اسکا خاندانی مزاج و ماحول ، دوم حلقہ احباب ، سوم اسکے خانگی حالات اور چہارم اسکا پیشہ نمایان کردار ادا کرتے ہین ۔ اس معاملے مین ہم دیکھتے ہین کہ اکبر اور اقبال دونون کو ایک جیسے حالات و واقعات میسر آئے ۔ اور یون ان دونون کی شخصی تعمیر مین یکسانیت اور ہم آہنگی کا پیدا ہو جانا قدرتی امر تھا ۔ دونون کےسماجی حالات مین فرق صرف اتنا تھا کہ اکبر کا دور شباب انگریز کے غلبہ کا زمانہ تھا ۔ جبکہ اقبال کے دور شباب نے انگریز کے خلاف برصغیر کے لوگون بالخصوص مسلمانون کی صف آرائی کا زمانہ دیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ افکار و اشعار کے بیان مین ، سیاسی خوف مین پروان چڑھنے اور معاشی اعتبار سے حکومت کا ملازم ہونےکےسبب اکبر کا لہجہ دبا دبا اور طنز و مزاح کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے ۔ جبکہ اقبال کی خوش قسمتی تھی کہ انھین مسلمانون کا وہ جرأت مندانہ دور میسر آیا جب ہر باشعور شخص تمام تر ستم کیشی کےباوجود انگریز کی آنکھون مین آنکھین ڈال کر بات کر رہا تھا۔ اقبال کے لہجےکا جوش و خروش ، برجستگی و بیباکی اور کھلے لفظون مین تہذیب مغرب کی تنقید و تنقیص کے پس منظر مین اسی دور کی حوصلہ افزائی کارفرما نظر آتی ہے ۔

اب هم اکبر اور اقبال کے باهمی تعلقات اور ذهنی و فکری اور شعری مماثلتون کا جائزہ لین گے تاکہ دونون کے مشترکہ مزاج کی کچھ مثالین سامنے آ سکین ۔

اکبر اور اقبال کے تعلق کی قابل قدر انفرادیت اس بات مین هے کہ دونون کے تعلق کی ابتداء قلمی دوستی سے هوئی ۔ اپنی شعری و علمی خدمات کے سبب اکبر اپنے زمانے کی معروف شخصیت تھے ۔ پھر یہ کہ سرسید کے بعض انتہائی نوعیت کے مغرب پرستانہ خیالات سے انھین مسلسل اور شدید اختلاف تھا ۔ جسکا اظہار وہ طنزیہ و مزاحیہ اشعار کی صورت مین اکثر و بیشتر کرتے رهتے تھے مثلا :

مصلح قوم هون امت کے نگہبان بنین
پہلے للہ مگر خود تو مسلمان بنین (٩)

اور علی گڑھ طلباء پر یون رائے زنی کرتے هین :

خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے هوئے هین رئیس زادے امیر زادے ، شریف زادے
دلون مین انکے هے نور ایمان قوی نہین هے مگر نگہبان
هوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ هو بجھادے (١٠)

علی گڑھ کے طلباء کے پس منظر مین سرسید هی نشانہ تنقید بنائے گئے هین ۔ اور یون اکبر کو اپنے زمانے مین سرسید کی مقابل علمی و سیاسی قوت کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل هو چکی تھی ۔ یون سرسید کی طرح اکبر بھی اپنے دور کا ایک بڑا نام هے ۔ اس دور کے اخبار و رسائل مین انھین کافی مقام حاصل تھا ۔ هر بڑے آدمی کی طرح اقبال کا بھی اُن سے غائبانہ تعارف هو جانا ایک قدرتی بات تھی ۔ مگر اس تعلق کا خوش آئند تحیر اس بات مین هے کہ محض اخبار و رسائل اور تقریر و تصویر کے توسط سے هی دونون تحریری طور پر اتنے قریب هو جاتے هین کہ دونون کے درمیان پیر و مرشد کا تعلق پیدا هو جاتا هے ۔

اکبر اور اقبال کی پہلی ملاقات جنوری ١٩١٣ مین هوئی جب اکبر کی کشش اقبال کو الہ آباد لے گئی ۔ اس پہلی ملاقات کا تاثر اکبر نے ٢٤ جنوری ١٩١٣ کے خط مین یون بیان کیا هے :

" ڈاکٹر اقبال صاحب به لحاظ جملــه حالات کے اس وقت
اس حلقے مین آیات الہی مین سے هین " (۱۱)

اس ملاقات سے قبل ۱۹۱۰ مین لکھےگئے اپنےخطبے

" A socialogical study of the Muslim Community"

مین محض تحریری بنیادون پر اقبال نےاکبر شناسی کا حق یون ادا کیا ۔

" In his light hearted humour Maulana Akbar of Allahabad aptly called the tongue of the times, conceals a keen perception of the the nature of the forces that are at present working in the Muslim Community. Do not be misled by the half serious tone of his utterances. He keeps his tears vieled in youthful laughter and will not admit you into his workshop until you come with a keener glance to examine his wares" (12)

اکبر کی شخصیت کی یہی وہ دین پرستی اور درد ملت هے جس سے اقبال بیحد متاثر نظر آتے هین ۔ اکبر کے خطوط اقبال کیلئے " قیمتی سرمایه هین جنهین وہ بار بار بڑھتے هین ۔ استفادہ کرتے هین ۔ اور غور و فکر کی نئی نئی راهین تلاش کرتے هین اور جو عالم تنہائی مین اقبال کے ندیم ثابت هوتے هین " (۱۳)

جب هم ان غائبانه اور روبرو قرابتون کی مزید وجہین تلاش کرتےهین تو پہلی بات جو سامنے آتی هے ۔ وہ یه که دونون دین اسلام کے متوالے هین ۔ عشق رسول سے سرشار هین اور دونون کے سینے ملت اسلامیه کی کج فکری اور زبون حالی پر رقت زدہ هین اور دونــون چاهتے هین که کسی طرح ملت اسلامیه کو اصلاح کا راسته سمجھا دیا جائے ۔ اور پھر یه که دونون کا انداز فکر صوفیانه اور فلسفیانه هے یه الگ بات هے کہ اقبال کے یہان یه تمام مضامیــن گہری بصیرت کے ساتھ پیرایه اظہار میں آئے هین ۔ وجه اسکی یه تھی که اقبال نے مغربی دنیا کو ڈوب کر دیکھا تھا ۔ اور اسلام کے یادگار ورثه کا بھی قریب سے مطالعه کیا تھا ۔ پھر یه که اپنے

پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالے کے سبب اقبال کو مشرق و مغرب کے ان گنت فلسفیون اور صوفیون کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ۔ اور پھر افلاطون کے فلسفہ عینیت ، ابن عربی اور حافظ شیراز کے فلسفہ خود فراموشی نے (جسے صوفیاء کی زبان مین وحدت الوجود کا معروف نام دیا جاتا ھے) اور عمل اور زمانی تقاضون کے پیش نظر اقبال کے فلسفہ خودی و عشق کو ان دونون جہانون کو مسخر کرنے اور فکر و خیال کی سینکڑون دنیائین تخلیق کرنے کی قوت عطا کر دی ۔ جبکہ اکبر کی نگاہ بصیرت ھندوستان تک محدود رھی ۔ انھون نے مغرب والون کو حاکم اور غاصب کے روپ مین دیکھا تھا ۔ اور اسی دائرے مین رہ کر دونون تہذیبون کے ٹکراو ، اسلامی تشخص کی بگڑتی ھوئی صورت اور حاکم و محکوم کی زمانی صورت حال کا جائزہ لیا تھا ۔ اسی لئے وہ تمام ملی و اسلامی موضوعات جو اکبر کے یہان جوئے مضطرب کی صورت مین نمایان تھے ۔ وہ اقبال تک پہنچ کر بحر بیکران بن جاتے ھین ۔ اور یون مرید اپنے مرشد سے آگے نکل جاتا ھے ۔

موضوعات

دونون کی شاعری مین جو موضوعات مشترک ھین ان مین مغربی تہذیب پر تنقید ، مسلمانون کی تقلیدی روش پر اظہار غم و افسوس ، واعظ کی انتہا پسند سوچ پر طنز ، جذبہ عشق کی اھمیت ، عقل کی کم مائیگی کا احساس اور عورت کی تعلیم و تربیت پر اظہار خیال جیسے بنیادی نوعیت کے موضوعات شامل ھین ۔

مغربی تہذیب اور مسلمانون کی تقلیدی روش پر اظہار افسوس

اکبر اور اقبال دونون کا یہ موضوع خاص ھے ۔ اکبر کو عام طور پر سرسید کے مغرب پرستانہ رجحانات کا رد عمل سمجھا گیا ھے ۔ از روئے نفسیات اگر سرسید کی سوچ کا جائزہ لیا جائے ۔ تو وہ ایک مغموم احساس کمتری سے جنم لیتی نظر آتی ھے ۔ سرسید علمی و تہذیبی اور دنیاوی میدان مین انگریز کو دنیا کی تمام قومون سے افضل سمجھنے لگے تھے اور مسلمانون کی ترقی کیلئے انگریز کی تقلید کو ضروری سمجھتے تھے ۔ سرسید کی اس سوچ مین انتہا پسندانہ انداز آ گیا تھا ۔ جو اکبر جیسے دیندار انسان کی فطرت پر گران گزرتا تھا ۔ اس لئے وہ قدم قدم پر سرسید اور انکے انداز فکر پر تنقید کرتے ملتے ھین ۔ حالانکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو دیگر زعمائے وقت کے علاوہ سرسید ، اکبر اور اقبال علی الترتیب تینون ھی بہ خلوص نیت مسلمانون

کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے ـ اور ایک بار انھین اعلی اوصاف و اقدار کی حامل دنیا کی عظیم ترین قوم بنانا چاہتے تھے ـ فرق یہ ھے کہ سرسید کا کام ان دونون سے زیادہ مشکل تھا فرنگی سمندر کی طغیانیون سے انھین براہ راست لڑنا پڑا تھا اس لئے بچاؤ کی تدبیرون مین انھون نے مسلمانون کے شاندار مستقبل کو تو سامنے رکھا ـ مگر دین اسلام کے بعض اھم معاملات مین غیر ارادی طور پر صرف نظر کر گئے ـ جسکے نتیجے مین برصغیر کے تعلیم یافتہ طبقے مین مغرب پرستی کے رجحانات تیزی سے پروان چڑھے ـ تہذیب و ثقافت مین مغرب کی تقلیدی روش عام ھوئی ـ دینی عقائد کمزور پڑنے لگے ـ اور مذھبی وابستگیان ڈھیلی پڑنے لگین ـ ایسے مین اکبر کی دور رس نگاہ دیکھ رھی تھی کہ اگر زندگی کے ھر شعبے مین تقلید مغرب کی یہ روش اسی تیز رفتاری سے جاری رھی تو آنے والے زمانون مین اسلامی اقدار کے حامل مسلمان ناپید ھو جائین گے ـ کیونکہ بقول اکبر :

تعلیم جو دی جاتی ھے ھمین وہ کیا ھے فقط بازاری ھے
جو عقل سکھائی جاتی ھے وہ کیا ھے فقط سرکاری ھے (١٤)

ایسی ھی تعلیم کا نتیجہ ھے کہ اب

چل بسے وہ جنھین مقدور تھا خودداری کا
نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی امید
ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جوان
شرم مشرق کے عدو شیوہ مغرب کے شدید (١٥)

اور پھر انتہائی غم و غصے کے عالم مین تہذیب مغرب سے متاثر مسلمانون سے پوچھتے ھین

مسلمانون بتاؤ تو تمھین اپنی خبر کچھ ھے
تمھارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ھے
اگر کچھ ھے تو سوچو دل مین بھی اسکا اثر کچھ ھے
حریفون کی تعلی باعث سوز جگر کچھ ھے
تمھین معلوم ھے کچھ رہ گئے ھو کیا سے کیا ھو کر
کدھر آ نکلے ھو راہ ترقی سے جدا ھو کر (١٦)

اکبر کی شاعری مین زیادہ تر ایسی ھی سوچ جلوہ گر نظر آئے گی ـ نظم " مسلمانون سے

خطاب " کا عنوان پڑھ کر فوری طور پر اقبال کی نظم " نوجوانان اسلام سے خطاب " ذھن مین آتی ھے ـ تاھم مفھوم کے اعتبار سے یہ نظم اقبال کے "جواب شکوہ " سے زیادہ قریب ھے ـ یا پھر حالی کی اس سوچ سے جو مسدس مین بھر پور طریقے سے سامنے آتی ھے ـ فرق یہ ھے کہ اکبر نے اس نظم مین مسلمانون کی روحانی ، ایمانی اور اخلاقی کمزوریون پر توجہ دلاتے ھوئے ـ مغربی تہذیب و ثقافت کی تقلید سے کنارہ کش ھونے اور اسلام کے شاندار ماضی سے رشتہ استوار رکھنے پر زور دیا ھے ـ بقول اکبر :

جب اپنی ھسٹری ھم بھول جائین گے تو کیا ھوگا
خدا را اک نظر اس سین کا کرتے تو نظارہ (١٧)

اقبال کا کینوس فکر وسیع تر ھے ـ انھون نے مغربی تہذیب کے زیر اثر روحانی ،ایمانی اور اخلاقی کمزوریون کے بیان کے ضمن مین صرف برصغیر ھی کو نہین بلکہ پورے عالم اسلام کو پیش نظر رکھا ھے ـ اور مسلمانون کی پستی کے دیگر اسباب مین مذھبی فرقہ بندیون ، تفرقہ پروریون اور نسلی حد بندیون کا بھی تذکرہ کیا ھے ـ مغرب کے حوالون سے اقبال کی تمام تر شاعری اکبری احساس کی مثبت اور ترقی یافتہ شکل ھے ـ اکبری احساس و فکر اور اندیشون کی ترجمانی اقبال کے اشعار سے بخوبی ھوتی ھے اسکی چند ایک مثالین ملاحظہ ھون :ـ

اور یہ اھل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ھے فقط دین و مروت کے خلاف (١٨)

جو تھا نا خوب بتدریج وھی خوب ھوا
کہ غلامی مین بدل جاتا ھے قومون کا مزاج (١٩)

اور یہ کہ :

فساد قلب و نظر ھے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف (٢٠)

رھے نہ روح مین پاکیزگی تو ھے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف (٢٠)

مثبت اسلئے کہ اقبال نے عمومی طور پر طنزیہ پیرایہ اختیار کرنے سے گریز کیا ھے اور ملت کو اسکے عوارض ھی نہین عوارض کی وجوھات اور علاج بھی بتایا ھے ـ تاکہ مستقبل کو روشن بنایا جا سکے ـ ترقی

یافته اس لئے که تمام ترغم و غصه اور جوش غضب کے باوجود اقبال کا لہجه اور سوچ رجائی ھے ۔
اکبر بھی اگرچه مسلمانون کےحال کی خسته سامانیون کو سامنےرکھتےھوئے انھین مستقبل کو بہتر بنانے کا مشوره دیتےھین مگر ان کےلہجے مین جوش کیساتھ غصه اور جھنجھلاھٹ بھی نمایان ھو کر سامنے آ جاتی ھے مثلا اکبر کے اشعار ملاحظه ھون :

وه باتین جن سے قومین ھو رھی ھین نامــــور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو ، صنعتین سیکھو ، ھنــر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا مین سفر سیکھـــــــو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحـــر و بر سیکھـــــو (٢١)

خدا کے واسطے اےنوجوانو ھوش میـــــــــں آؤ
دلوں مین اپنےغیرت کو جگه دو جــــــوش مین آؤ

مگر جب اقبال ملت اسلامیه اور اسکے حال و مستقبل سےمتعلق اپنی رائے دیتے ھین تو اس پر تیقــن سوچ کے باوجود که

زمانه آیا ھے بےحجابی کا عام دیدار یار ھـــوگا
سکوت تھا پرده دار جسکا وه راز اب آشکار ھوگا (٢٢)

بڑے اطمینان و سکون کیساتھ یه حوصله افزاء نوید بھی سناتے ھین :

نہین ھے نا امیــد اقبال اپنی کشت ویــران سے
ذرا نم ھو تو یه مٹی بڑی ذرخیـــــــز ھے ساقی (٢٣)

جبکه اکبر کی شاعری اول تا آخر مغربی تہذیب کے ھاتھون نه صرف مسلمانون کے حال سے بلکه ان کے مستقبل سے بھی انتہائی طور پر مایوس ھے انکی ایک نظم کے کچھ شعر ملاحظه ھون :

بالیقین آئے گا اس باغ په ایسا اک وقــت
کر چلین گی روشین نشتــرو ســـوزن پیدا
باپ کے خون سے ھوگی جو حمیــت زائل
ھونگے اطفال بھی بےغیرت و کودن پیـــــدا
کاه کی طرح سے اڑ جائین گے دینی اعمال
اختلافات کے ھو جائین کے خــرمن پیــدا (٢٤)

اکبر اور اقبال کی شاعری مین مفہوم کے اعتبار سے علی الترتیب " ایسا ہوجائیگا " اور " ایسا ہونا چاہیے " کا فرق ہے ۔ اس اعتبار سے اکبر کی شاعری پیش گوئیون کا درجہ اختیار کرلیتی ہے ۔ اور آج جب ہم چہار جانب دیکھتے ہین تو مغربی تہذیب و تعلیم و ثقافت کے حوال سے مسلمانون کی انفرادی شناخت مغربی تہذیب مین ضم ہوتی نظر آتی ہے اور یون اکبر کے تمام اندیشے بتدریج درست ہو رہے ہین ۔ جبکہ اقبال کے انقلابی اسلامی اور مومنانہ شان کے حامل خواب کی مثال ابھی تک " فردوس گم گشتہ " کی سی ہے ۔ ہنوز جسکی تلاش جاری ہے اور جو مسلمانون کی حقیقی منزل ہے ۔

ذکـــر واعـــظ

واعـظ ہمارے شعراء مین ہمیشہ ہی نشانہ تنقید بنا رہا ہے اکبر اور اقبال نے بھی اس شعری روایت کو بدستور سہارا دیا مگر محض راویت کا بھرم رکھنے کیلئے نہین بلکہ اپنے زمانے کی حقیقی واعظانہ روش کو سامنے رکھتے ہوئے واعظ ، شیخ اور فقیہہ پر نکتہ چینی کی ہے ۔ لیکن انداز نظر طرز فکر اور اسلوب بیان کا فرق بہر حال دونون کے یہان موجود ہے ۔ اکبر اپنے مخصوص مزاحیہ و طنزیہ رنگ مین واعظ پر اس طرح تنقیـد کرتے ہین :

ادھر تسبیح کی گردش مین پایا شیخ کو مین نے
برہمن کو ادھر الجھا ہوا زنّار میـــن دیکھا
مگر عشق حقیقی کا کوئی رشتہ نہ تھا دل میـــن
فقـط نفسانیت کا پیچ و خم ہر تار میـن دیکھـا (٢٥)

اکبر کو اپنے زمانے کے شیخ و برہمن دونون ہی نفس پرستی کے اسیر اور مذہب کی آڑ مین اپنی اپنی قومون کو دھوکہ دیتے ہوئے نظر آتے ہین اسی لئے اب انکا ہر وعظ بے اثر ہو کر رہ گیا ہے ۔ اکبر کو یہ کہنے مین کوئی جھجک نہین محسوس ہوتی کہ :

تمہارے وعظ مین تاثیر تو ہے حضـــرت واعـــظ
اثر لیکن نگاہ و ناز کا بھی کـــم نہیـــن ہوتا (٢٦)

رندون مین تو ہے لطف مے و ساقـــی و مطـرب
واعـظ یہ بتا تو تیـــری صحبت مین بھی کچھ ہے (٢٧)

اکبر کا یہ طنزیہ اور مزاحیہ انداز انکی صداقت فکر کا آئینہ دار ہے کلیم الدین احمد نے ٹھیک ھی کہا ھے کہ اکبر کے یہان :

" زندگی کے تقریبا ھر پہلو پر تنقید ملتی ھے اور یہ
تنقید خشک و بے رنگ نہین ھوتی ۔ اس مین طنز اور
ظرافت کی آمیزش ھوتی ھے ۔ وہ ھنستے اور ھنساتے
ھین ۔ لیکن اس ھنسنے ھنسانے کا یہ مطلب نہین کہ
اکبر مین سنجیدگی نہین ۔ یا انھین اخلاق و
تمدن کے مسائل سے گہری دلچسپی نہین ۔ وہ جو کچھ
کہتے ھین وہ ان کے دل پر گزری ھے ۔ اور وہ ھنستے
ھین تو اس لئے کہ وہ رو نہ پڑین " (۲۸)

اقبال بھی اپنے دور کا بہت بڑا مفکر اور شارح ھے اسے بھی واعظ کی ستیزہ کاریون سے شدید اختلاف رھا ھے ۔ واعظ کی تنگ نظر نظریون ، بے علیون کج فکریون اور فرقہ پرستانہ سوچ پر اقبال کو ھمیشہ ھی افسوس رھا جسکا انھون نے اپنی شاعری مین اکبر کے برعکس نہایت سنجیدگی اور گہرے ملال کیساتھ اظہار کیا ہے ۔ اقبال کی فکر رسا کے مطابق :

یہ پیران کلیسا و حرم ، اے وائے مجبوری
صلہ ان کی کد و کاوش کا ھے سینون کی بینوری (۲۹)

نہ فلسفی سے نہ ملا سے ھے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت ، وہ اندیشہ و نظر کا فساد
فقیہہ شہر کی تحقیر کیا مجال میری
مگر یہ بات کہ مین ڈھونڈتا ھون دل کی کشاد (۳۰)

حلقہ صوفی مین ذکر بے نم و بے سوز و ساز
مین بھی رھا تشنہ کام تو بھی رھا تشنہ کام (۳۱)

اس ضمن مین کبھی کبھی اقبال کے لہجے کی تلخی صداقت کی آئینہ دار بن کر یون ظاھر ھوئی ھے :

یہی شیخ حرم ھے جو چرا کر بیچ کھاتا ھے
کلیم بوذر و دلق اویسؓ و چـادر زھـــرا ؓ (٣٢)

اقبال کو واعظ کی بے عملی ،کوتاہ اندیشی اور کج فکری سے یہ شکوہ بھی ھے کہ؛

یہ نادان کر گئے سجدے مین جب وقت قیام آیا (٣٣)

آپ اکبر اور اقبال دونون کے مذکورہ اشعار ایک ساتھ پڑھتے جائیے آپکو یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ واعظ پر تنقید محض روائتی ڈھنگ پر نہین بلکہ اپنے زمانے کے گہرے سماجی اخلاقی اور تہذیبی شعور کے سبب وجود مین آئی جس پر تخیل کا ملمع نہین چڑھایا گیا بلکہ حقیقت کی پردہ دری کی گئی ھے ۔

عشـــق و خـــرد

فلسفہ عقل و خرد اقبال کے اھم موضوعات مین سے ھے ۔ معاملات و معمولات زندگی سے منطقی نتائج اخذ کرنے کے باوجود اقبال عقل کے مقابلے مین عشق کو رھبر کامل سمجھتے ھین کیونکہ کتاب عشق مین لا مرکزیت کا باب نہین ھوتا ۔ اور نا ھی چون و چراء کی گنجائش ھوتی ھے ۔ وہ تو فرسودہ قاصد سے سبک گام عمل ھو جاتا ھے جبکہ عقل کو سرے سے معنی پیغام ھی سمجھ مین نہین آتے ۔ یا پھر وہ مراحل عشق کی دقت پسندیون اور جنون خیزیون کو سمجھنا ھی نہین چاھتی ۔ کیونکہ اقبال کے نزدیک :

عقل عیار ھے سو بھیس بدل لیتی ھے
عشق بیچارہ نہ ملا ھے نہ زاھد نہ حکیم (٣٤)

عقل و خرد کے مضامین اکبر کے یہان بھی اپنے مخصوص رنگ و آھنگ مین ملتے ھین ۔ وہ بھی سفر حیات مین عقل پر مکمل بھروسہ کرنے کیلئے تیار نہین ھین ۔ کیونکہ عقل انسان کو واھمون اور وسوسون مین ڈال کر سفر حیات کو مشکل تر بنا دیتی ھے اکبر کو اپنے زمانے کے لوگون سے بھی شکایت ھے کہ وہ منطقیت کا شکار ھو کر لا مرکزیت کی بے یقینیـــون مین الجھ کر رہ گئے ھین ۔ اکبر کے الفاظ مین ::

حواس و فہم مین الجھے ہوئے ہین
برات و سہم مین الجھے ہوئے ہین
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار
سب اپنے وہم مین الجھے ہوئے ہین (۳۵)

ایک جگہ عقل کی انانیت پسندی پر یون چوٹ کرتے ہین :

غرور توڑ کے منطق کو سست کر دیگا
زمانہ آپ ہی اسکو درست کر دیگا (۳٦)

ایک جگہ لکھتے ہین،

عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسئ جنون
بزم ہستی مین مبارک نہ ہوا ہوش مجھے (۳۷)

مذکورہ اشعار سے وہی بات سامنے آ جاتی ہے جسکے اقبال قائل ہین یعنی " عقل چراغ راہ ہے منزل نہین ہے " خدا تک رسائی کے راستے مین واہمے اور وسوسے کھڑے کرتی ہے جبکہ عشق و جنون، حیات کے سفر کو با معنی بنا دیتے ہین ۔ اکبر اسلام کے دور اول کے عاشقان باعمل کی روحانی خصوصیات گنواتے ہوئے اپنے دور کے رویون کی یون تنقیص کرتے ہین :۔

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہد الست رہے
وہ طریقہ کار جہان نہ رہا ، وہ مشاغل رونق دین نہ رہے (۳۸)

اکبر کی اس غزل کو پڑھنے سے ذہن فورا اقبال کے " جواب شکوہ " اور خاص طور پر اس بند کی طرف جاتا ہے :۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے مین معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر (۳۹)

اکبر بڑے سیدھے سادے انداز مین عشق کی روح پروری کا تذکرہ یون کرتے ھین ۔

ھے عشق مین ھر لحظہ ترقی میرے دل کی
ھر داغ بڑھاتا ھے تجلی میرے دل کی "(٤٠)"

لیکن اکبر جب اپنے ماحول کی عقل پرستی ،دنیا داری ،خود غرضی ،عدم اخلاص ، مادیت پرستی اور الحاد پر نظر ڈالتے ھین تو بڑے ملال سے یہ کہتے نظر آتے ھین :۔

وہ سوز وگداز اس محفل مین باقی نہ رہا اندھیر ھوا
پروانون نے جلنا چھوڑ دیا ،شمعون نے پگھلنا چھوڑ دیا (٤١)

اقبال نے انھی احساسات کو بڑے ھی بلیغ انداز مین یون ادا کیا ھے :

بجھی عشق کی آگ اندھیر ھے
مسلمان نہین راکھ کا ڈھیر ھے (٤٢)

اقبال کے یہان عشق و خرد کا بیان ایک مکمل فلسفے کی صورت مین سامنے آیا ھے جو ازل ، انسان اور ابد کو جذب واحساس اور یقین وعمل کی کڑیون کیساتھ مربوط کرتا چلا جاتا ھے ۔ اور عشق کی ان تمام گہرائیون اور ھمہ جہتیون کے فلسفہ کا فنکارانہ بیان صرف اقبال ھی کا خاصہ ھے جسکی تقلید نا ممکن نہین تو مشکل ضرور ھے ۔ اکبر کے فلسفہ عشق و خرد مین اقبال کی سی گہرائی نہین ھے ۔ اسلئے کہ اکبر باقاعدہ طور پر فلسفی نہین تھا ۔ اور اسنے اقبال کی طرح فلسفہ کا گہرا اور بسیط مطالعہ بھی نہین کیا تھا ۔ انھون نے تو برصغیر کے ماحول مین مشرق و مغرب کی غیر دینی یا دنیادارانہ آمیزش کو ایک پختہ فکر مسلمان کی نظر سے دیکھا تھا اور اسے اپنی علمی و فکری صلاحیتون کیمطابق بیان کر دیا تھا ۔ جبکہ اقبال فطرت سے ایک صوفی کی سرشت کیساتھ ساتھ فلسفی کا مزاج بھی لیکر آئے تھے جسے انھون نے اپنے تمام افکار و نظریات مین خوب خوب نبھایا ۔

عورت :

اکبر اور اقبال دونون اس حقیقت سے باخبر ھین کہ عورت انسانی معاشرے کا بقیہ نصف دھڑ ھے جسکے بغیر تکمیل انسانیت ھو ھی نہین سکتی ۔ اس لئے دونون ھی عورت کی ذھنی ، فکری اور روحانی تعمیر کے زبردست حامی ھین ۔ اکبر عورت کی عفت و حیا

کے بارے مین بہت حساس واقع ہوئے ہین وہ عورت کو تمام تر تعلیم و تربیت کے باوجود شمع خانہ ہی کے روپ مین دیکھنا پسند کرتے ہین ۔ اسی لئے جب وہ عورت کو مغربی تہذیب کی بے پردگی کی بھینٹ چڑھتے ہوئے دیکھتے ہین تو شدید قسم کی بے بسی کیساتھ اپنے غم و غصے کا اظہار یون کرتے ہین :۔

جو منہ دکھائی کی رسمون پہ ہے مصر ابلیس
چھپین گی حضرت حوّا کی بیٹیان کب تک
جناب حضرت اکبر ہین حامی پردہ
مگر وہ کب تک اور انکی رباعیان کب تک (٤٣)

اکبر فکر کے مطابق تعلیم نسوان بہت ضروری ہے کیونکہ اس طرح خواتین مین زندگی کا شعور اور پیش آمدہ مسائل کو سلجھانے کا قرینہ آ جاتا ہے ۔ لیکن اکبر دنیاوی تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کو بنیادی اہمیت دیتے ہین ۔ اکبر جانتے ہین کہ خانگی ماحول کی تعمیر خواتین کرتی ہین ۔ اسی لئے اگر وہ دینی اقدار سے باخبر ہونگی تو دینی معاشرہ تشکیل پا سکیگا ۔ کیونکہ دینی معاشرہ کی تشکیل کا تمام تر دارو مدار خانگی ماحول کی درستی پر ہوتا ہے ۔ اسلئے اکبر کے مطابق ؛

لڑکی جو بے پڑھی ہے تو وہ بیشعور ہے
حسن معاشرت مین سراسر فتور ہے
اور اس مین والدین کا بیشک قصور ہے (٤٤)

لیکن اسکے ساتھ اکبر یہ شرط بھی لگاتے ہین کہ :

تعلیم لڑکیون کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہون وہ سبھا کی پری نہ ہون (٤٥)

اکبر اس بات پر مصر ہین کہ تعلیم اور بے پردگی کو لازم و ملزوم نہین بنانا چاہیے کہ یہ مغرب کی اختراع ہے ۔ اصول شریعت اسکی اجازت نہیں دیتے ۔ انکے خیال مین بے پردگی بنیادی نوعیت کی معاشرتی برائی ہے جسکے نتیجے مین جذباتی بے راہ روی کے راستے کھلین گے اور عورت اور عورت کی عفت مآبی پر حرف آئیگا ۔ اور معاشرے کا اخلاقی ڈھانچہ کمزور پڑ جائیگا ۔ اور نتیجتاً دینی قدرین اسلامی معاشرے سے معدوم ہو جائین گی ۔ اکبر اس سلسلے مین یون پیش گوئی

کرتے ھین :

یہ موجودہ طریقے راھئ ملک عدم ھون گے
نئی تہذیب ھوگی اور نئے سامان بہم ھونگے
نہ خاتونون مین رہ جائیگی یہ پردے کی پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ھونگے
عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ھون گے (٤٦)

اب جب اکبر کے پس منظر مین اقبال کو عورت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ھوئے دیکھتے ھین ۔ تو وہ بھی اظہار و بیان کی منفرد شان کیساتھ اکبر ھی کے ھمنوا نظر آتے ھین اور اکبر ھی کی طرح چاھتے ھین کہ عورت کو تہذیب مغرب کی زھریلی ھوا سے بچا لیا جائے۔ اسی غرض سے انھون نے " ضرب کلیم " مین عورت کے موضوع پر مسلسل نظمین لکھین جن مین عورت کی تعلیم و تربیت اور اسکے سماجی و خانگی منصب کی حقیقت پسندانہ وضاحت کی ھے! اقبال کے خیال مین :۔

" نسوانیت زن کا نگہبان ھے فقط مرد " (٤٧)

اقبال بھی عورت کی طرح دینی تعلیم کو عورت کیلئے ضروری سمجھتے ھین " عورت اور تعلیم" کے عنوان کے تحت اقبال نے اس سچائی کا ادراک کرتے ھوئے بڑے تلخ ، پر جوش اور پر اثر لہجے مین ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ھے کہتے ھین :

تہذیب فرنگی ھے اگر مرگ امومت
ھے حضرت انسان کیلئے اسکا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ھوتی ھے نازن
کہتے ھین اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رھے دین سے اگر مدرسہ زن
ھے عشق و محبت کیلئے علم و ھنر موت (٤٨)

اقبال مغربی تعلیم کے زیر اثر عورت کی تیزی سے بدلتی ھوئی شناخت پر حیران و پریشان ھین وہ دیکھ رھے تھے کہ تعلیم اور آزادی نسوان کے نام پر عورت دینی اقدار سے دور ھوتی جا رھی ھے چنانچہ اس احساس کا اظہار نہایت افسردہ مگر طنزیہ لہجے مین یون کرتے ھین :

هم سمجھتے تھے کہ لائیگی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ
گھر مین پرویز کے شیرین تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فرہاد بھی ساتھ (٤٩)

اشعار کے پس منظر مین پردہ سے بیگانگی کے نقصانات کی طرف اشارہ ہے اور آنے والے وقتون کی نشاندھی بھی جن اندیشون نے اکبر کو گھیرا ہوا تھا ۔ وھی اندیشے اقبال کے یہان زیادہ شدت سے سامنے آتے ھین ۔ اقبال کے خیال مین اگر مغربی رنگ مین ڈوبے ہوئے اسالیب حیات نہ بدلے گئے تو آنے والا زمانہ فکری انتشار اور جذباتی ارتعاش کے سبب روحانی طور پر جامد و ساکت ہوکر رہ جائیگا ۔

اکبر نے اقبال کے فکر و خیال سے اپنی سوچ کی ہم آہنگیون کو اپنی بزرگانہ بصیرت سے یقیناً بہت پہلے ھی دیکھ لیا تھا اقبال کے نام اپنے ٣ مارچ ١٩١٢ کے خط مین لکھتے ھین :

" وہ بار غم جو میرے دل پر مستولی تھا آپ نے اٹھا لیا ۔ وھی درد تھا ۔ وھی سمجھ اور بصیرت تھی ۔ جس نے آپ کے قلم سے قوم فروشی کی طعن تر شوادی ۔ ــــــــــــ
میرے ظریفانہ اشعار سے کبھی بہت زندہ دلی اور شوخی کا قیاس ہو سکتا ہے لیکن عادتاً وہ بھی ایک اسلوب ادائے خیال ہے ۔ ورنہ بیحد افسردہ رہتا ہون ــــــ خیر جو کچھ ہو اب آپ کے سپرد چارج ہے " ۔ (٥٠)

عورت ، حالی ، اکبر اور اقبال تینون کا اہم موضوع ہے تینون نے عورت کی عظمت و تقدیس کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچانا چاہا ہے ۔ مگر مقاصد ایک ہونے کے باوجود تینون کے طرز فکر اور طرز اظہار مین نمایان فرق ہے ۔ حالی نے پدرانہ شفقت سے کام لیا ہے ۔ اکبر برادرانہ سختی اور طنزیہ لب و لہجے سے حقیقت بیان کرتے ھین ۔ اور اقبال ایک دور اندیش اور روشن فکر مصلح دکھائی دیتے ھین بہر حال تینون

نے اس ضمن مین اپنے زمانے کے تلخ حقائق بڑی صاف گوئی اور حقیقت نگاری کے وصف کیساتھ بیان کئے ھین ۔

آل احمد سرور انکا موازنہ کرتے ہوئے اکبر کو سب سے بڑا مشرق پرست قرار دیتے ھین انکے الفـــاظ مین :

" اکبر ایک تہذیب ، ایک تمدن کے عاشق ھین
حالی شبلی ، اقبال ، ابوالکلام آزاد کسی
نے مشرقیت سے اس طرح عشق نہین کیا جس
طــرح اکبر نے " ۔ (۵۱)

اقبال کی حقیقت پسندی اپنی جگہ جس سے انکار ناممکن ھے کہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا مفکر اور دانائے راز ھے ۔ مگر اس ذیل مین اکبر بھی زندگی کے حقائق پر نظر رکھے ہوئے تھے ۔ انکا طرز فکر محض خیالی یا جذباتی نہین تھا ۔

" وہ تصور پرست نہین بلکہ حقیقت پسند تھے
اور زندگی کو مجموعی طور پر دیکھتے تھے ۔" (۵۲)

عقیدت و محبت کے رنگ اور طرز اکبر کی تقلید :

اقبال روحانی طور پر اکبر سے متاثر تھے ۔ اور اسکا برملا اظہار کرتے تھے ۔
۱۶ جولائی ۱۹۱۴

" حضــرت مین آپکو اپنا پیرو مرشد تصور
کـــــرتا ھون " ۔ (۵۳)

۶ اکتوبر ۱۹۱۱ کے خط مین لکھتے ھین :

" مین تو آپکو اسی نگاہ سے دیکھتا ھون جس نگاہ
سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے ۔ اور وھی محبت و عقیدت
اپنے دل مین رکھتا ھون ۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے
کہ مجھے آپ سے شرف نیاز حاصل ھو اور مین اپنے
دل کو چیر کر آپ کے سامنے رکھ دون " (۵۴)

عقیدت کا یہی وہ احساس تھا جسکے سبب اقبال نے رنگ اکبری کو تبرکاً اختیار کیا ۔ اس عقیدے کے طور پر که :

١٦ جولائی ١٩١٤ء

" کسی شاعر کو داد دینےکا بہترین طریقه یه ھے که
اگر داد دینے والا شاعر ھو تو جسکو داد دینا مقصود
ھے اسکے رنگ مین شعر لکھیے یا باالفاظ دیگر اسکا
تتبع کر کے اس کی فوقیت کا اعتراف کرے " (٥٥)

اور یون اقبال نے نثر و نظم مین جب بھی موقع ملا اکبر کی فوقیت کا اعتراف کیا اس اعتراف کی نمایان مثالین بانگ درا کے آخر مین اکبری رنگ کے چند ظریفانه قطعات سے مل جاتی ھین یه قطعات انھون نے ١٩١٤ مین انجمن حمایت اسلام لاھور کے انیسوین سالانه اجلاس مین پڑھے تھے ۔ جو اکبری اقبال کے نام سے شائع ھوئے تھے اور جن مین سے اکثر ترک کر دیے (٥٦) گئے ۔ پیروی اکبر مین ظریفانه قطعات لکھنے کے باوجود اقبال اس حقیقت کا اعتراف کرتے ھین که :

ختم تھا مرحوم اکبر پر ھی یه رنگ سخن
ھر سخنور کی یہان طبع روان جاتی ھے اک (٥٧)

اقبال نے اکبر کی تقلید مین جو ظریفانه اشعار و قطعات کہے ان مین مفہوم کے علاوہ اکبر کی طرح اونٹ ، گائے ، مس ، بوٹ ، ممبری کونسل اور زندے ، وغیرہ جیسے الفاظ بھی استعمال کئے ھین ایک دو مثالین ملاحظه ھون :

اکبر :۔
راہ تو مجھ کو بتادی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایه کون دے (٥٨)

خدا ھی ھے جو ان کے سینگ سے بچ جائین بقرعیدی
سنا ھے آ چلی ھین اب گئو ماتا بھی مستی مین (٥٩)

اقبال :۔
کہنے لگے که اونٹ ھے بھدا سا جانور
اچھی ھے گائے رکھتی ھے کیا نوکدار سینگ (٦٠)

اسی طرح اکبر نے مغربی تہذیب پر تنقید کرتے ھوئے کہا تھا :

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے
جب بسولہ ہٹا تو رندا آیـــا (٦١)

اقبال نے اسی خیال کو لفظ " رندے " کے استعمال کیساتھ یون پیش کیا

میان نجّار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہائیت تیز ھین یورپ کے رنـــدے (٦٢)

اسی طرح لفظ " بوٹ " کا استعمال ملاحظہ ھو :

اکبـــر :- بوٹ ڈاسن نے بنایا مین نےاک مضمون لکھـــا
ملک مین مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیـــا (٦٣)

اقبال : میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ھون مین
انکا یہ حکم دیکھ میرے فرش پہ نہ رینگ (٦٤)

سکول کالج کی لڑکیون کیلئے لفظ " مس " اکبر نے خصوصی طور پر اکثر و بیشتر استعمال کیا ھے اقبال بھی ایکجگہ یہ لفـظ اپنے شعر مین لائے ھین ملاحظہ ھو :

وہ مس بولی ارادہ خودکشی کا جب کیا مین نے
مہذب ھے تو اے عاشق قدم باھر نہ دھر حد سے (٦٥)

ممبری کونسل اور الیکشن جیسے الفاظ تو اکبر کے یہان عام ملتے ھین اقبال نے بھی اپنے ظریفانہ قطعات مین انکا استعمال کیا ھے ـ

لفظی تقلید کے علاوہ قافیائی مماثلت بھی دیکھنے کو ملتی ھے اکبر کا ایک بند ھے :

کالج ھی نے بتائی نیکـون کو یہ تعلـی
صاحب ھی نے سکھایا ھندوستان ھمـارا
صاحب کرین حفاظـت اور ھم کرین حکومت
گاندی سے کام نکلا یہ ہے گمــــــان ھمارا
صاحب سے لڑ بھی جانا اکثر بگڑ بھی جانا
ھے عمدہ ایک تماشا یہ امتحان ھمـــــــارا (٦٦)

اقبال نےاسی بحر اور ردیف و قافیےمین "ترانہ ھندی" کے عنوان سےکہا :

سارےجہان سے اچھا ھندوستان ھمارا
ھم بلبلین ھین اسکی یہ گلستان ھمارا
مذھب نہین سکھاتا آپس مین بیر رکھنا
ھندی مین ھم وطن ھین ھندوستان ھمارا (٦٧)

اگر ھم فطرت انسانی کا جائزہ لین تو پتہ جلتا ھے کہ عقیدت و احترام ، محبت و شفقت کے نتائج مین سے ھین ۔ اسلاف جس قدر محبت و شفقت بانٹتے ھین اخلاف اس سے کہین زیادہ عقیدت و احترام کی صورت مین لوٹا دیتے ھین ۔ اکبر اور اقبال کے روابط بھی اسی نوعیت کے تھے ۔

اکبر صوفی منش ، منکسر المزاج ، توکل پسند اور بےغرض قسم کے مصلح تھے ۔ مصلح اور صوفی جو ھر قسم کی اغراض سےبےنیاز ھوکر محض محبتین بانٹتے اور شفقتین تقسیم کرتے رھتے ھین اکبر نے بھی اقبال کو اپنی دولت محبت و شفقت سےمالا مال رکھا وہ اقبال کو اپنا "روحانی دوست" (٦٨) کہہ کر پکارتے ھین ۔ اپنے ۳ مارچ ۱۹۱۲ کے خط مین ایک جگہ کہتے ھین کہ

"آپ شھداء علی الناس مین داخل ھین یا
ھو جائین گے" (٦٩)

محمد عبد اللہ قریشی کے بقول :

"وہ اقبال کو اپنا صحیح جانشین سمجھتے تھے" (٧٠)

اکبر مرزا سلطان احمد کو لکھتے ھین کہ

"اقبال نہائت عالی خیال بزرگ ھین اور اسلامی جماعت
کے ترقی خواہ ۔ انکی طبیعت نہائت غیور واقع ھوئی ھے" (٧١)

اکبر کی صوفیانہ نگاھی نے دیکھ لیا تھا کہ اقبال کسی عام شخص یا شاعر کا نام نہین بلکہ یہ ایک مکمل تہذیبی و تربیتی سلسلہ ھے جو اقبال مین اور بھی زیادہ نکھار کے ساتھ سامنےآیا ۔ بقول اکبر :

یه حق اگاهی ، یہ خوش گوئی ، یہ ذوق معرفت
یہ طریق دوستی خود داریٔ با تمکنت
اسکی شاھد ھین کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے ، اھل دل تھے صاحب اسرار تھے (۷۲)

ایک اور جگہ اکبر کی انتہائی رائے ملاحظہ ھو ۔ مرزا سلطان احمد کو لکھتے ھین

" ڈاکٹر اقبال صاحب بہ لحاظ جملہ حالات کے
اس وقت اس حلقے مین آیات الہی مین سے ھین " (۷۳)

یہ تھین مرشد کی نگاہ پاک بین جسکے اثر سے اقبال تاحیات نہ نکل سکے اور بے اختیارانہ عقیدت کے رنگ مین یہ کہتے نظر آئے :

" اگر کوئی شخص میری مذمت کرے جس کا مقصد
آپکی مدح سرائی ھو تو مجھے اسکا مطلق رنج نہین
بلکہ خوشی ھے جب آپ سے ملاقات اور خط و کتابت نہ
تھی اس وقت بھی میری ارادت اور عقیدت ایسی
ھی تھی جیسی اب ھے" (۷۴)

اکبر کی باتون ، نصیحتون اور رھنمائیون کا اقبال پر کیسا اثر ھوتا تھا انکے خط سے ملاحظہ ھو

" اگر ساری دنیا متفق اللّسان ھوکر یہ کہے کہ
اقبال پوچ گو ھے تو مجھے اسکا مطلق اثر نہ ھوگا
کیونکہ شاعری سے میرا مقصد بقول آپ کے حصول دولت
و جاہ نہین محض صداقت ھے " (۷۵)

ایک جگہ اکبر کی شعر کی تضمین یون کرتے ھین :

یہ لسان العصر کا پیغام ھے
اِنّ وعد اللہ حق یاد رکھ" (۷٦)

جب ۱۹۱۵ کے وسط مین مثنوی اسرار و رموز کی اشاعت ھوئی تو حافظ کے بارے مین اقبال کے اشعار پر بہت زیادہ لے دے ھوئی ۔ اور اس تخلیقی کرشمہ کے نتیجے مین ایک قلمی

ہنگامہ " کھڑا ہوگیا ۔ خاص طور پر خواجہ حسن نظامی جو صوفی منش ، صوفی پسند اور صوفی نواز بزرگ تھے ۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور اسی نسبت سے نظامی کہلاتے تھے ۔ اس ہنگامے مین اقبال کے خلاف پیش پیش تھے ۔ حالانکہ اس سے قبل خواجہ حسن نظامی ، اقبال کو ١٩١٥ مین " سرالـــوصال " کا خطاب دے چکے تھے اور انجمن حمائت اسلام ،، کے ایک جلسے مین اقبال کی نظم سے متاثر ہوکر اپنا عمامہ سر سے اتار کر انھین دے دیا تھا اور کہا تھا کہ :

تمہارے جام مے کی نذر میری پارسائی ہو " (٧٧)

اکبر خواجہ حسن نظامی اور اقبال دونون کے خاص دوست تھے اسلئے ہنگامے کو رفع کرانے مین انھون نے اپنے مزاحیہ اشعار سے کام لیتے ہوئے بیلوث کردار ادا کیا وہ دونون کو اس طـــرح سمجھاتے ہین کہ :

اے خواجہ حسن کرو نہ اقبـال کو رد
قومی رکتون کے ہین نگہبان وہ بھـی
تم محو ہو حســن کی تجلی مین اگر
ہین دشمن فتنہ رقیبـــان وہ بھــی
پریون کے لئے جنون ہے تم کـــو اگـر
دیوؤن کیلئے ہے سلیمان وہ بھـــی (٧٨)

اس پر یہ ہنگامہ ختم ہوگیا ۔ مگر اس سے قبل جب اکبر نے خواجہ حسن نظامی کے مضامین کے زیر اثر اور کچھ اپنی مخصوص تصوف پسندی کے سبب مثنوی سے متعلق اپنی رائے کا عدم اطمینان ظاہر کیا ۔ تو اقبال کو اسکا بہت دکھ ہوا ۔ جسکا اظہار انھون نے اتنی اپنائیت سے کیا ہے ۔ جو ایک مرید ہی اپنے مرشد سے کر سکتا ہے اپنے ٢٠ جولائی ١٩١٨ کے خط مین لکھتے ہین :

" آپ مجھے تناقض کا مجرم گردانتے ہین ۔ یہ بات
درست نہین ۔ بلکہ میری بدنصیبی یہ ہے کہ آپ
نے مثنوی اسرار خودی کو اب تک نہین پڑھا ـــــ
ـــــ میری خاطر اسے ایک مرتبـــہ پڑھ لیجیئے
ــــــــــــــــــــ زیادہ کیا

عرض کرون سوائے اسکے کہ مجھ پر عنایت کیجئے ۔
عنایت کیا ، رحم کیجئے اور اسرار خودی کو ایک دفعہ
پڑھ جائیے ۔ جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے
زخم آیا اور اسکی تکلیف سے اس نے آہ و فریاد کی
اسی طرح مجھ کو آپکا اعتراض تکلیف دیتا ہے" (٧٩)

اکبر اور اقبال کی اس ذہنی ، جذباتی اور روحانی لگاؤ کی وجہ انکا باہم جذب عشق حقیقی تھا ۔ دونون ہی زمانے کی منافقتون سے مضطرب اور کسی مرد مومن کی تلاش مین ہین مثلا اکبر کہتے ہین :

" مین سیر ہو چکا ہون ۔ صورت و معنی مین ہر طرف
تبدیلی پاتا ہون ۔ کہین صورت باقی ہےتو معنی ندارد
کچھ ناصاف معنی ہین تو صورت مکروہ ۔ نہایت کم ہے کہ
صورت و معنی کا وہی نبوی سانچہ ہو ۔ یقینا زمانہ
بدلتا رہتا ہے" (٨٠)

اقبال اپنے اضطراب کا اظہار یون کرتے ہین :

٦ اکتوبر ١٩١١
لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن مین اس ہجوم مین تنہا
ہون ۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہین جس سے دل کھول
کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جا سکے ——————
—————— لارڈ بیکن لکھتے ہین ، جتنا بڑا شہر
ہو اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے ۔ سو یہی حال میرا
لاہور مین ہے " (٨١)

گویا دونون ہی اپنی اپنی جگہ کسی معتبر ہمدم دیرینہ کی تلاش مین ہین جو کہین دکھائی نہین دیتا ۔

اکبر کے بعض فلسفیانہ فکر کے حامل اشعار نے اقبال کو بار بار چونکایا اور ان سے اکبر کی انفرادی شان کو تسلیم کرایا ہے مثلا :

٥ جولائی ١٩١٨ "غم بڑا مدرک حقائق ھے (٨٢) اور یہ کہ

اظہار وجد کے لئے محفل کی کیا تلاش
بن خاکراہ ناچ لیا کر ھوا کیسا تــــھ (٨٣)

اور یہ کہ

دل اسکےساتھ ھے کہ خدا جس کیساتھ ھے (٨٤)

اقبال کی نگاہ بصیرت افروز کے مطابق مذکورہ اشعار حقائق سے خالی نہین ھین اس ضمن مین وہ اکبر کو لکھتے ھین :

"آپکے اکثر اشعار مین حقائق حیات اس سادگی
اور بے تکلفی سے منظوم ھوتے ھین کہ شیکسپئر اور
مولانا روم یاد آ جاتے ھین " (٨٥)

اکبر حقائق حیات کی اھمیت بتاتےھوئے جواباً ١٠ اکتوبر ١٩١٨ کے خط مین لکھتے ھین :

" انھی ادراک حقائق سے وہ فلسفہ پیدا ھوتا رھتا ھے
جسکو شریعت ظاھر ضعف زبان اور اختلاف بیان کے
سبب سے تسلیم نہین کر سکتی ـ (٨٦)

یہ کہ اکبر کے حقائق کا ادراک کرنے والی دور اندیشانہ نظر ھی تھی جسکا اعتراف کرتے ھوئے خواجہ محمد زکریا لکھتے ھین ـ

"اکبر الہ آبادی کو لسان العصر کا لقب دیا گیا ھےاس
سے مراد یہ ھے کہ اس نے عصری رجحانات کو زبان دی
ھے ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ وہ لسان العصر ھی نہین ،
ماضی اور مستقبل کی بھی زبان تھےـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ
کلام اکبر مین ھندوستان کی نصف صدی کے سیاسی ،
معاشرتی ،تہذیبی اور معاشی حالات اس قدر وبسیط
سے بیان کر دیے گئے ھین کہ اس نےایکجیتی جاگتی تاریخ
کی حیثیت اختیار کر لی ھے " (٨٧)

اقبال نے اکبر کے جن اشعار کی اپنے خطوط مین تعریف کی ان مین سے ایکشعر خاص طور پر اپنی معنوی گہرائی کے سبب بار بار اقبال کی توجہ کا مرکز بنتا رہا ھے ـ ١٧ دسمبر ١٩١٤ کے خط مین اکبر کا شعر اور اقبال کی رائے ملاحظہ ھو :

جہان ھستی ھوئی محدود لاکھون پیچ پڑتے ھین
عقیدے ،عقل ، عنصر سب کے سب آپس مین لڑتے ھین

سبحان اللہ کس قدر باریک اور گہرا شعر ھے ھیگل کا تمام فلسفہ اسی اصول پر مبنی ھے کیمبرج کی تاریخ ھندوستان کیلئے جو مضمون ارد و لٹریچر پر مجھے لکھنا ھے اس مین اس شعر کا ضرور ذکر کرون گا " (٨٨)

اکبر کے اس شعر مین اس دور کا وہ المیہ پوشیدہ ھے جس نے مسلمانون سے ذوق تعمیر چھین لیا تھا اور انھین اس خوفناک دوراھے پر لا کھڑا کیا تھا ـ جہان شکوک و شبہات اور اختلاف و افتراق کے سوا کچھ بھی باقی نہین رہ گیا تھا ـ اکبر کے اس شعر مین اقوام کے عروج و زوال کی تاریخ کی طرف اشارہ ھے ـ اکبر مسلمانون کو ان تمام آلودگیون سے مبرّا دیکھنا چاھتے ھین اور حسد ، لالچ ، کینہ سے ، پاک اور اجتماعیت کے احساس سے سرشار معاشرہ دیکھنا چاھتے تھے ـ

ایک ایسا معاشرہ جسکے افراد اطمینان قلب سے بہرہ ور ھوتے ھین ــــــــــ یہی وہ مثالی معاشرہ ھے جس کیلئے پیغمبر ،اولیاء ، مصلحین اور خدا کے نیک بندے ھمیشہ کوشان رھے " (٨٩)

اقبال کو اکبر کے مذکورہ شعر مین فکر و احساس کے اسی عالمگیر فلسفے نے متاثر کیا اقبال کو اصلاح ملّت کا وہ پیغام بھی نظر آیا جسکے لئے اقبال تاحیات کوشان رھے ـ چنانچہ شعر کے اسی پیغمبرانہ طرز احساس کے پیش نظر اقبال " لسان العصر اکبر کے کلام مین ھیگل کا رنگ " کے عنوان سے لکھتے ھین :ـ

عقیدے ، عقل ، عنصر سب کے سب آپس مین لڑتے ھین

سبحان الله کس قدر باریک اور گہرا شعر ہے ہیگل
جسکو جرمنی والے افلاطون سے بڑا فلسفی تصور کرتے
ہین ـــــــــ اسکا تمام فلسفہ اسی
اصول پر مبنی ھے ۔ آپ نے ہیگل کے سمندر کو ایک
قطرے مین بند کر دیا یا یون کہئے کہ ہیگل کا سمندر
اس قطرے کی تفسیر ہے " (٩٠)

اس مضمون مین ھیگل کے تکوینی فلسفے کے نتیجے مین متناقض قوتون کے ابدی تصادم پر بحث کرتے ہوئے اسی موضوع کے تحت ٹینی سن اور عرفی کے حوالے دینے کے بعد لکھتے ھین :

اکبر کا خاص اسلوب یہ ہے کہ وہ چند سادہ اور خوبی
کے ساتھ منتخب الفاظ مین نہ صرف اس تصادم کو
آپ پر واضح کر دیتے ھین بلکہ اس سبب (یعنی
لا محدود کی حدود) کو بھی عیان کر دیتے ھین
جس سے یہ تصادم پیدا ھوتا ہے " (٩١)

اس مضمون سے اندازہ ھو جاتا ھے کہ اقبال ، اکبر الہ آبادی کو کس پائے کا فلسفی صوفی ، شاعر اور انسان سمجھتے تھے (یہ الگ بات کہ اقبال بہر حال اردو ادب کا ایک بینظیر فلسفی شاعر ھے) دونون مین باھمی یگانگت کے یہی وہ انداز ھین جو اپنے زمانے کے دو عظیم تخلیق کارون کو عمر کے تمام تر تفاوت کے باوجود روحانی ، قلبی ، جذباتی ، ذھنی اور فکری لحاظ سے ایک دوسرے سے ھمیشہ کیلئے اس طرح وابستہ کر دیتے ھین کہ آنے والے زمانے کے ناقدین بھی ان مخصوص موضوعات کے حوالے سے جن کا ھم نے اوپر ذکر کیا ہے اقبال کیساتھ اکبر کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ھین ۔ اور اکبر کے موضوعات شعر کے ضمن مین اقبال کی تقلیدی یا تاثر پذیر روش کا ذکر خود بخود آ جاتا ہے ۔ دراصل اکبر اور اقبال کی قرابت کا بنیادی سبب اسلام اور ملت اسلامیہ کے عروج کی شدید خواھش ہے ۔ یہی وہ خواھش ہے جو حالی کے یہان پائی جاتی تھی ۔ اور یون عشق رسالت کے یہ جان افروز پروانے ایک ھی آفاقی منزل کی طرف گامزن ملتے ھین ۔

اکبر کی وفات پر اقبال مولانا گرامی سے اپنا غم یون بیان کرتے ھین :

" آخر ما جیب تمنا تھی " اس مصرع نے مجھے بیہوش
کر دیا ۔ اکبر مرحوم کے انتقال سے پہلے ھی میری طبعیت
افسردہ ھو رھی تھی ۔ اس مصرع نے نشتر کا کام کیا ۔
اکبر مرحوم بینظیر آدمی تھے ۔ وہ اپنے رنگ کے پہلے اور
آخری شاعر تھے "۔۔۔۔۔۔۔۔ انکا پایہ
روحانیت مین بھی کم بلند نہ تھا ۔۔۔۔۔۔ مسلمانان
ھند کو اپنے اس نقصان کا شاید پورا پورا احساس نہین
ھے " (٩٢)

اقبال نے دل کا بوجھ ھلکا کرنے کی غرض سے ایک مرثیہ بھی لکھا جو " پیام مشرق " کے پہلے ایڈیشن مین تو شائع ھوا لیکن بعد کے ایڈیشنون سے خارج کر دیا گیا ۔ اس مرثیے پر ھی بات ختم ھوتی ھے ۔

دریغا کہ رخت از جہان بست اکبـــــر
حیاتش بحق بود روشن دلیـــــلے
نوائے سرگاہ او کاروان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ را
اذان درائے پیـــــــــام رحیلے
دماغش ادب خوردہ عشق و مستـــــی
دلش پرورش دادۂ جبـــــــر ئیلے (٩٣)

+=+=+=+=+=+=+=+=

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
١ـــ	بشیر احمد دار	انوار اقبال	١٩٦ـــ ١٩٧	اقبال اکادمی باکستان لاهور	١٩٧٧
٢ـــ٣	سید عشرت حسین	حاشیه حیات اکبر	٥٣		
٤ـــ	تبسم نظامی مرتب	تذکره اکبر اله آبادی	٨	مکتبه سلطانی بمبی	١٩٤٨
٥ـــ	" "	" "	"	"	"
٦ـــ	ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال مرتب	شذرات اقبال	١٥٢	مجلس ترقی ادب لاهـــور	١٩٧٣
٧ـــ	تبسم نظامی مرتب	تذکره اکبرالهآبادی	٩		
٨ـــ	" "	" "	١٢ـــ١٣		
٩ـــ	" "	" "	٢٢٩		
١٠ـــ	" "	" "	١٥٤ـــ١٥٥		
١١ـــ	بنام مرزا سلطان احمد	مکتوبات اکبر			
١٢ـــ	بحواله داکتر رفیع الدین هاشمی	تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعه	٤٥٩	اقبال اکادمی باکستان لاهور	١٩٨٢
١٣ـــ	شیخ عطاء الله مرتب	اقبالنامه جلد دوم	٣٨	شیخ محمد اکرم لاهـــــور	١٩٥١
١٤ـــ	تبسم نظامی (مرتب)	تذکره اکبر الهآبادی	١٤١		
١٥ـــ	" "	" "	١٤٠		
١٦ـــ	" "	" "	١٤٦		
١٧ـــ	" "	" "	١٤٧		
١٨ـــ	اقبال	کلیات اقبال اردو " ضرب کلیم "	٥٩٩		
١٩ـــ	"	کلیات اقبال اردو			
٢٠ـــ	"	" " (ضرب کلیم)	٥٨٥		
٢١ـــ	تبسم نظامی "مرتب"	تذکره اکبر الهآبادی			

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٢٢-	اقبال	کلیات اقبال اردو بانگ درا	١٦٦		
٢٣-	"	کلیات اقبال اردو (بال جبریل)	٣٥١		
٢٤-	تبسم نظامی مرتب	تذکرہ اکبر الہ آبادی	١٤٩		
٢٥-	"	" "	١٦٠		
٢٦-	" "	" "	١٧٥		
٢٧-	" "	" "	١٣٣		
٢٨-	کلیم الدین احمد	اردو شاعری پر ایک نظر حصہ دوم	٨١	نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد	١٩٨٧
٢٩-	اقبال	کلیات اقبال اردو (بال جبریل)	٣٨٨		
٣٠-	"	" " "	٣٦٩		
٣١-	"	" " "	٣٩٠		
٣٢-	"	" " "	٣٦٠		
٣٣-	"	" " "	٣٦٨		
٣٤-	"	" " "	٣٨٩		
٣٥-	تبسم نظامی مرتب	تذکرہ اکبر الہ آبادی	٢٥٠		
٣٦-	" "	" "	١٩٠		
٣٧-	" "	" "	٨٣		
٣٨-	" "	" "	١١٩		
٣٩-	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	٢٣٢		
٤٠-	تبسم نظامی مرتب	تذکرہ اکبر الہ آبادی	١٠٨		
٤١-	"	" "	٦٩		

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٤٢-	اقبال	کلیات اقبال اردو (بال جبریل)	٤٥٢		
٤٣-	تبسم نظامی	تذکرہ اکبرالہ آبادی	١٧٥		
٤٤-	" "	" "	١٢٩		
٤٥-	" "	" "	١٨٣		
٤٦-	" "	" "	١٧٧		
٤٧-	اقبال	کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم)	٦٠٨		
٤٨-	"	" " "	٦٠٨		
٤٩-	"	" " "	٢٣٨		
٥٠-	چراغ حسن حسرت مرتب	اقبالنامہ	٨٤-٨٥	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور	
٥١-	پروفیسر آل احمد سرور	تنقید کیا ہے	٥٠	مکتبہ جامع لیمٹڈ دہلی	١٩٥٥
٥٢-	کلیم الدین احمد	اردو شاعری پر ایک نظر حصہ دوم	٨١		
٥٣-	شیخ عطا اللہ مرتب	اقبالنامہ جلد دوم	٤٠		
٥٤-	" "	" "	٣٥-٣٤		
٥٥-	" "	" "	٤٠		
٥٦-	محمد عبداللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظر میں	١٥٧	مجلس ترقی ادب لاہور	١٩٧٧
٥٧-	"	" "	١٥٨		
٥٨-	تبسم نظامی مرتب	تذکرہ اکبرالہ آبادی	٢٣٨		
٥٩-	"	" "	٢٤٥		
٦٠-	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانگ درا)	٣١٦		
٦١-	سید محمد مسلم رضوی مرتب	کلیات اکبر الہ آبادی حصہ چہارم	٢٥	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	١٩٨٧

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٦٢-	اقبال	کلیات اقبال اردو بانک درا	٣٢٣		
٦٣-	تبسم نظامی مرتب	تذکرہ اکبرالہ آبادی	٢٥٢		
٦٤-	اقبال	کلیات اقبال اردو بانک درا	٣١٦		
٦٥-	"	" "	٣١٨		
٦٦-	سید محمد مسلم رضوی مرتب	کلیات اکبرالہ آبادی حصہ جہارم	٢٥		
٦٧-	اقبال	کلیات اقبال اردو (بانک درا)	١٠٩		
٦٨-	جراغ حسن حسرت مرتب	اقبالنامہ	٨١		
٦٩-	محمد عبداللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظر مین	١٣١		
٧٠-	" "	" "	١٣١		
٧١-	بنام مرزا سلطان احمد	مکتوبات اکبر			
٧٢-	اکبر اللہ آبادی	کلیات اکبر جلد دوم و سوئم	٤٢١	بزم اکبر کھراجی	
٧٣-	بنام مرزا سلطان احمد	مکتوبات اکبر			
٧٤-	شیخ عطاء اللہ	اقبالنامہ جلد دوئم	٤٠		
٧٥-	" "	" "	٤٠		
٧٦-	اقبال	کلیات اقبال اردو بانک درا	٣١٤		
٧٧-	خواجہ حسن نظامی مرتب	دیباجہ : باکستان کے موجد اول سر محمد اقبال کے خطوط بنام خواجہ حسن نظامی			
٧٨-	داکتر جاوید اقبال	بحوالہ زندہ رود جلد دوئم	٢٣٨		

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحه نمبر	ناشر	سن اشاعت
۷۹ـ	شیخ عطاء الله	اقبالنامه حصه دوم	۵۳ـ۵٤		
۸۰ـ	جراغ حسن حسرت مرتب	اقبالنامه	۸٦	تاج کمبنی لمیتد لاهور	
۸۱ـ	شیخ عطاء الله	اقبال نامه جلد دوئم	۳۵		
۸۲ـ	" "	" "	٦۳		
۸۳ـ	" "	" "	٦۳		
۸٤ـ	" "	" "	٦٤		
۸۵ـ	" "	" "	٦٤		
۸٦ـ	محمدعبد الله قریشی	معاصرین اقبال کی نظر مین	۱۷٦		
۸۷ـ	داکتر خواجه محمد زکریا	اکبر اله آبادی	۵۲	سنک میل بیلیکیشنز لاهور	۱۹۸٦
۸۸ـ	شیخ عطاء الله	اقبنامه حصه دوئم	٤۲		
۸۹ـ	داکتر خواجه محمد ذکریا	اکبر اله آبادی	۲۲۵		
۹۰ـ	سید عبدالواحد	مقالات اقبال	۳۵۹ـ۳٦۰		
۹۱ـ	" "	" "	۳٦۲		
۹۲ـ	محمد عبدالله قریشی	مکاتیب اقبال بنام کرامی	۱۷۷	اقبال اکادمی کراجی	۱۹٦۹
۹۳ـ	" "	باقیات اقبال			

****

مولانا شبلی نعمانی

پیدائش : ۱۸۵۷
وفات : ۱۹۱٤

مولانا شبلی نعمانی اقبال سے تقریبا ۲۰ سال قبل ۱۸۵۷ میں بمقام بندول ضلع اعظم گڑھ بیدا ھوئے۔ (والد کا نام شیخ حبیب الله تھا صاحب ثروت آدمی تھےاور وکالت کے پیشے سے دلچسپی رکھتے تھے) بیس سال کا یہی فرق اپنے شعری ، علمی اور تاریخی کارناموں کے سبب شبلی کو اقبال کا قابل تقلید بزرگ بنا دیا ۔ شبلی کی علمیت ،انکا محققانہ انداز فکر ، انکی ناقدانہ نظر، سرسید کے زیر اثر انکا اصلاح ملت کا گہرا شعور فکر شعر کا مقصدی رنگ وآهنگ اور مذهب کے معاملے میں انکی جدید فلسفیانہ سوچ ایسی قابل قدر اور بیمثال خوبیاں تھیں جو اس دور کی شائد ھی کسی شخصیت میں اتنے قرینے سے جمع ھوئی ھوں ۔

اقبال شبلی کی اس علمیت کے گرویدہ تھے ۔ خود اقبال بھی ابلاغ فکر کیلئے شعر کا قالب اختیار کرنے کےباوجود اپنےدور کا عالم و فاضل ، محقق ،حکیم اور فلسفی مانا جاتا ھے ۔ اور غیر ارادی طور پر اپنےناقدین کو " فلسفی شاعر " اور " شاعر فلسفی " کی بحث میں الجھا دیتا ھے ۔ اور یوں علمیت اور محققانہ نظر دونوں کی مشترکہ خصوصیات تھیں ۔ شبلی سرسید کے مکتب فکر کےآدمی تھے ۔ اور سرسید کےاصلاحی جذبےکا یہ عالم تھا کہ :

> انھوں نے شعر کو بھی ملی تفاخر اور قومی عظمت کے شعور
> کو بیدار کرنے کا ذریعہ بنایا " (۱)

یہ سرسید کی اصلاحی تحریک‌ھی کا نتیجہ تھا کہ حالی اور شبلی نےتاریخ اسلام کی عظیم شخصیات کی سوانح عمریوں پر خصوصی توجہ دی ۔ خصوصاً مولانا شبلی کی سوانح عمریوں پر ایک مؤرخ کا رنگ غالب ھے جو محقق کی ذمہ داریاں بھی بطریق احسن نبھاتا ھوا نظر آتا ھے ۔ الفاروق المامون ،الغزالی ، سیرت النعمان اور سوانح مولانا روم شبلی کی یادگار سوانح عمریاں ھیں جنھین شبلی تاریخ کا نام دیتے ھیں ۔ فلسفہ میں علم الکلام اور الکلام قابل ذکر کتابین ھیں ۔ سفر نامہ روم و مصر و شام اور مکاتیب شبلی بھی انکی تصنیفات میں نمایاں مقام رکھتے ھیں ۔ تحقیق و تنقید کے میدان میں موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم انکی قابل قدر تصانیف ھیں جن میں شبلی نےاصول تنقید بھی وضع کئے ھیں ۔ شعر العجم میں شبلی نےایرانی شاعری کے

خد و خال کا به لحاظ زمانه بڑی ژرف نگاھی سے جائزہ لیا ھے اقبال کی نگاہ میں شبلی کی اس محققانه اور ناقدانه کوشش کا کیا مقام ھے اسکا اندازہ انکے ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ کے خط سے لگایا جا سکتا ھے ـ جب پیر زادہ غلام احمد مہجور نے "تذکرہ شعرائے کشمیر" لکھنے کی خواھش کا اظہار کیا ـ تو اقبال نے انہیں مشورہ دیا :

" ھاں تذکرہ شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی
شعر العجم آپکے پیش نظر رہنی چاھیئے ـ محض حروف تہجی
کی ترتیب سے شعراء کا حال لکھ دینا کافی نہ ھوگا " (۲)

سراج الدین پال حافظ کے فکر و فن کا مطالعه کر رھے تھے اقبال انھیں کتابیں تجویز کرتے ھوئے شعر العجم پڑھنے کا خصوصی مشورہ دیتے ھیں ـ

شبلی کی جس کتاب نے سیرت نگاری کی دنیا میں قبول عام کی سند حاصل کی اور جسے تحقیق کی دنیا کا شاھکار سمجھا گیا وہ شبلی کی کتاب "سیرت النبی" ھے جو چھ جلدوں پر مشتمل ھے اور اپنی مثال آپ ھے ـ اس کے بعد اگرچه سیرت کی ان گنت کتابیں منظر تحقیق پر آئیں مگر سیرت النبی کی سی غیر متنازعه شہرت کسی کتاب کو حاصل نہ ھو سکی شبلی کو اپنی اس تصنیف سے کس قدر محبت تھی اور وہ اسے اپنے لئے کتنی بڑی سعادت سمجھتے تھے انھی کے الفاظ میں سنئے :

عجم کی مدح لکھی عباسیوں کی داستان لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ھونا تھا
مگر اب لکھ رھا ھوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ھے یوں خاتمه بالخیر ھونا تھا (۳)

انکا یه اظہار تشکر ایک الہامی آواز اور پیش گوئی ثابت ھوا که سیرت النبی مولانا کی آخری کتاب ثابت ھوئی ابھی آخری جلد کی تکمیل باقی تھی که مولانا شبلی داعی ملک عدم ھو گئے ـ اقبال اس کتاب کے بارے میں سید سلیمان ندوی کو اپنے ۳ اکتوبر ۱۹۱۸ کے خط مین لکھتے ھیں که سیرت النبی لکھ کر :ـ

" مولانا مرحوم (شبلی نعمانی) نے مسلمانون پر بہت بڑا
احسان کیا جسکا صله دربار نبوی سے عطا ھوگا " (۴)

ہر چند کہ شبلی بعد میں کچھ نظریاتی اختلاف کے باعث سرسید سے الگ ہو گئے تھے ۔ اور ندوۃ العلماء قائم کر لیا تھا مگر اصلاح ملت کے مقصد میں دیگر عمائدین کے ساتھ ملکر شبلی اور حالی نے سرسید کا بھرپور ساتھ دیا ۔ آگے چلکر اس مشن کو اقبال نے سنبھالا اور تکمیلی مراحل سے ہمکنار کیا ۔

شبلی اور اقبال کی حیات اور حالات و واقعات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو بہت سی مطابقتیں اور مماثلتیں ملتی ہیں ۔

مثلاً اقبال کی طرح شبلی نے بھی ایک مذہبی اور متصوف گھرانے میں جنم لیا تھا اپنے آبا و اجداد کے حوالے سے

" ایک برہمن زادہ تھا اور دوسرا راجپوتوں کے
راوت نامی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا (۵)

محمد دین فوق کے مطابق :

" شیخ صاحب کا کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم
خاندان سے تعلق ہے ۔ ۔ ۔ شیخ صاحب کے جد اعلی
سو سال ہوئے مسلمان ہو گئے تھے ۔ گوت انکی
پسرو تھی " (٦)

شبلی کے بارے میں ڈاکٹر محمد ریاض بتاتے ہیں :

" نیاگان شبلی راجپوت بودند از تیرہ ہند وہا ،
کہ چندین پیش از حکومت تیموریان بدین اسلام در آمدہ
بودند و نخستین شخص از نیاگان شبلی کہ مسلمان شدہ
لقب سراج الدین را برای خود برگزیدہ بور" (۷)

تاہم دونوں نے ہی اسلام دوستی کا حق ادا کر دیا اور خود اقبال کی زبان میں

" پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے " (۸)

دونوں ہی بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے ذہین و فطین علم دوست ، علم پرور اور

محققانہ انداز فکر کے مالک اس پس منظر میں اقبال جدید دور کی ایک لافانی شخصیت ہے ـ جبکہ شبلی کی مسلمہ ذکاوت علمی کا تذکرہ ڈاکٹر محمد ریاض سے سنئے لکھتے ھیں :

شبلی اگرچہ از صحبت و سلامت و قوای قابل توجہ ای جسمانی
به خوردارد نبود ـ ولی هوش و ذکاوت و ذهانت فوق
العاده ای داشت "ـ
(٩")

شبلی نے قران مجید اور فارسی کی تعلیم گاؤں میں رہ کر حکیم عبد الله اور مولوی شکر الله سے حاصل کی ـ مولوی فیض الله سے عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں ـ کچھ دنوں مولوی عباس صاحب سے جو بڑے منطقی اور مناظرہ پسند تھے تعلیم حاصل کی اور اسکے بعد غازی پور کے مدرسہ چشم رحمت میں وقت گزارا ـ اقبال کا علمی ، تعلیمی و تدریسی پس منظر بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ھے ـ دونوں کو ابتداء ھی میں عربی فارسی کا تہذیبی شعور ملا اور حکمت قران سے نسبت خاص رھی ـ اقبال کو مولوی میر حسن جیسا سلجھے ھوئے مذاق کا عالم میسر آ گیا تھا اور شبلی کو مولانا فاروق جیسا صاحب علم مل گیا ـ جنھوں نے نا صرف تحریر و تقریر بلکہ ھر مدعیانہ گفتگو میں منطقی ترتیب ، استدلال اور اصول مناظرہ سکھائے اور فلسفہ میں مہارت پیدا کی ـ مولوی فاروق کہا کرتے تھے :

" انا اســـد وانت شبـــلی
میں شیر ھوں اور تو شیر کا بچـــہ
(١٠)

دونوں نے اردو اور فارسی میں شاعری کی ـ دونوں نے ایران شناسی کا ثبوت دیا ـ شبلی نے شعر العجم لکھ کر اور اقبال نے اپنا پی ـ ایچ ـ ڈی کا مقالہ " ایران میں فلسفہ ما بعد الطبعیات کا ارتقاء " لکھ کر

دونوں عشق رسول میں سرشار نظر آتے ھیں ـ شبلی کی سیرت النبی اور اقبال کی ارمغان حجاز اس کی واضح دلیل ھیں ـ قران پاک کے تراجم و تفاسیر پر دونوں کی گہری نظر ھے دونوں کی شعری و نثری تحریروں سے اس بات کا ثبوت ملتا ھے خاص طور پر شبلی کا " علم الکلام " اور " تبیین الکلام " اور اقبال کے " تشکیل جدید الھیات الاسلامیہ " کے بصیرت افروز خطبات اس کا بین ثبوت ھیں ـ

شخصیات میں پروفیسر آرنلڈ ، سید سلیمان ندوی اور عطیہ فیضی دونوں کی قابل

قدر پر محبت اور پر اعتماد شخصیات ھین ۔

پروفیسر آرنلڈ کے یورپ واپس جانے پر اقبال اور شبلی دونوں ھی رنجیدہ نظر آتے ھین ۔ اقبال نے اس دل گرفتگی کا اظہار " نالہ فراق " کے عنوان سے یوں کیا ھے :

ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ھونے کو تھا
آئینہ ٹوٹا ھوا عالم نما ھونے کو تھا (۱۱)

نخل میری آرزوؤں کا ھرا ھونے کو تھا
آہ کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ھونے کو تھا
ابر رحمت دامن از گلزار من برچید و رفت
اند کے برغنچہ ھائے آرزو بارید و رفت (۱۲)

آرنلڈ سے اقبال کی والہانہ محبت دیکھئے کہ بے اختیارانہ یہ پیش گوئی کرتے ھیں :

کھول دے گا دشت وحشت عقدہ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو (۱۳)

یہ پیش گوئی اور اقبال کا عزم راسخ بالاخر رنگ لایا اور اقبال ۱۹۰۵ میں لندن سدھارے
شبلی پروفیسر آرنلڈ کے بارےمیں یہ رائے رکھتے ھیں :

" آرنلڈ آن کہ رفیق است و استاد مرا " (۱٤)

اور آرنلڈ کے علیگڑھ سے رخصت ھونے پر انھوں نے جو الوداعی قطعہ کہا اسکا ایک شعر ملاحظہ ھو :

" آرنلڈ آن کہ درین شہر و دیار آمد ورفت
دلبرے بود کہ مارا بکنار آمد ورفت (۱۵)

سید سلیمان ندوی سے دونوں کی رفاقت اور اعتماد کا عالم یہ ھے شبلی ، سید سلیمان ندوی کو اپنا مایہ ناز شاگرد قرار دیتے ھیں اور ھم دم و دمساز سمجھتے ھیں سفر و حضر میں انھیں اپنے ساتھ رکھتے ھین ۔ سید سلیمان ندوی نے بھی شبلی کی شاگردی اور علمیت کا وقار یوں بلند کیا کہ شبلی کی وفات کیبعد انکی مشہور زمانہ کتاب " سیرۃ النبی " کی تکمیل کی ۔ اور اعظم گڑھ میں " دار المصنفین " قائم کر کے شبلی کے خواب کو عملی جامہ پہنایا ۔

ادھر اقبال ھیں جو سید سلیمان ندوی کو " استاذ الکل " مانتے ھیں ۔ خط وکتابت کے ذریعے انکی علمیت سے کسب فیض کرتے ھیں اور ان سے ملاقات کو اپنے لئے باعث اعزاز سمجھتے ھیں ۔ سید سلیمان ندوی کے نام اقبال کے کثیر تعداد مین خطوط ملتے ھیں جن میں وہ کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ پوچھتے ملین گے ۔

اور خواتین مین عطیہ فیضی ، جو دونوں کی کشترکہ دوست اور ھم راز ھیں دونوں ان سے اپنی کیفیات دل بیان کرتے ملتے ھین ۔ عطیہ فیضی کے نام دونوں کے خطوط اس بات کا واضح ثبوت ھین ۔ اقبال اپنے خطوط مین عطیہ فیضی کے سامنے بقول خود اپنا دل کھول کر رکھتے ملتے ھیں ۔ ادھر شبلی کی فارسی شاعری میں بھی اس قسم کے اشارے ملتے ھین ۔ عطیہ فیضی جب لندن سے سفر پر روانا ھوتی ھین ۔ تو شبلی نے ایک وداعیہ قطع لکھا تھا ۔ عنوان یہ تھا ۔ " قطعہ وداعیہ بہ عطیہ بیگم ھنگام سفر اوشان بسمت یورپ نوشتہ شد " اس قطعہ میں شبلی پڑے ھی رفیقانہ انداز مین عطیہ فیضی کو دعائیہ انداز مین مشورہ دیتے ھین :

اے کہ دل بر سفر نہادستی
زود این منزل دراز باز آئی
می روی سوئے پیرس و لندن
وزرہ کعبہ وحجاز آئی
رسم و آئین شرع نگذاری
رہ رو جادۂ نیاز آئی (۱٦)

یہ تو تھیں وہ مماثلتین اور مطابقتین جو دونوں شخصیات میں واضح اور نمایاں طور پر ملتی ھیں " تاھم سید افتخار حسین شاہ نے شبلی اور اقبال کی ازدواجی ، سماجی ، سیاسی ، علمی اور شعری شخصیات میں چالیس کے قریب نستبین گنواتے ھوئے اقبال کو شبلی کا پیروکار بتایا ھے ۔ سید عابد علی عابد اقبال کی شبلی سے تاثر پذیری کے بارے میں یوں لکھتے ھیں :

" شبلی نعمانی سے اقبال کا متاثر ھونا بعید از قیاس نہیں کیونکہ وہ لاکھ سرسید کے مخالف ھو جائین ، رہتے وہ سرسید کے دائرے ھی کے آدمی ھیں ۔ اگرچہ اکرام صاحب کے اس قول کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ شبلی، سرسید کی تحریک کے رد عمل کی پیداوار ھیں اور اقبال بھی اسی رد عمل کے علمبرداروں سے متاثر ھے تو بھی معاملے کی صورت وھی رھتی ھے ۔ (۱۷)

یہ درست بھی ھے کہ نظریاتی اختلافات کے باوجود سرسید ، حالی اور شبلی اصلاح ملت کے نقطہ نظر سے ایک ھی کشتی کے سوار تھے ۔ انکا مشترکہ مقصد ملت اسلامیہ کو زبون حالی سے نکالنا اور طوق غلامی سے نجات دلانا تھا ۔ ان پر حکمت پر اخلاص اور دلگداز آوازوں کے جوش صداقت میں وقت کی ایک اھم ، منفرد ، بیمثال اور پر شکوہ آواز بھی شامل ھوگئی تھی جو اقبال کی آواز تھی ۔ مقصدی اعتبار سے اقبال کا ان شخصیات سے متاثر ھونا فکری ضرورت کے عین مطابق تھا ۔ آل احمد سرور نے اس تناظر میں درست کہا ھے :

" نئی نسل پر شبلی کا اثر اپنے ھمعصرون میں سب سے
زیادہ ھوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال پر سرسید سے زیادہ
شبلی کا اثر ھے " (۱۸)

دراصل سرسید نثر کے آدمی ھین جبکہ شبلی شاعرانہ صلاحیتیں بھی رکھتے تھے ۔ اور پھر شعری حوالون سے بھی :

" شبلی سنجیدہ اور متین انسان تھے ــــــــ ادب
کو پستی سے نکالنے کیلئے شبلی اخلاقی اور اسلامی نظمین
لکھتے ھین ان کی نظمون مین اچھا اخلاق ملتا ھے ان کی
زبان صاف شستہ اور با رنگ ھے " (۱۹)

شعری محاسن کے حوالے سے شبلی کا اقبال سے موازنہ کرنا کچھ زیادہ مناسب نہین ھے کیونکہ شبلی خالصتًا ایک عالم ، محقق اور متکلم کا ذھن رکھتے تھے اور انھوں نے خود کو انھی عالمانہ اور محققانہ کامون کیلئے وقف کردیا تھا ۔ اقبال کے برعکس شاعری انکے یہاں جزٔ وقتی کاوش کا نام تھی بقول ڈاکٹر محمد ریاض :

" او احیانا به اردو و فارسی شعری گفت ۔ اگرچه باین فن
علاقه مفرط نداشته و برائے همین است که بسیاری از غزلیات و
قصائد و منظومات وی نا تمام مانده و برای انتکمال آنهمه توجه
نداشته است " ۔ (۲۰)

پھر یہ کہ شاعری میں بھی شعریت سے زیادہ اخلاقیات کے قائل تھے ۔ اگرچہ انکی فارسی غزلیں اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ھین جن میں شبلی واردات قلبی کو بڑے دکھ سے بیان کرتے نظر آتے

ہیں اور جن میں عمر رفتہ کے حوالے سے ایک گہرا تأسف بھی نظر آتا ہے مثلا :

پیرانہ سرھوای می و جام کـــرده ایم
ما ابتدائ کار زانجام کـــــــرده ایم (٢١)

دل نثار غمزہ غمـــاز می بالیست کـرد
آنچہ کاخر کردم از آغاز می بالیست کرد (٢٢)

اور پھر جذبات کی وارفتگی دیکھئے :

من کہ خود را فارغ ازگبر و مسلمان کرده ام
آنچہ چشم کافر فرموده است آن کرده ام (٢٣)

اسی فارسی مجموعے مین غالب کے ایک اردو شعر کا ہم مفہوم شعر بھی دیکھئے ۔ غالب نے کہا تھا :

تیرے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں (٢٤)

شبلی نے اسی خیال کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے :

سنجیـــده ایم فتنہ محشربہ قامتش ،
یک نیزہ قد فتنہ طرازش بلند بـــود (٢٥)

ڈاکٹر محمد ریاض شبلی کی فارسی غزلون پر یوں رائے دیتے ہیں :

"بطور کلی شعر فارسی شبلی ،عذب و دلاویز و
پر ہیجان است" (٢٦)

تاہم شبلی کی فارسی غزلیں ایک خاص پس منظر کی حامل اور مختصر دور کی یادگار ہیں بحثیت مجموعی شبلی کی شاعری اخلاقیات اور قومی احساس کی شاعری ہے ۔ خاص طور پر اردو شاعری جسکا فنی اعتبار سے بہر حال اقبال سے کوئی مقابلہ نہیں ہے ۔ کیونکہ اقبال اپنی تمام تر محققانہ اور مفکرانہ سوچ کے باوجود بنیادی طور پر شاعر کا مزاج رکھتا ہے اور ایک شاعر ہی کی حیثیت سے مشرق و مغرب میں پہچانا جاتا ہے ۔ اس لئے آل احمد سرور کا یہ کہنا درست ہے :

" شبلی کی شاعری ان کی شگفتہ ،لطیف اور رسا
طبعیت کا کبھی کبھی کا اُبال ھے ـــــــــــ
اس کا موازنہ اکبر ، حالی یا اقبال سے صحیح
نہیں کبھی کبھی کی موج کو مستقل دریاؤں سے
نسبت نہیں دیا کرتے " (۲۷)

شبلی کا دور ملت اسلامیہ کا دور انتشار ، دور نفاق اور دور زوال تھا ـ شبلی کے سامنے بھی حالی اور اقبال کی طرح ایک اخلاقی اور اصلاحی مقصد تھا ـ اس مقصد کے حصول کیلئے انھوں نےشاعری سے زیادہ تاریخ نگاری سے کام لیا ـ شبلی کا مطمع نظر یہ تھا کہ مذھبی قدروں کو ازسر نو زندہ کرنے کیلئے اپنےاسلاف کے شاندار کارناموں کا تذکرہ کرنا زیادہ موثر ثابت ھو سکتا ھے حقیقت بھی یہی ھے کیونکہ مذھب اوو تاریخ لازم و ملزوم کا درجہ رکھتے ھیں بقول ایس ـ ایم ـ جعفـــــر :

There is a close connection between History
and religion - the two are interrelated
and interdependent- - - - - - - Both of
them aim at truth- - - - - Both of them
can save and help humanity if rightly
followed Religion leads to history and history
leads to religion. The former provides the
principles of truth, Justice and honesty
which form the foundations of history" (28)

اختر وقار عظیم کہتے ھیں :

" تاریخ ساری دنیا کےعلوم کی شہ رگ ھونےکا دعویٰ کرتی ھے
اور یہ دعویٰ کرنے میں وہ قطعاً حق بجانب ھے " (۲۹)

یقیناً شبلی کی مورخانہ صلاحیتیں اس تاریخی حقیقت کو جاں گئی تھیں ـ اور یہ انکی مورخانہ صلاحیتیں ھی تھیں جن کےسبب نثر کے علاوہ انھوں نےنظم میں بھی تاریخی واقعات کو قلمبند کرنا ضروری سمجھا اور اردو ادب میں جدید واقعاتی اور اخلاقی نظموں کی بنیاد ڈالی ـ اس

نقطه نظر کے تحت : " ایک خاتون کی آزادانه گستاخی اور رسول الله صلی الله علیه و سلم حلم وعفو " " اهل بیعت رسول الله صلی الله عبیه و سلم کی زندگی ، ایثار کی اعلی ترین نظیر " ، " مساوات اسلام " ، " خلا فت فاروقی کا ایک واقعه " ، " عدل فاروقی کا پاک نمونه " ، " اظهار و قبول حق " ، " جرأت صداقت " ، " خلیفه عمر بن عبد العزیز کا انصاف " اور " عدل جهانگیری " وغیره انکی قابل قدر نظمین هیں ـ

اس وقت مسلمانوں میں یورپ کی طرف سے عموماً اور برطانیه کی طرف سے خصوصاً بد ظنی اور بیزاری پھیلی هوئی تھی ـ پھر برصغیر میں تنسیخ تقسیم بنگال کے حکمنامے نے مسلمانوں کے دکھ مین اضافه کیا ـ ادھر کانپور کی مسجد کی شهادت کا واقعه جیسے واقعات نے مسلمانوں کو اور بھی زیاده مشتعل کر دیا ـ شبلی نے اس ضمن میں هفته وار واقعاتی نظمیں لکھنی شروع کیں :

> " ان نظمون میں جوش بیان قوت نظم اور موثر طنز کا ایسا
> تیز نشتر چھپا تھا که وه جس پر پڑتا تھا تلملا جاتا تھا " (۳۰)

شبلی کی یه نظمین لاهور مین " زمیندار " دلی میں " همدرد " لکھنؤ میں " مسلم گزٹ " اور کلکته میں " الهلال " رسالون مین چھپتی تھیں ـ اقبال شبلی کی اس مؤرخانه نظمیه صلاحیت کے بهت زیاده معترف تھے اس کا اظهار سلیمان ندوی کے نام اپنے ۱۲ نومبر ۱۹۱۶ کے خط مین یوں کرتے هیں :

> " مولانا شبلی مرحوم نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع
> کیا تھا جسے بهت مقبولیت نصیب هوئی تھی آپ بھی
> غزل کیساتھ وه سلسله جاری رکھیں " (۳۱)

اگرچه اقبال نے بھی تاریخی شخصیات و واقعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا هے مگر اپنے فلسفه عشق و خودی کو سامنے رکھتے هوئے علامتی اور تلمیحی انداز اختیار کیا هے اور اپنے قاری کو اس بات پر آماده کیا هے که وه واقعات کی تفصیل مین از خود جائے جبکه مولانا شبلی نے واقعات کو تفصیل سے اپنی تمام تر جزیات کیساتھ بیان کر دیا هے ـ

حالی نے زوال ملت کو پیش نظر رکھتے هوئے " مسدس مد وجزر اسلام " لکھی تو شبلی نے ملت اسلامیه کے تنزل اور زبوں حالی کا مرثیه اپنی مثنوی " صبح امید " کے عنوان سے لکھا ـ مثنوی کے چند ایک شعر ملاحظه هوں :

اے مدعیان حب اسـلام — حجروں میں تو اب کرو نہ آرام
کرد و جو گذشتہ کی تلافـی — ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھـی
گو دورفلک ہـوا دگرگوں — پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خون
اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی — اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی (۳۲)

شبلی کو ترکی سے قلبی لگاو تھا اسکا اظہار انھوں نے اکثر کیا ہے ۔ ۱۹۱۱ کا زمانہ تھا ۔ جب روس ، جرمنی اور برطانیہ کی بندر بانٹ کی وجہ سے عالم اسلام کی حالت بہت مخدوش ہو گئی تھی ۔ برصغیر کے حالات تو پہلے ہی انگریز کے زیر اثر خراب و خستہ تھے ادھر ایران کو بھی برطانیہ اور روس نے آپس میں تقسیم کر لیا تھا ۔ دوسری طرف ترکی میں سلطنت عثمانیہ آخری سانس لے رہی تھی ۔ ادھر اٹلی نے ۲۸ ستمبر ۱۹۱۱ کو طرابلس اور سیرے نائیکہ (لیبیا) پر قبضہ کر لیا ۔ مصر کو بھی برطانیہ نے اپنے زیر اثر لیکر ترکی کی حمائت سے باز رکھا ۔ ایک طرف جنگ طرابلس جاری تھی کہ اکتوبر ۱۹۱۲ میں چار بلقانی ریاستوں یونان ، سربیا ، مانٹی نیگرو اور بلغاریہ نے ترکی پر حملہ کر دیا ۔ اور جنگ بلقان چھڑ گئی ۔

ایسے میں علامہ اقبال اور شبلی دونوں ہی عالم اسلام پر آنے والی مصیبتوں سے شدید طور پر متاثر ہوئے ۔ شبلی چونکہ ترکی سے خاص لگاو رکھتے تھے ۔ اسکی ایک اسلامی وجہ یہ بھی تھی کہ ترکی میں خلافت اسلامیہ قائم تھی اور اب جسکو ختم کرنے کی سازشیں ہو رہی تھیں ۔ پھر یہ کہ ۱۸۹۲ میں شبلی استنبول ، مصر و روم گئے تھے ۔ اور وہاں تین ماہ قیام کیا تھا ۔ سلطان عبد المجید نے انھیں مجیدی تمغہ سے نوازا تھا ۔ " سفر نامہ روم و مصر و شام " اسی دور کی یادگار ہے ۔ کیونکہ شبلی نے ترکی کی تہذیب و معاشرت اور آثار خلافت کو انتہائی قریب سے دیکھا تھا یہی وجہ ہے کہ جب ترکی جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کی لپیٹ میں آیا اور سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کی کوششیں تیز تر ہو گئیں تو شبلی سے یہ بات برداشت نہ ہو سکی ۔ انھوں نے ترکی کے پس منظر میں مسلمانوں پر آنے والی مصیبتوں کا خیال کر کے ایک نظم اکتوبر ۱۹۱۲ میں " شہر آشوب اسلام " کے نام سے لکھی اس میں جس گہرائی ، کرب اور دکھ کیساتھ درد دل بیان کیا ہے وہ ہندوستان کے سیاسی ادب میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے نظم کے چنـد شعر یہ ہیں :

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک
چراغ کشتہ محفل سے اٹھیگا دھـوان کب تک
قبائے سلطنت کے جب فلک نے کردئے پـرزے

فضائے آسمانی میں اڑیں کی دھجیاں کب تک
مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جان کب تک (۳۳)

یہاں ترکی ہی کے حوالے سے اقبال کے وہ مشہور شعر یاد آ جاتے ہیں جن میں اقبال شبلی کی طرح دنیائے اسلام کی بے کسی و بے بسی پر اپنا درد دل یوں بیان کرتے ہیں :

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز (۳٤)

اور یہ کہ

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز (۳۵)

لیکن اس شدت یاس کی کیفیت کے باوجود اقبال اسلام کے روشن مستقبل کا یوں احساس دلاتے ہیں :

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک (۳٦)

انھی حالات کے تناظر میں شبلی کے " شہر آشوب اسلام " سے ایک سال قبل ۱۹۱۱ میں اقبال اپنی معرکۃ الارا نظم " شکوہ " بھی انجمن حمائت اسلام کے جلسے میں پڑھ چکے تھے ۔ ۱۹۱۱ ھی میں انھوں نے اپنی نظم " حضور رسالت مآبؐ میں پڑھی ۔ جس مین اقبال نے اپنا گداز دل یوں کھول کر رکھ دیا :

حضور دھر مین آسودگی نہیں ملتی
تلاش جسکی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
مگر مین نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ھے تیری امت کی آبرو اس مین
طرابلس کے شھیدون کا ھے لہـــو اس میں (۳۷)

اسی پس منظر میں ۱۹۱۲ میں "شمع و شاعر" پیش کی اور پھر "جواب شکوہ" ، ۱۹۱۳ میں موچی دروازے میں جنگ بلقان کیلئے چندہ جمع کرنے کی غرض سے پڑھی گئی اقبال کی ان تمام نظموں مین عالم اسلام کا تنزل اور ترکی کی خلافت اسلامیہ کے زوال کا بیان ھے لیکن شبلی کے شھر آشوب میں تو مرض کی شدت نہائت گلوگیر لہجے میں بتائی گئی تھی جبکہ اقبال عالم اسلام کی از سر نو بقا کے اصول بھی بتاتے نظر آتے ھیں ۔ کیونکہ یہ اقبال کا مزاج ھے کہ وہ سختیون کے سامنے ھمت ھارنے کے بجائے نہایت حوصلہ مندی کیساتھ علاج عروج ملت بھی تجویز کرتا ھے چنانچہ طلوع اسلام مین حوصلہ مندی کا یہ انداز دیکھئے ۔

سرشک چشم مسلم میں ھے نیسان کا اثـــر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ھوں گے پھر گھـــر پیدا
ربود آن ترک شیرازی دل تبریز و کابــــل دا
صبا کرتی ھے بوئے گل سے اپنا ھمسفر پیـــــدا
اگر عثمانیون پر کوہ غم ٹوٹا تو کیــــا غـــم ھے
کہ خون صد ھزار انجم سے ھوتی ھے سحـــر پیـــدا

مذکورہ مثالین شبلی اور اقبال کے ترک دوستی اور ترکی پسندی کی دلیل ھیں ۔ حقیقی مسئلہ یہ تھا کہ خلافت عثمانیہ ترکی میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی آخری نشانی تھی ۔ عالم اسلام کی اسے بے پناہ محبت و عقیدت از روئے نفسیات دینی درست ثابت ھوتی ھے ۔ برصغیر میں تحریک خلافت کا قیام بھی اس عقیدت و محبت کی مضبوط کڑی ھے ۔

اقبال کی طرح شبلی کو بھی اس بات کا گھرا دکھ تھا کہ

"تمام مسلمان مذھبی حقائق کو کم کر کے اوھام میں مبتلا ھیں مافوق العادت عقائد کے دلدادہ اور عورتوں کے حقوق سے نا آشنا ھیں اور خواص سرے سے مذھب کی [illegible] سے آزادی کے طالب ھیں اسلئے حقیقت میں تمام مسلمانوں میں آج مذھب کا اشتراک نہیں بلکہ عدم مذھب کا اشتراک ھے" (۴۱)

شبلی انھی اسباب کو " تنزل اسلام کا سبب اصلی " کے عنوان سے بزبان شعر یوں ادا کرتے ھیں :

ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
سبب پستئ اسلام جز اســـــلام نہیں
بحث مانیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
جسکو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں
اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحیـــد
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں (٤٠)

اور آخر میں یہ فیصلہ سناتے ہیں

ان حقائق کی بنا پر سبب پستی قـــوم
ترک پابندی اسلام ہے ـ اســـلام نہیں (٤١)

شبلی کے اس نظرئے سے حالی اور اکبر نے بھی مکمل طور پر اتفاق کیا ہے اور اقبال بھی شبلی کی تائید کرتے ہوئے اصل قصور وار اسلام کو نہیں ملت اسلامیہ ہی کو قرار دیتے ہیں ـ جسکی نمایاں مثالیں شکوہ ، " جواب شکوہ " اور طلوع اسلام میں واضح طور پر ملتی ہیں ـ

جب ہم دونوں شاعروں کے طرز احساس اور طرز فکر کا جائزہ انکی مذکورہ نظموں کے حوالے سے لیتے ہیں تو دونوں کے یہاں ملی احساس کی ہم آہنگی نظر آتی ہے ـ اور اپنے منفرد اسلوب اظہار کے باوجود دونوں کے یہاں بعض مقامات پر فکری و لفظی یکسانیت کچھ اسطرح ہے کہ ایک کے اشعار پڑھتے ہوئے دوسرے کے شعر بے اختیار ذہن میں آتے ہیں ـ مثلاً شبلی کے چند مثالیں دیکھیئے:

زوال دولت عثمان زوال شرع و ملت ہے " (٤٢)

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں میں
تو پھر سمجھو کہ مرغان حـرم کے آشیان کب تک (٤٣)

یہ مانا گرمئ محفل کے سامان چاہیں تم کـــو
دکھائیں ہم تمہیں ہنگامہ آہ و فغان کب تک (٤٤)

شبلی کے شہر آشوب ،کے یہ اشعار پڑھنے سے اقبال کی نظم " طلوع اسلام " ذہن میں آتی ہے ـ

زبان و بیان کا جائزہ لیا جائے تو شبلی کی نظمون مین اقبال کی طرح فارسیت کا رنگ

بہت گہرا ہے شبلی بھی غالب اور اقبال کی طرح تین تین چار چار اور پانچ پانچ الفاظ کی تراکیب سے کفایت الفاظ میں وسعت معنی کا حق ادا کرتے ہیں ۔ اسکی وجہ انکی اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں پر دسترس اور ذوق علمی و لسانی ہے ۔ انکی چند ایک تراکیب دیکھئے :

احترام سجدہ گاہ قدسیان ، نغمہ توحید گلبانگ اذان ، امن و امـــــان شام و نجد و قیروان ، جوش انگیزی طوفان بیدارؤ بلا ، رموز قوت مکنون ، انقلاب چرخ گردون ، پشت و پناہ ملت ختم الامم ، تمہید سجدہ ہائے جبیں نیاز ، غمخواری ترکان نکو نام ، دفتر پارینہ احکام ۔ وغیرہ ۔

شبلی کی مذکورہ تراکیب کو پڑھنے سے جہاں بے اختیار غالب اور اقبال ذہن میں آتے ہیں ۔ وہاں اس بات کا ادراک بھی ہوتا ہے کہ شبلی کا فارسی ذوق کتنا بلند تھا ۔ حقیقت بھی یہی ہے اپنی فارسی غزلوں کے بعض مقطعوں کے مطابق شبلی بتاتے ہیں کہ انھوں نے سعدی ، حافظ ، نظیری ، ملک قمی ، نظیری اور صائب وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے ۔

جب ہم شبلی اور اقبال کے خطبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو جو مشترک بات ہمیں دونوں کے خطبات میں ملتی ہے وہ مغرب و مشرق کے علماء و فلاسفہ کے علم و فکر سے بھرپور آگاہی اور اسکا اسلام کے تناظر میں علمی و تحقیقی جائزہ ہے اقبال کی طرح شبلی بھی اپنی تحریرون میں علم کا بحر ذخار نظر آتے ہیں ۔ اگر آپ انکی گرانمایہ تصانیف اور خطبات :

اسلامی علوم و فلسفہ کی تاریخی ترتیب (ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسہ الہ آباد ۱۸۹۱ میں دیا تھا) ایجوکیشنل کانفرنس کی سالانہ رپورٹ پر ریمارک ، (کانفرنس کے جلسہ الہ آباد ۱۸۹۱) ، قدیم عربی نصاب کے نقائص ، علماء کے فرائض ، قدیم و جدید تعلیم ، تعصب اور اسلام ، (ایجوکیشنل کانفرنس دہلی ۱۹۰۳) ندوۃ العلماء کی ضرورت ، تحفظ اسلام ، الملل والنحل ، یادگار سلف ، تمدن اسلام ۔ وغیرہ کا مطالعہ کرین تو ایک طرف آپ انکی مورخانہ ، محققانہ ، عالمانہ اور مصلحانہ صلاحیتوں کو بے اختیار خراج تحسین پیش کرینگے ۔ اور دوسری طرف اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ شبلی کے بعد انکے پائے کا اگر کوئی محقق ، مفکر اور عالم مفکر حیات اسلامی پر ابھرا تو وہ اقبال تھا جس نے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں اپنے جید عالم و مفکر ہونے کا ثبوت دیا ہے ۔ اس پس منظر میں اگر ہم یہ کہیں کہ ایک کے خطبات پڑھتے ہوئے دوسرا بے اختیار ذہن میں آتا ہے تو غلط نہ ہوگا ۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ شبلی کی تبحر علمی سے بھرپور تحریریں اقبال کی خطبات نگاری کا محرک بنیں تو درست ہوگا ۔ اقبال کی علمیت شبلی کی عظمت

فکر کا اعتراف ھے ـ اسی بناء پر سید سلیمان ندوی سے مراسلت کرتے ہوئے تحقیقی و علمی پس منظر میں بار بار شبلی کا ذکر کرتے ھیں ـ ١٨ مارچ ١٩٢٦ کے مراسلے مین لکھتے ھیں :

"اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ھے کہ فقہ اسلامی
کی مفصل تاریخ لکھی جائے ـ اس بحث پر مصر میں ایک
چھوٹی سی کتاب شائع ھوئی تھی مگر افسوس کہ جن
مسائل پر بحث کی ضرورت ھے مصنف نے ان کو نظر انداز
کر دیا ھے ـ اگر مولانا شبلی زندہ ھوتے تو میں ان سے
ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا " (٤٥)

گویا اقبال کو شبلی کی محققانہ صلاحیتوں پر مکمل بھروسہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ شبلی ھی وقت کی اس سخت ضرورت کو بحقہ پورا کر سکتے تھے ـ

٢٢ ستمبر ١٩٢٩ کے مکتوب میں شبلی کے حوالے سے اقبال کو ایک تحقیقی مشکل آن پڑی ھے اسکا بیان کرتے ہوئے لکھتے ھیں :ـ

" الکلام (یعنی علم الکلام جدید) کے صفحہ ١١٣ـ١١٤ پر
مولانا شبلی رحمة الله علیہ نے حجة الله البالغة (صفحہ ١٢٣)
کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ھے ـ جسکے مفہوم کا خلاصہ
انھوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ھے ـ اس عربی فقرے کے آخری
حصے کا ترجمہ یہ ھے :

" اس بناء پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نھیں
کہ اشعار تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کے
عادات کا لحاظ کیا جائے جن میں یہ امام پیدا ھوا ھے
اسکے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چندان
سخت گیری نہ کیجائے " (٤٦)

مہربانی کر کے یہ فرمایئے کہ مندرجہ بالا فقرہ مین لفظ شعار سے کیا مراد ھے اور اس کے تحت میں کون کونسے مراسم یا دستور آتے ھیں ـ اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ھے .

اسی لفظ "شعائر" کی الجھن سلیمان ندوی کے جواب سے دور نہیں ہوئی تو اس عدم اطمینان کا اظہار ۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ کے خط میں یوں کیا ہے :

"شاہ صاحب نے اس فقرے میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے۔ مولانا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے۔ اردو ترجمے سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے" (۴۷)

مذکورہ دونوں خطوط سے ایک طرف تو شبلی کی علمیت، محققانہ اور عالمانہ صلاحیت اور زبان عربی پر انکی عالمانہ دسترس کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف اقبال کی بھی تحقیقی صلاحیتیں سامنے آتی ہیں ۔ اور معلوم ہوتا ہے ۔ کہ انکے یہاں لسانی شعور کس قدر گہرا تھا ۔ اور ایک ایک لفظ کی لسانی باریکی معنوی نزاکت اور مفہوم کی حقیقت کو بعینہ جان لینے کی کتنی تڑپ تھی ۔

اقبال شبلی کے عقیدت مند تھے ۔ شبلی سے اقبال کی محبت کا یہ عالم تھا کہ اقبال چاہتے تھے کہ کسی طرح شبلی نعمانی پنجاب میں منتقل ہو جائیں اس سلسلے میں انھوں نے عملاً کوشش بھی کی جسکا اظہار سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں یوں کیا ہے :

"مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں، میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزین ہو جائیں، مگر مسلمان امراء میں مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے" (۴۸)

اقبال کی شبلی سے یہ محبت فطری تھی اسلئے کہ عالم کی قدر عالم ہی جانتا ہے اولاً مولانا شبلی تو بلند پایہ ادیب و شاعر، پختہ فکر نقاد صاحب نظر مورخ اور متکلم تھے ۔ اور پھر یہ کہ جدید علم کلام کے بانی بھی تھے ۔ جس کی بنا پر انھوں نے اسلام کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی دیندارانہ کوشش کی تھی ۔ یہ وہی راستہ ہے جسے بعد میں اقبال نے بھی اختیار کیا ۔ اقبال کے خطبات انکے اس طرز فکر کے گواہ ہیں ۔ اقبال ایک متکلم کی حیثیت بھی اس طرز فکر کا پیش خیمہ ہے ۔ یہ شبلی سے اقبال کی اثر پذیری ہی تھی کہ اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے The Development of Metaphysics in Persia. میں ابن مسکویہ کے نظریہ ارتقاء پر علامہ شبلی کی تالیف "الکلام" سے ایک اقتباس نقل کیا ہے بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اقبال کے شبلی سے گہرے ذہنی، فکری علمی اور نظری روابط تھے ۔

اقبال اور شبلی کا یہ تعلق یکطرفہ نہیں تھا بلکہ شبلی بھی اقبال کی علمی ،فکری اور شعری صلاحیتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مسلمانوں کے بنیادی رہنماون میں شمار کرتے تھے۔ ان پر انتہائی شفقت و محبت کی نظر رکھتے تھے۔ اسکی روشن مثال اسوقت دیکھنے کو ملتی ھے جب اقبال کو قومی شاعری کی سند میں :

" دسمبر ۱۹۱۱ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل
کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ اقبال کو کانفرنس کے اجلاس
کی صدارت کیلئے دھلی مدعو کیا جائے اور انھیں خراج
تحسین پیش کرنے کیلئے مولانا شبلی انکے گلے مین پھولوں
کے ھار ڈالنے کی رسم ادا کریں " (۴۹)

مولانا شاہ سلیمان پھلواری کی زیر صدارت کانفرنس کی تیسری نشست مین جب سید سجاد حیدر یلدرم نے مولانا شبلی سے درخواست کی کہ وہ اقبال کو پھولوں کے ھار پہنائیں تو اس تقریب سے قبل شبلی نے جو مختصر تقریر کی اس سے اقبال کے بارے میں انکے گرانمایہ خیالات کا پتہ چلتا ھے ۔ مولانا شبلی نے کہا تھا :

" یہ رسم کوئی معمولی رسم نہین ھے اور اسکو محض تفریح
نہ تصور کرنی چاھیئے۔ ھم مسلمانوں کا یہ شعار رھا ھے کہ
ھم جس قدر قوم کی دی ھوئی عزت اور خطابات کی قدر کرتے
رھے ھین اتنی کسی اور عزت کی شہرت ھمارے ناموں کیساتھ
نہیں ھوئی ــــــــــــــــــــــــــــ
جو عزت قوم کی طرف سے آج ڈاکٹر اقبال کو دی جاتی ھے ۔
وہ انکے لئے بڑی عزت و فخـــــر کی بات ھے اور حقیقت میں
وہ اس عـــــــــزت کے مستحـــــــــق ھیـــــں : (۵۰)

اقبال کے بارے مین مستقبل بینی کا ثبوت دیتے ھوئے شبلی نعمانی کی نگاہ بصیرت افروز نے یہ رائے بھی دی تھی :

جب حالی اور آزاد کی کرسیاں خالی ھونگی تو لوگ اقبال
کو ڈھونڈ ین گے " (۵۱)

مھدی حسن کے نام ۱۶ جنوری کے خط میں اقبال کی عظمت فکر کا اعتراف یوں کرتے ھیں :

" جلسہ سالانہ ندوہ اپریل میں ہےاب کے خاص تیاریاں
ہیں ۔ ڈاکٹر اقبال اور قابل لوگوں کو بلایا گیا ہے " (۵۲)

ڈاکٹر اقبال کی قابلیت کی انفرادیت بدستور قائم ہے اسی طرح ۱۸ مارچ ۱۹۱۱ کے ابوالکلام آزاد کے نام ایک خط میں صوبے کے دیگر معززلوگوں کی فہرست میں اقبال کا نام یوں ہے :

" میں نے ہر صوبے کے معزز لوگوں کے نام پیش کئے ۔ کلکتہ
سے شمس الہدی ، مولوی یوسف اور آپ ہیں ، پنجاب
سے شفیع ، ڈاکٹر اقبال وغیرہ " (۵۳)

جب وقف اولاد کمیٹی کی طرف سے وائسرائے کی خدمت میں وفد بھیجانا تجویز ہوا تو شبلی کی نگاہ حکمت نے اقبال کی ملی و قومی عظمت کا اعتراف اس طرح کیا کہ مجوزہ کمیٹی کیلئے اقبال کا نام تجویز کیا ۔ اس ضمن میں اقبال کا ۱۲ جنوری ۱۹۱۲ کو لکھا گیا ایک خط شبلی نعمانی کے نام ملتا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں :

" افسوس کہ ڈیپوٹیشن میں شریک ہونے سے قاصر ہوں ۔ اگر
آپکا ارشاد ہو تو میں چوہدری شہاب الدین صاحب بی ۔ اے
وکیل چیف کورٹ سے دریافت کروں وہ نہایت قابل آدمی ہیں
اور اس کام کیلئے اہل " (۵٤)

آگے چل کر اقبال نواب ذوالفقار علی خان اور مسٹر محمد شفیع بیرسٹر لاہور کے نام تجویز کرنے کا ذکر بھی کرتے ہیں مگر شبلی نعمانی کی پسند خاطر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۔

دونوں کے درمیان محبت و مودت وعقیدت و احترام کا یہ تعلق تاحیات قائم رہا ۔ شبلی کی وفات کےبعد بھی اقبال علمی حوالوں سے انہیں قابل تقلید سمجھتے رہے ۔ یہ محبت و عقیدت ہی تھی کہ جب ۱۸ نومبر ۱۹۱٤ کو شبلی نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو اقبال نے

" مرحوم کی لوح مزار کے لئے یہ تاریخی جملہ تجویز کیا
امام الہند والا نژاد شبلی طاب ثـــــراہ " (۵۵)
۱۳۳۲ھ

شبلی کی وفات کا صدمہ ابھی کم نہیں ہوا تھا کہ فوراً بعد حالی بھی اس دنیا سے رخصت ہو

گئے ۔ اقبال نے قوم کے اس ناقابل تلافی نقصان پر " شبلی اور حالی " کے عنوان سے ایک قطعہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں :

خاموش ہو گئے چمنستان کے رازدار
سرمایہ گداز تھی جن کی نوائے درد
شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستان
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد
اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغبـــــان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

(٥٦)

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ـ	سید عابد علی عابد	شعر اقبال	۴۸	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۵۵ء
۲ـ	بشیر احمد ڈار (مرتب)	انوار اقبال	۷۰ـ۷۱	اقبال اکادمی کراچی	۱۹۶۹ء
۳ـ	علامہ سید سلیمان ندوی (مرتب)	کلیات اردو شبلی	۱۷۰	اردو اکیڈمی سندھ کراچی ـ	۱۹۸۵ء
۴ـ	شیخ عطاء اللہ (مرتب)	اقبالنامہ حصہ اول	۷۵	لاہور	۱۹۴۵ء
۵ـ	ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی	شبلی ایک داستان	۱۷	مکتبہ عارفین ڈھاکہ	۱۹۷۰ء
۶ـ	محمد دین فوق	ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال (مضمون)		نیرنگ خیال لاہور ستمبر اکتوبر	۱۹۳۲ء
۷ـ	دکتر محمد ریاض (مرتب)	کلیات فارسی شبلی نعمانی	شش	انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ـ	۱۹۷۷ء ۱۹۷۷ء
۸ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بانگ درا	۲۳۵		
۹ـ	دکتر محمد ریاض مرتب	کلیات فارسی شبلی نعمانی	شش		
۱۰ـ	ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی	شبلی ایک داستان	۲۰		
۱۱ـ۱۲ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بانگ درا	۱۰۴		
۱۳ـ	"	"	۱۰۵		
۱۴ـ	علامہ سید سلیمان ندوی مرتب ـ	کلیات اردو شبلی	۱۹۴		
۱۵ـ	"	"	۱۹۴		
۱۶ـ	شبلی نعمانی	دیوان فارسی	۱۲۴	مطبع معارف اعظم گڑھ	۱۹۳۴ء
۱۷ـ	سید عابد علی عابد	شعر اقبال	۵۶		
۱۸ـ	آل احمد سرور	تنقید کیا ہے	۸۲ـ۸۳	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۵۵
۱۹ـ	کلیم الدین احمد	اردو شاعری پر ایک نظر	۵۱		
۲۰ـ	دکتر محمد ریاض	کلیات فارسی شبلی نعمانی	ہشت ونہ		

حــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۲۱ـ	دکتر محمد ریاض	کلیات فارسی شبلی نعمانی	۱٤٥		
۲۲ـ	" "	" "	۱۲۸		
۲۳ـ	" "	" "	۱۳۹		
۲٤ـ	غالب	کلیات غالب	۹٥		
۲٥ـ	دکتر محمد ریاض	کلیات فارسی شبلی نعمانی	۱۲٤		
۲٦ـ	" "	" "	نہ		
۲۷ـ	آل احمد سرور	تنقید کیا ہے	۹۰		
۲۸ـ	ایس ایم جعفر		۷		
۲۹ـ	اختر وقار عظیم	شبلی بحیثیت مورّخ	۲۸	تصنیفات لاهور	۱۹٦۸ء
۳۰ـ	علامه سید سلیمان ندوی	کلیات شبلی اردو	۲٥	اردو اکیڈمی سندھ کراچی ـ	۱۹۸٥ء
۳۱ـ	شیخ عطاء الله مرتب	اقبالنامه حصه اول	۷٦		
۳۲ـ	علامه سید سلیمان ندوی (مرتب)	کلیات شبلی اردو	٥۱		
۳۳ـ	" "	" "	۹۹		
۳٤ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بانگ درا	۲۹۳		
۳٥ـ	"	" "	۲۹٤		
۳٦ـ	"	" "	۲۹۲		
۳۷ـ	"	" "	۲۲٥		
۳۸ـ	"	" "	۲۹۸		
۳۹ـ	مولانا شبلی نعمانی	خطبات شبلی	۱٥۸	مطبوعة معارف اعظم گڑھ ـ	۱۹٤۱
٤۰ـ	علامه سید سلیمان ندوی (مرتب)	کلیات شبلی اردو	۱٥۸ـ۱٥۹		
٤۱ـ	" "	" "	۱٥۹		
٤۲ـ	" "	" "	۹۸		

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٤٣ـ	علامہ سید سلیمان ندوی (مرتب)	کلیات شبلی اردو	۹۹		
٤٤ـ	" "	" "	۹۸		
٤٥ـ	شیخ عطاء اللہ مرتب	اقبال نامہ حصہ اول	۱٤۳		
٤٦ـ	" "	" "	۱٦۱ـ۱٦۲		
٤٧ـ	" "	" "	۱٦۳		
٤٨ـ	"	" "	۷٦		
٤۹ـ	محمد حنیف شاہد	اقبال کی زندگی کا ایک پہلو (مضمون)	۱۷۲	مطبوعہ ضیاع بار اقبال نمبر گورنمنٹ کالج سرگودھا ـ	۱۹۷۳ء
٥٠ـ	" "	" "	۱۷۷ـ۱۷۸		
٥۱ـ	" "	" "	۱۷۸		
٥۲ـ	سید سلیمان ندوی مرتب	مکاتیب شبلی حصہ دوم	۲۲۹		
٥۳ـ	" "	" "	۲٥۱		
٥٤ـ	شیخ عطاء اللہ مرتب	اقبالنامہ حصہ اول	۷۳		
٥٥ـ	محمد عبد اللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظرمین	۸۸	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۷ء
٥٦ـ	اقبال	کلیات اقبال اردو بانگ درا	۲٥۰		

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

نادر کاکوروی

پیدائش : ۱۸٦۷
وفات : ۱۹۱۲

پاس والوں کو تو آخر دیکھنا ہی تھا مجھے
نادر کاکوروی نے دور سے دیکھا مجھے
نادر و نیرنگ ہیں اقبال میرے ہمصفیر
ہے اسی تثلیث فی التوحید کا سودا مجھے (۱)

" تثلیث فی التوحید " اور " ہمصفیر " کے الفاظ و القاب اس بات کو بخوبی واضح کرتے ہیں کہ اقبال نادر کاکوروی کو کس پائے کا ہمنوا اور دوست سمجھتے تھے ۔ اگرچہ اس دوستی میں فاصلے ہی فاصلے تھے ۔ بقول اقبال " دور سے دیکھنے کا عمل " ان اشعار میں جہاں نادر کاکوروی کی مردم شناسی اور نگاہ بصیرت کی داد دی گئی ہے وہاں اقبال نے تعلی کا رنگ بھی اختیار کیا ہے ۔

نادر کاکوروی نے اقبال سے تقریبا دس سال پہلے ۱۸٦۷ میں اس بزم خیر و شر میں وجود لیا ۔ ان کا پورا نام شیخ نادر علی عباسی ہے کیونکہ کاکوروی کے مشہور عباسی خاندان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے اسی نسبت سے کاکوروی کہلائے ۔ نادر شاعرانہ فطرت قدرت سے ودیعت کی گئی تھی اس لئے شاعری میں خاصی دسترس حاصل کی ۔

نادر کی شاعری اور انکے طرز فکر و طرز احساس کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نادر اچھے خاصے پڑھے لکھے اور قابل انسان تھے ۔ فراخ نظری اور شگفتہ مزاجی انکی فطرت میں تھی انگریزی نظموں کے ترجمے بتاتے ہیں کہ انگریزی زبان سے بھی انہیں خاص واقفیت تھی ۔ اسکے ساتھ حالی اور آزاد کی نیچرل شاعری کی تحریک کے زیر اثر وطنی قومی اور ملی جذبات کا گہرا شعور و احساس بھی انکے یہاں موجود تھا جو ملت پرستی یا قوم پرستی کی حدوں کو چھوتا نظر آتا ہے مثلا انکی نظم " گم شدگان سلف " کے پہلے بند کے دو اشعار ملاحظہ ہوں :

ہمارے ہزاروں بزرگان نامی
ہزاروں معزز مقدس گرامی
ہزاروں عراقی ، حجازی و شامی
کہ تھے قوم ، ملک اور مذہب کے حامی (۲)

آپ اس پوری نظم کو پڑھ جائیے آپ کو فکر ، احساس اور مقصد کے حوالے سے بے اختیار حالی اور اقبال یاد آئیں گے ۔ انکی نظم " کتب بینی " جو اقبال کی طویل نظموں کی ہیت کی طرح ترکیب بند کی صورت میں ہے اس میں بھی شاعر موجودہ نسل کو اپنے اسلاف کے کارنامے انکی بیلوث خدمات ، انکی شفقت و محبت ، انکی ملّت پرستی علم و فن میں یکتائی ، انکی بلند حوصلگی اور کشادہ دلی اور دین برحق سے بے پناہ محبت کے تذکرے سناتا ملتا ہے تاکہ اخلاف میں جوش عمل بیدار کیا جائے ۔ حالی نے بھی انھی خطوط پر کام کیا تھا اور اقبال بھی حالی کے انھی ملی بقا کے مقاصد کو زیادہ جوش و خروش اور زیادہ ارتقائی انداز میں لیکر آگے بڑھے تھے ۔ نادر بھلا حالی اور آزاد کے زیر اثر اپنے ملی و قومی تشخص کے تنزل سے بے خبر کیسے رہ سکتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نادر کو اپنا ہمصفیر اور ہم آواز کہہ کر پکارتے ہیں ۔

یہ درست ہے کہ اقبال کا سا پرجوش ، شغاف اور آفاقی لب و لہجہ غالب کو چھوڑ کر اقبال سے پہلے اور اقبال کے بعد کسی کو میسر نہیں آیا ۔ نادر کاکوروی کا لہجہ بھی دھیما سادہ اور سلیس ہے ۔ انکا طرز اظہار یا انکا لب و لہجہ حالی اور آزاد کے قریب تر ہے ۔ اسلئے بھی کہ نادر ، حالی اور آزاد کے زیر اثر قومی مقاصد اور نیچرل طرز اظہار اور طرز فکر کے تحت شاعری کر رہے تھے ۔ جس میں تخیئل اور جوش سے زیادہ صاف اور حقیقت پسندی اور واقعیت نگاری کو دخل تھا ۔ حالی اور آزاد کی اس تحریک کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ :

> " اردو شاعری کو زندگی کے حقائق اور واقعات سے
> قریب لایا جائے ، اور تصنع اور تکلف کو ترک کر دیا
> جائے ۔ تشبیہہ اور استعارے کی بنیاد عام زندگی کے
> مشاہدات پر رکھی جائے تاکہ شاعری زیادہ موثر ہو سکے " (۳)

یہی وہ مقصد ہے جسکے سبب نادر کی شاعری جذبات کے اظہار سے زیادہ سادگی اور سادہ بیانی کا مرقع بن گئی بقول ممتاز حسن :

> " حالی اور آزاد نے جس شاعری کو نیچرل شاعری کا نام
> دیا تھا نادر نے اس میں فطری جذبات اور ایک دلچسپ
> طرز ادا کا اضافہ کیا ۔ نادر بلا شک و شبہ حالی اور
> آزاد کی تحریک کے گل سرسید تھے "

دراصل لہجے کے جوش و خروش یا دھیمی لے میں تخلیق کار کی افتاد طبع کا بھی بہت عمل دخل ہوتا ہے ۔ پرجوش مزاج پرجوش و پرتموج شاعری کو جنم دیتے ہیں اور دھیمی فطرت دھیمے طرز اظہار کو وجود دیتی ہے ۔ یہی کچھ نادر کاکوروی کی شاعری پر بھی اثر انداز ہوا

مشرقی ادب و ثقافت اور تہذیب و معاشرت پر مغربی تہذیب کے مہلک اثرات سے اقبال کی طرح نادر بھی پر تشویش نظر آتے ہیں وہ جب اپنے حال کے آئینے میں مشرق کے مستقبل کو دیکھتے ہیں تو انھیں فطری طور پر اسلامی تشخص ماند پڑتا دکھائی دیتا ہے ۔ ایسے میں انکے لہجے میں اکبر الہ آبادی کی سی کاٹ داری بھی آ جاتی ہے مثلا :

یہ وضع قومیت آئندہ رخصت ہونے والی ہے
نئی تہذیب سے تجدید ملت ہونے والی ہے
کمیشن کر رہا ہے غور تفریق مذاہب پر
بھلی ہو یا بری ترمیم ملّت ہونیوالی ہے
پلے پڑتے ہیں ہندی اسطرح تقلید یورپ پر
کہ گویا ان کی یورپ پر حکومت ہونیوالی ہے (٥)

نادر کی بعض نظموں کے عنوان بھی اقبال سے ملتے جلتے ہیں مثلا جب " شعاع امید ، شاعر کا دل ، شمع مزار ، پروانہ و شمع ، اور مرحومہ کی یاد میں ، وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو بے اختیار اقبال کی بانگ درا کی نظموں کے درج ذیل عنوانات ذہن میں آتے ہیں :

" شعاع آفتاب ، شاعر ، شمع ، شمع و پروانہ اور " والدہ مرحومہ کی یاد میں "

وطنی محبت کے حوالے سے بھی اقبال اور نادر ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اقبال کی بانگ درا ، کی نظم " ترانہ ہندی " اس کی واضح مثال ہے ۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب اقبال وطنی قومیت کے قائل تھے ۔ مگر جیسے جیسے برصغیر کے حالات بدلتے گئے اور قومی عصبیت کے مقابلے میں مذہبی عصبیت سر اٹھانے لگی ۔ تو اقبال کی حکیمانہ سوچ خدا بینی فکر رسا کو از سر نو دریافت گیا تو دنیا میں صرف دو ملتیں نظر آئیں ایک ملت کفر اور دوسری ملت اسلامیہ ۔ اقبال کے اپنے الفاظ میں :

" امت مسلمہ کے مقابل میں تو صرف ایک ہی ملت
ہے اور وہ الکفر ملّۃ واحدۃ کی ہے " (٦)

آگے چل کر اقبال کی شاعری اسی دو قومی نظریے کی حامل دکھائی دیتی ہے ۔ تاہم نظم ترانہ ہندی میں ہندوستان کیلئے اقبال کے وہ شدید اور انتہائی جذبات نہیں تھے ۔ جو نادر کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ وہ ہندوستان کو " مقدس سرزمین " کے عنوان سے یاد کرتے ہیں انکے نزدیک ہندوستان روحانیت کا علمبردار ہے کیونکہ اس میں رشیوں نے تناسخ کا چراغ لگایا تھا ، اسکے بندر بن سے ہو

حق کا خروش اٹھا تھا ، کنھیا اور کرشن اس دھرتی سے تعلق رکھتے تھے ، اسکی گو کل میں بانسری بجنے کی دھن آج بھی سنائی دیتی ہے ، گو تم اور گوپی چند اسی سرزمین کے پروردہ تھے ۔ سعدی و والمیک کی یہ سیرگاہ ہے اور خسرو جیسا عظیم شاعر اسی دھرتی کی عظمت کا امین ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ عرب کے بعد اسی سرزمین میں نور حق پرست کے جلوے دکھائی دیتے ۔

جبکہ اقبال نے ترانہ هندی ، میں صرف فطری مناظر کے حوالوں سے سرزمین هندوستان کی تعریف کی مگر وہ بہت جلد هی

هندی هیں هم وطن ہے هندوستان همارا (۷)

کے خیال سے آزاد هوکر "ترانہ ملی ، کی صورت میں یہ لا محدود بے کنار وسعتوں کا حامل نعرہ لگاتے هیں :

چین و عرب همارا هندوستان همارا
مسلم هیں هم وطن ہے سارا جہاں همارا (۸)

اقبال نے بعض مغربی نظموں کے خیالات اخذ کر کے انھیں اردو میں ترجمہ کیا ہے مثلا ضرب کلیم کی نظمیں " یورپ " (ماخوذ از نطشہ) اور " شیر و شتر " (ماخوذ از جرمن) وغیرہ ایسی هی نظمیں هیں ۔ نادر کاکوروی نے بھی مغربی ادب سے اپنی شاعری کو مزین کیا مگر انھوں نے خیال اخذ کرنے کی بجائے انگریزی نظموں کے تراجم کیے هیں ۔ اور ان تراجم کو اپنی صلاحیتوں سے وہ تاثیر دی ہے کہ یہ نظمیں ترجمے سے زیادہ تخلیق معلوم هوتی هیں ۔ مثلا ولیم شیکسپئر اور رابرٹ ساوتھی کی خواب اور بیچینی سے متعلق نظمیں جنکا ترجمہ نادر کاکوری نے " خواب نوشین " کے نام سے کیا ہے ۔ اس نظم کی اشاعت کے موقعہ پر منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ ۲۲ اگست ۱۹۰۱ کے حاشیہ میں لکھتے هیں :

" همارے مہربان منشی نادر علی خان صاحب نادر
نے ایک نفیس نظم بھیجی ہے ـــــــ همارے ناظرین
جو لذت سخن کا چسکا رکھتے هیں اور انگریزی شاعری
کے دلدادہ هیں اردو لٹریچر کی ترقی کی غرض سے
اس طرف توجہ فرمائیں " (۹)

" مرحومه کی یاد میں ، اور "گزرےهوئے زمانے کی یاد " بھی ٹامس مور کی نظموں کےترجمے هیں
نظم "گزرےهوئے زمانےکی یاد " پر ممتاز حسین یوں تبصرہ کرتےهیں :

"گزرےهوئے زمانے کی یاد " نه صرف نادر کا بہترین
ترجمه هے بلکه اسے اردو شاعری کا بہترین ترجمه کہنا
چاهیے " (۱۰)

ٹامس مور هی کی ایکمشہور کتاب "لائٹ آف دی حرم" کی طرز پر اپنی مثنوی "لاله رخ"
لکھی جو انکے شعری مجموعه جذبات نادر میں محفوظ هے ۔

نادر کاکوروی کی ان نظموں کے علاوہ بھی کئی ایک قابل قدر اور یادگار نظمیں هیں ۔
مثلا " رات کے بےچین لمحے " " اکثرشب تنہائی میں " کو بی اے اردو اعلی کے جدید
نصاب میں شامل کیا گیا هے ۔ اس سے بھی انکی نظموں کی اهمیت کا اندازہ هوتا هے ۔

نادر کاکوروی کی شاعری پر تبصرہ کرتےهوئے عبد الحلیم شرر کہتے هیں :

" حضرت نادر نےکوشش کی هےکه انگریزی شاعری کے لطیف
مذاق کو اردو میں پیدا کریں ـــــــــــــــــــــــــ
ـــــــــ حضرت نادر نے شعرائے اردو کی ایک نئے
میدان میں رهبری کی هےاور ایکبہت وسیع حد تککامیاب
هوئے هیں لہذا قدر دانان ادب اردو کو انکا شکـر
گـــــــــــــــــــــــزار هونا چاهیے" (۱۱)

ڈاکٹر گراهم بیلی اپنی کتاب " اردو ادب کی تاریخ " میں نادر کی انگریزی دانی کا یوں اعتراف
کرتے هیں :

" نادر ، سرور کے مقابلے میں انگریزی بہت اچھی
جانتے تھے اور یورپ کی شاعری کا اثر بھی ان پر زیادہ
تھا ۔ " (۱۲)

بہر حال یه کہنا درست هوگا که اقبال انگریزی کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو بھی سمجھتے تھے ۔
جبکه نادر کاکوروی صرف انگریزی زبان هی سے واقفیت رکھتے تھے ۔ تاهم مغرب اور مغربیت سے با خبری

دونوں کے یہاں پائی جاتی ہے عبد اللہ قریشی نادر کاکوروی کی شاعرانہ صلاحیتوں کا یوں اعتـــــراف کرتے ہیں :

" نادر نے آزاد اور حالی کے لگائے ہوئے نظم جدید کے
پودے کی خون دل سے آبیاری کی اور مغربی خیالات اور
انگریزی زبان کی لطافتوں کو نہایت سلیقے اور ہنر مندی
سے اردو میں سمونے کی کامیاب کوشش کی " (۱۳)

نادر کاکوروی نے ۱۹۱۲ میں پینتالیس سال کی عمر میں خناق کے مرض سے وفات پائی ۔ کیونکہ بحالت علالت انکی گردن پر نشتر سے شگاف دیئے گئے تھا ۔ اسی لئے اپنے ایک خط میں صفیر بلگرامی کو بزبان شعر اپنا حال یوں سناتے ہیں :

ہوتے ہیں بیمار سب پر تم نے ساد ھی ایسی چپ
حال بھی کہتے نہیں تم اپنا نادر صاف صاف
ہائے میں کمبخت حال اپنا کہوں تو کیا کہـــوں
ایک زخم اندر گلے کے اور ایک باھـــر شـــگاف (۱٤)

مذکورہ اشعار شدت تکلیف کے بیان کے باوجود نادر کی بلند حوصلگی ، شگفتہ مزاجی اور شاعرانہ روح کی موجودگی کا پتہ دیتے ہیں ۔ صفیر بلگرامی نے اپنے ایک تعزیتی مضمون میں نادر کاکوروی مرحوم کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں :

" حضرت نادر اس صوبے میں طرز جدید کے ایک
نامور شاعر تھے ـــــــــــ حب الوطنی کے ...
آپ نے خوب نظم کئے ۔ جن کو پڑھ پڑھ کر لوگ
سر دھنتے رہیں گے ۔ (۱۵)

افسوس کہ صفیر بلگرامی کی یہ پیش گوئی کچھ زیادہ درست ثابت نہ ہو سکی پڑھ کر سر دھنسنا تو درکنار محمد عبد اللہ قریشی کے الفاظ میں :

" اتنا کچھ کہنے کے باوجود ان کی آواز صدا بصحرا ثابت
ہوئی اس کو اگر کسی نے پہچانا تو وہ صرف اقبال کا
دل درد مند اور ذوق آشنـــائی تھا " (۱٦)

حقیقتاً نادر کاکوروی ایک بے چین دل رکھتے تھے اور اپنے فکر و فن سے زمانے کی روش میں تبدیلیاں لانا چاہتے تھے ۔ اقبال کا سا مضطرب دل انکے یہاں بھی موجود تھا ۔ اگرچہ دونوں کے درمیان باہمی خط و کتابت کا تو سراغ نہیں ملا تاہم دونوں میں روحانی دوستی موجود تھی ۔ دونوں ہی کی نظمیں شیخ عبد القادر مرحوم کے مخزن میں چھپتی تھیں جس سے ایک دوسرے کے فکر و فن اور مزاج کو سمجھنے کا موقع ملا ۔ اور اقبال کو تثلیث فی التوحید ، کا اقرار کرنا پڑا ۔

تاہم تمام تر اضطراب دل کے باوجود وقت اور حالات نے اور اس پر ستم یہ کہ جوان مرگی نے وہ کچھ نہ کرنے دیا جسکی وہ آرزو رکھتے تھے ۔ انکی خواہش تھی ۔

خـــم خانے میں میـرے جشن احباب رہے
محفل میں میری دور نـــــاب رہـــے
ایسا اِک باغ لگا جـــاؤں کـــــہ وہ
پھولے پھلے اور ہمیشہ شـــــــاداب رہے (۱۷)

مگر ایسا نہ ہو سکا اور نادر وہ کچھ نہ بن سکے جو وہ اپنی صلاحیتوں کے بل پر شعر و ادب کی دنیا میں بننا چاہتے تھے ۔ ممکن ہے آنے والا کوئی زمانہ اقبال کی ہمصفیری کے حوالے سے انھیں از سر نو زندہ کر دے ۔

×××

حـــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱ـ	سید عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	۴۱۷ـ۴۱۸	آئینہ ادب لاہور	۱۹۶۶ء
۲ـ	نادر کارکوروی (مرتب ممتاز حسن)	جذبات نادر	۳۰۲	اردو اکادمی سندھ کراچی ـ	۱۹۶۱ء
۳ـ	" "	" "	۳	" "	" "
۴ـ	ممتاز حسن ـ مرتب ـ	جذبات نادر	۱۱	" "	" "
۵ـ	نادر کاکوروی " مرتب ممتاز حسن	" "	۲۶۰	" "	" "
۶ـ	سید عبد الواحد معینی	باقیات اقبال	۲۶۴	آئینہ ادب لاہور	۱۹۸۸ء
۷ـ	اقبال	کلیات اقبال (بانگ درا)	۱۰۹	اقبال اکادمی پاکستان لاهــــور ـ	۱۹۹۰ء
۸ـ	"	" "	۱۰۹	نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ـ	
۹ـ	منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ نیچ	حاشیہ اودھ نیچ			۲۲ اگست ۱۹۰۱ء
۱۰ـ	ممتاز حسن (مرتب)	جذبات نادر	۶		
۱۱ـ	عبد الحلیم شرر	اداریہ		رسالہ دلگداز لکھنو	
۱۲ـ	ممتاز حسن مرتب	جذبات نادر	۱۰		
۱۳ـ	محمد عبد اللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظرمین	۶۱	مجلس ترقی ادب لاهور	
۱۴ـ	ممتاز حسن مرتب	جذبات نادر	۳۴۴		
۱۵ـ	" "	" "	۳۴۴		
۱۶ـ	محمد عبد اللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظرمین	۶۲		
۱۷ـ	ممتاز حسین مرتب	جذبات نادر	۲۷۴		

ـ*********************ـ

مرزا محمد ھادی عزیز لکھنوی

پیدائش : ۱۸۸۲
وفات : ۱۹۳۵

قوت ابداع ھے ھر شعر میں میرے عزیز
فیض پہنچا ھے مجھ شیراز اور کشمیر سے (۱)

گویا عزیز لکھنوی کو یقین تھا کہ انکی شاعری جدت ادا اور ندرت خیال کی شاعری ہے جس میں شیراز کا رنگ بھی شامل ھے اور کشمیری اسالیب سخن سے بھی فیض حاصل کیا گیا ھے ـ در اصل عزیز لکھنوی کے آباؤ اجداد شیراز سے کشمیر اور پھر ھندوستان آئے تھے مرزا ھادی عزیز نے اسی طرف اشارہ کیا ھے ـ اس سبب انکی شاعری میں لکھنؤ ، دھلی ، شیراز اور کشمیر کے رنگ کچھ اس طرح ایک جان ھو گئے کہ عزیز لکھنوی کی انفرادیت نمایاں ھوکر سامنے آ گئی ـ زبان و بیان پر انکی قدرت مسلمہ ھے ان کے دور کے دیگر زعما نے کھلے دل سے انکی لسانی عظمت کا اعتراف کیا ھے ـ

انکی شاعری کے دو مجموعے " گلکدہ " اور " صحیفہ " کے نام سے جانے جاتے ھیں جب ھادی عزیز لکھنوی کا مجموعہ " گلکدہ " پہلی بار ۱۹۱۸ میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ھوا تو اقبال نے عزیز لکھنوی کی فنکارانہ عظمت کو یوں سراھا :

" موجودہ ادبیات اردو کی نظر حقائق پر ھے اور یہ مجموعہ غزلیات اس نئی تحریک کا بہترین نمونہ ھے غزل میں جو خوبیاں ھونی چاھیں عزیز کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ھیں ــ ارباب ذوق لطف زبان اور فن کلام سے لطف اندوز ھوتے ھیں " (۲)

جب دوسری بار ۱۹۳۱ میں یہی مجموعہ صدیق بکڈپو لکھنؤ نے شائع کیا تو اس پر :

" اقتباس آراء " کے عنوان سے جہاں شمس العلماء مولانا السید نا ناصر حسین ، شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن ، شمس العلماء مولانا عبد المجید صاحب فرنگی محل ، مولانا شیخ فدا حسین علامہ آقا سید احمد استرآبادی ، زبدۃ العلماء جناب مفتی سید محمد علی صاحب ، لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی ، مولانا

ابو الکلام آزاد ،عبد الحیم شرر ، صفی لکھنوی ، ذکی
جائسی ،مولانا ظفر علیخان ،مولانا عبد الماجد دریا آبادی
پروفیسر مرزا رسوا محسوی لکھنوی اور دل شاھجھانپوری نے
اپنی گرانقدر آراء دیں " (۳)

وھاں اقبال نےایکبار پھر اپنےخیالات کا اظہار کرتےھوئے انکی شاعرانہ بڑائی کا یوں اعتراف کیا :

" میں آپکےکلام کو ھمیشہ بنظر استفادہ دیکھتا ھوں "

گلکدہ " کا پہلا شعر اقبال کو بہت پسند آیا اسی تحریر میں اس شعر پر یوں تبصرہ
کرتے ھیں :

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ھی نہیں عالم تیری انگڑائی کا

سبحان الله یہ بات ھر کسی کو نصیب نہیں ——
—— آپکے کلام کی جدت حیرت انگیز ھے
کیوں نہ ھو آخر خاک پاک شیراز وکشمیر
سےآپکی نسبت ھے (٤)

مرزا ھادی عزیز کا مذکورہ شعر اقبال کی حس شاعرانہ اور نگاہ فن شناس کو کچھ اسقدر پسند
آیا — کہ اقبال نے اسکے بارے مین بار بار پسندیدگی کا اظہار کیا ھے — اس شعر کے فنی محاسن
کے بارےمین مجید ملک سےیوں گفتگو کرتے ھیں :

" مجھے یہ شعر بہت پسند ھے فنی لحاظ سے
اچھا ھے خیال مین جدت ھے— پڑھنے والے کی
آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ھے " (٥)

لسانی اور موضوعاتی اعتبار سے اقبال نےگلکدہ کو کس نظر سے دیکھا اس کا اندازہ انکی اس رائے
سےھوتا ھے —

" میں نے اسے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان آنرز آن
اردو کے نصاب مین داخل کرنےکی تجویز کی ھے " (٦)

اب ذرا مرزا هادی عزیز لکھنوی کےان شعری محاسن پر ایک نظر ڈال لی جائے جسکے اقبال معترف هیں ۔

اگرچه هادی عزیز کی ذهنی تعمیر میں شیراز و کشمیر کو بھی کسی حد تک دخل هے تاهم لسانی اور تہذیبی اعتبار سے ان کا تعلق سرزمین لکھنؤ سے هے اسی نسبت سے وہ لکھنوی کہلانا پسند کرتے هیں ۔ سرزمین لکھنو جسے ادب کی دنیا میں باقاعدہ ایک داستان کا درجه حاصل هے ۔

اس معاملے میں وہ سرسید کے هم قسمت هیں که ابتدائے عمر میں وہ بھی یتیم هو گئے تھے ۔ والدہ کی ذهانت و فطانت اور اعلی تربیتی صلاحیتوں نے هادی عزیز کے شعور کی ایسی تربیت کی که وہ شخصی و لسانی اور ادبی و فنی دونون مقامات پر قابل قدر سمجھےگئے اگرچہ سرسید کی طرح ایک مکمل دبستان تو نه بن سکے مگر اردو شعر و ادب کی دنیا میں" لسان الهند " کے لقب سے معروف هوئے ۔ یه کوئی معمولی بات نہیں تھی ۔

اگرچه اقبال کی هادی عزیز کیساتھ باقاعدہ خط و کتابت تو نہیں ملتی ۔ لیکن باهمی احترام و محبت کا رنگ صاف صاف نظر آتا هے اقبال کی طرح ابتداء میں عزیز لکھنوی کا پیشه درس و تدریس تھا فرق یه تھا که عزیز امین آباد کے هائی سکول میں فارسی کے مدرس تھے ۔ اور اقبال نے فلسفه ،عربی اور تاریخ کی تدریس ایم-اے ۔او کالج میں کی تھی ۔

مرزا هادی عزیز لکھنوی کیونکه ایک عالی نسب اور پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے اپنی ان علمی صلاحیتون سے شعر کی نوک پلک درست رکھنے کی شعوری کوشش کی ۔ یہی وجه هےکه انکی شاعری مین علمی رکھ رکھاؤ، واقعیت اصلیت اور سادگی کے انداز نمایاں هیں مزید یه که :

" کلام مین زور ،ترنم اور دلکشی هے ۔ سلاست و نفاست
اور صفائی ان کے فن کی خصوصیات هیں " (٧)

مرزا هادی عزیز نےاساتذہ کے کلام سے بھرپور استفادہ کیا ۔ اور اپنی شاعری میں دهلی اور لکھنؤ دونون دبستانون کے اسالیب فکر کے تجربے کئے ۔ یه وہ زمانه هے جب مذکورہ دونوں دبستان اپنی اپنی انفرادیت کو باهمی امتزاجیت میں تبدیل کرتے نظر آتے هین کیونکه :

غدر کیبعد جب نواب یوسف علیخان اور نواب کلب علی خان کی قدر دانیوں نے رام پور کو اساتذہ لکھنؤ ، و اساتذہ دھلی دونوں کی شاعری کا مرکز بنا دیا اور انکی فیاضانہ کشش نے مومن ، غالب داغ ،اسیر ،امیر ، منیر ، سحر ،قلق ، تسلیم ، حیا اور جلال وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر دیا تو دلی اور لکھنؤ کے یہ دونوں اسکول ایک دوسرے سے قریب ھوگئے اور ایک کا دوسرے پر اثر پڑنے لگا " (۸)

مرزا ھادی عزیز کے فن میں دھلی اور لکھنؤ اپنی انفرادیت کے ساتھ بھی موجود ھیں اور امتزاجیت کے رنگ میں بھی لیکن انکے مجموعون کا مطالعہ بتاتا ھے کہ لکھنوی ھونے کے باوجود لکھنویت کے رنگ برائے نام ھیں ـ " گلکدہ " اور "صحیفہ " آپ دونوں دیکھ جائیے اس میں تکلف ، تصنع ، قافیہ پیمائی اور محض لفظی بناوٴ سنگھار کی بجائے دلی کی سی معنی آفرینی ، سادگی ، پرکاری اور پر اثر اسلوب بیان زیادہ نمایاں نظر آتا ھے ـ اسی لئے عبد السلام ندوی کہتے ھین :

" ان کا کلام اول سے آخر تک دلی کے رنگ کا ایک عمدہ نمونہ ھے " (۹)

عزیز لکھنوی کا نمونہ کلام ملاحظہ ھو :

شوق نے کھہ کھہ کر یہ پہنچایا آخر قبر تک
دو قدم بس اور آگے کو لے دلبر رہ گیا (۱۰)

جب کوئی ظلم وہ ایجاد کیا کرتے ھیں
عمر رفتہ تجھے ھم یاد کیا کرتے ھیں (۱۱)

عزیز کی غزل کو اصلاحی تحریک اور نئے حالات نے بھی متاثر کیا ھے تاھم انکی غزل پر غالب اور مومن کے اثرات کافی گھرے ھین ـ وہ ندرت خیال اور رفعت فکر مین غالب کے پیروکار ھیں ـ انھیں اپنی زبان میں الفاظ کو نظم کرنے کا سلیقہ خوب آتا ھے ـ مومن کی نزاکت خیال اور میر کی سادگی و سوز وگداز کو بھی انھون نے اپنانے کی کوشش کی ھے انھوں نے :

" غالب سے خیال کی گھرائی لی اور میر کی سادگی کو زندہ کیا ، مگر ان کے تغزل کی اصل بنیاد غالب کی فکر اور مومن

کی نزاکـــت خیالــــے ھے " (۱۲)

عزیز کے یہاں غالب کا رنگ ملاحظہ ھو :

ســـوز غم سے اشک کا ایک ایک قطــرہ جل گیا
آگ پانی میں ایسی لگی کہ دریا جـــــل گیا (۱۳)

میر کی سادگی کا رنک ملاحظہ ھو :

یہ مختصــر سی ھے میری سوانح عمری
ھمیشہ وقف ستم ھائے روزگار رھــــا (۱٤)

عزیز کے یہاں مومن کی نزاکت خیال دیکھئے :

میں تـــو بیھوش ھوا ذوق نظـــر سے اپنـــی
تیری تاثیر تھی اے جلـــــوہ جانانـــہ جـدا (۱٥)
آگے خدا کو علم ھے کیا جانے کیـــا ھـــــــوا
بس انکے رخ سے یاد ھے اٹھنـــا نقـــاب کا (۱٦)

اپنے اسلوب بیان اور مخصوص شعری محاسن کی وجہ سے عزیز لکھنوی کو اپنے دور میں استاد کا درجہ حاصل تھا دور و نزدیک سے نو مشق حضرات آپکی شاگردی مین داخل ھوتے تھے ۔ یہی وجہ ھے کہ داغ کی طرح انکے شاگردوں کی فہرست طویل ھے چند ایک نام ملاحظہ ھوں :

" محبوب جناب راجہ محمد امیر احمد خان صاحب بہادر
(محمود آباد) محب جناب مہاراج کمار محمد امیر حیدر
خان صاحب محمود آباد جگت موھن لال صاحب روان ،
نواب مرزا جعفر علی خان صاحب اثر (لکھنؤ) ۔ شبیر حسن
خانصاحب جوش (ملیح آباد) گوپی ناتھ صاحب امن
(لکھنو) ، سید علی صاحب آشفتہ (لکھنو) ادیب صاحب
(لکھنؤ) جگر صاحب (بریلی) اور مرزا تصدق
حسین صاحب (جائس ضلع رائے بریلی) " (۱۷)

یہ تو چند ایک نام ھیں تاھم ان کے شاگردوں مین سے بیشتر آگے چل کر شہرت کی بلندیوں

پر پہنچے" خم خانہ جاوید " کے مصنف لکھتے ہیں :

لکھنو میں شعراء کی ایک نئی اور نوجوان نسل آپ
ہی کے دم سے قائم ہوئی ـــــــ جس نے رسالہ معیار
کے ذریعے ادب کی اشاعت اور مذاق عامہ کی اصلاح میں
نمایاں کردار ادا کیا " (۱۸)

عزیز کم آمیز اور خاموش طبع انسان تھے جسکے سبب کچھ لوگوں کو انکے مغرور اور متکبر ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا ۔ مگر انکے دوستوں کی کثرت انکی شگفتہ مزاجی کی دلیل ہے اور شاگردوں کی کثیر تعداد اس بات کی گواہ ہے ۔ کہ عزیز لکھنوی انسان دوست ، شفیق اور محبت کرنے والے انسان تھے ۔ اقبال سے بھی انکی ذہنی قرابت کا یہی سبب تھا ۔

اقبال کو مرزا ہادی عزیز لکھنوی کا کس قدر احساس تھا اور وہ انکی خواہش کو کتنی اہمیت دیتے تھے اسکی مثال ۱۹ اکتوبر ۱۹۲٤ کے خط مین ملاحظہ ہو جو انھوں نے گرامی کے نام لکھا ہے :

" ابھی مرزا صاحب (محمد ہادی عزیز) کا خط لکھنؤ سے
آیا ہے ۔ وہ لکھتے ہین کہ مولانا گرامی سے میرا تعارف کرا
دیجیئے یہ عریضہ ان کی معرفی کیلئے لکھتا ہوں ۔ وہ
آپ کی خدمت میں خط لکھیں گے ان کو ضرور جواب
دیجئیگا " (۱۹)

لکھنوی تہذیب و ادب اور زبان و بیان کے آئینہ دار ہیں ۔ اس لئے زبان کے استعمال کا سلیقہ ان سے بہتر کون جان سکتا ہے ۔ اس ضمن میں جب ماسٹر طالع محمد نے اقبال کو عربی لفظ شفقت ، کے تلفظ کے بارے میں رائے طلب کی تو آپ نے بلا جھجک انھیں جواب دیا :

" جس قسم کی تحقیق زبان آپ کو مطلوب ہے افسوس کہ
میں اس میں آپ کی کوئی امداد نہیں کرسکتا اس بارے
میں آپ مرزا یاس عظیم آبادی ایڈیٹر " کار امروز " لکھنؤ
اور مرزا عزیز لکھنوی سے خط و کتابت کریں " (۲۰)

یہ تو مسلمہ ہے کہ مرزا ہادی ہندوستان میں اپنے دور کے نامور شاعر تھے ، داغ کی طرح اصلاح شعر کرتے تھے ۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی اس لئے کسی بھی تخلیق کے بارے میں صائب الرائے سمجھے جاتے تھے انکی جوہر شناسی اقبال کو کس پائے پہ دیکھتی ہے اسکی ایک جھلک ملاحظہ ہو :

جب اقبال کی معرکہ آراء مثنوی اسرار خودی ، کے بارے میں متنازع قسم کی آراء سامنے آ رہی تھیں تو شوکت حسین جو تعلیم و تہذیب میں علیگڑھ کے پروردہ تھے اور جنہیں ڈاکٹر رحیم بخش شاہین " اقبال کا ایک گمنام ممدوح " کہتے ہیں مثنوی کے بارے میں " خطاب بہ اقبال " کے نام سے ۵۲ اشعار پر مشتمل ایک نظم لکھی جس میں اقبال کو دعوت فکر کیساتھ دعوت عمل دیتے ہوئے کہا :

خیز و مثل عاشق دیوانـــــــــــہ
جان خود را سوز چون پروانـــــــہ
مرد حق شو تیـــــــغ لا در دست گیر
بر الا اللہ مقـــــــــام سخت گیـــــر (۲۱)

اس نظم کی تعریف کرتے ہوئے عزیز لکھنوی اقبال کے بارے میں یوں رائے دیتے ہیں :-

" حضرت اقبال کی ذات سے آپ نے جو کچھ خطاب
کیا ہے مین اسکا ہمنوا ہوں ۔ ایسے ممدوح کے
واسطے ایسے ہی ستائش گر کی ضرورت تھی " (۲۲)

مذکورہ حقائق اس بات کی دلیل ہین کہ دونوں شاعروں میں ایک دوسرے کیلئے بہت زیادہ ذہنی قرابت تھی اور دونوں ایک دوسرے کی بڑائی کو تسلیم کرتے تھے ۔ "

—=-----------------=—

حـــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
١ــ	عزیز لکھنوی / محمد عبد اللہ قریشی	معاصرین اقبال کی نظر مین	١٠١	مجلس ترقی ادب لاہور	١٩٧٧
٢ــ	محمد عبد اللہ قریشی	" "	١٠٧	" "	١٩٧٧
٣ــ	رحیم بخش شاہین	اوراق گم گشتہ	٧٨ــ٧٩	اسلامک پبلیکشنز لاہور	١٩٧٥ء
٤ــ	اقبال	گلکدہ پر تبصرہ	٦	ہفت روزہ الواعظ لکھنو شمارہ ٢٧	١٦ اکست ١٩٣٢ء
٥ــ	بشیر احمد ڈار مرتب	انوار اقبال	٤٠		
٦ــ	رحیم بخش شاہین	اوراق گم گشتہ	٧٩	اسلامک پبلیکشنز لاہور	١٩٧٥ء
٧ــ	ڈاکٹر وقار احمد رضوی	تاریخ جدید اردو غزل	٢٧٩	نیشنل بک فاونڈیشن	١٩٨٨ء
٨ــ	عبد السلام ندوی	شعر الہند	٢٨٩	مطبع معارف اعظم گڑھ	١٩٤٢ء
٩ــ	" "	" "	٣٨٤	طبع سوم	" "
١٠ــ	عزیز لکھنوی	گلکـــدہ	١٦		
١١ــ	ہادی عزیز لکھنوی	"	٥٨	نولکشور پریس لکھنو	١٩٣١ء
١٢ــ	ڈاکٹر وقار احمد رضوی	تاریخ حدید اردو غزل	٢٧٩		
١٣ــ	ہادی عزیز لکھنوی	گلکـــدہ	٢٢		
١٤ــ	محمد عبد اللہ قریشی	بحوالہ معاصرین اقبال کی نظر مین ــ	١٠٤		
١٥ــ	ڈاکٹر وقار احمد رضوی	تاریخ جدید اردو غزل	٥٩		
١٦ــ	عزیز لکھنوی / محمد عبد اللہ قریشی	بحوالہ معاصرین اقبال کی نظر مین ــ	١٠٣		
١٧ــ	مانی جائسی	مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی مضمـــون	١٤٢٧	نقوش ــ شخصیات نمبر٢ ادراہ فروغ اردو لاہور	اکتوبر ــ١٩٥٦ء

حواشی

نمبر شمار	نامِ مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۱۸—		خمخانہ جاوید جلد پنجم	۵۹۲—۶۰۰		
۱۹—	اقبال	مکاتیب اقبال بنام گرامی	۲۳۶		
۲۰—	محمد عبداللہ قریشی	روح مکاتب اقبال	۲۶۲—۲۶۳	اقبال اکادمی پاکستان لاھور —	۱۹۷۷
۲۱—	رحیم بخش شاھین	اوراق گم گشتہ	۱۵۵		
۲۲—	" "	" "	"	"	" "

****

علامہ سید سلیمان ندوی

پیدائش : ١٨٨٤
وفات : ١٩٥٣

١٣ نومبر ١٩١٧

میرا تو عقیدہ ہےکہ غلو فی الزھد اور مسئلہ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بدھ (سیمنت) مذھب کے اثرات کا نتیجہ ھے "

خواجہ نقشبند اور مجدد سرھند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ھے۔ مگر افسوس ھے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگا ھوا ھے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ھے ۔ جس میں ، مین خود بیعت رکھتا ھوں حالانکہ حضرت محی الدین (عبد القادر گیلانی) کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا "۔ (١)

٣٠ اکتوبر ١٩١٨

" بائے بسم اللہ (حضرت علی کے لئے) قاآنی نے لکھا ھے اور میم مروت مولانا جامی تحفة الاحرار میں لکھا ھے ۔ میں نے میم مرگ لکھا تھا " (٢)

٢٢ اگست ١٩٢٢

مولانا شاہ اسمعیل شھید کی عبقات ، قاضی محب اللہ کے " جوھر الفرد " اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے ھوں گی "

" فی الحال مین مولوی نور الحق صاحب کی مدد سے " مباحث مشرقیہ " دیکھ رھا ھوں اسکے بعد شرح موافق دیکھنے کا قصد ھے " (٣)

٢٣ جنوری ١٩٢٤

" امام مالک کے نزدیک اویس کا کوئی تاریخی وجود ھی نہیں

ہے آپ حضرت اویس اور ان تمام صوفی روایات کے متعلق
جو ان سے منسوب ہیں کیا خیال رکھتے ہیں "۔ اگر حضرت
امام مالک کی تحقیق زیر نظر ہو تو از راہ عنایت حوالے سے
اگاہ فرمائیے گا " (٤)

۱۵ دسمبر ۱۹۳۳

" اگر دھر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالی ہی
ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے ؟ جسطرح زمان دھر کا ایکطرح
کا عکس ہے اسی طرح مکان بھی دھر ہی کا عکس ہونا چاہئیے ۔ یا
یوں کہئیے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقت اصلیہ دھر ہی
ہے ۔ کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطہ خیال سے
صحیح ہے ؟ اسکا جواب شائد فتوحات ہی میں ملے ۔ مہربانی
کر کے تھوڑی سی تکلیف اور گوارہ فرمائیے " (٥)

ابتداء ہی میں سید سلیمان ندوی کے نام اقبال کے خطوط کی چند مثالین اسلئے پیش کی گئی ہیں ۔ تاکہ کاتب اور مکتوب الیہ کی باہمی علمی و تحقیقی شخصیت کی ایک جھلک سامنے آ جائے ۔ کہ دونوں کس پائے کے محقق اور عالم تھے ۔ اور دونوں کے درمیان خط و کتابت کا در حقیقت بنیادی مقصد کیا تھا ۔

پہلے خط میں اقبال تصوف کے معاملات پر گفتگو کرتے ملتے ہیں ۔ دوسرے خط میں کلمے کی حقیقت اور حضرت علی کی نسبت سے بائے بسم اللہ ، " میم مروت " اور " میم مرگ " جیسی علامات کا ذکر ہے ۔

تیسرے خط مین شہید اسلام مولانا شاہ اسمعیل اور دیگر علماء کی کتب کے مطالعہ کا ذکر ہے ۔ اور پھر طبعیات و الہیات میں امام رازی کی تصنیف " مباحثہ شرقیہ " اور فلسفہ علم الکلام کی کتاب شرح مواقف کے مطالعہ کا تذکرہ ہے ۔

چوتھے خط مین رسالہ " ذخیرۃ الدینیۃ " کے ایڈیٹر کے اس مضمون کے حوالے سے " خلیل فی ہذہ الامۃ اویس القرنی " اویس قرنی کے وجود کی تحقیق کرتے ملتے ہیں ۔ اور اس ضمن میں امام مالک کی تحقیق کو مستند خیال کرتے ہین ۔

پانچویں خط میں زمان و مکان کی بحث چھیڑ دی گئی ھے جو اقبال کا خاص موضوع ھے ۔ اور جس پر اقبال نے برگسان کے حوالے سے اپنے خطبات میں بحث کی ھے ۔

اگرچہ اقبال کے فکر و احساس کے مطابق دونوں کے درمیان استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی قائم تھا ۔ مگر مذکورہ خطوط کے متن بتاتے ھیں کہ دونوں اپنے دور کی قابل قدر علمی شخصیات تھیں اور دونوں ھی قران کے اس مشورے اور اصرار کے ترجمان تھے کہ زمینوں اور آسمانوں میں کھوج لگاؤ ۔ عقل سے کام لو ۔ تدبر اور حکمت کو رھنما بناؤ اور کائنات کے سر بستہ رازوں کو عالم انسانیت پر منکشف کرو ۔

جہاں تک سید سلیمان ندوی کی شخصیت کا تعلق ھے تو آپ صوبہ بہار کے گاؤں "دسنہ" ضلع پٹنہ میں ٢٢ نومبر ١٨٨٤ کو پیدا ھوئے۔ آپکے والد کا نام ابو اسحاق تھا ۔ وہ طبابت کے پیشے سے منسلک تھے ۔ سید سلیمان ندوی نے اردو اور فارسی زبان و علوم کے علاوہ عربی زبان اور عربی علوم میں بھی خاص دسترس حاصل کی ۔ بلکہ عربی زبان میں تو وہ شعر کہتے ھوئے بھی ملتے ھیں خاندانی ماحول و مزاج کے علاوہ یہ شبلی کی شاگردی اور ندوہ کا کمال بھی تھا ۔ ١٩٠٥ میں جب شبلی ندوہ آئے تو اپنی بے پناہ ذھانت و قابلیت کی وجہ سے سید سلیمان ندوی انکی خصوصی توجہ کا مرکز بن گئے ۔ اور یہین سے دونون کے درمیان عقیدت و محبت اور قلبی وابستگی کی بنیاد رکھی گئی ۔ شبلی کی نگاھون میں سید سلیمان ندوی کا کیا مقام تھا شبلی کے خطوط سے اسکا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ھے ۔ ایک خط میں لکھتے ھیں :

"عزیزی کیا اس کے کہنے کی حاجت ھے تم ھر وقت
میری آنکھوں مین ھو " (٦)

ایک اور خط میں سید سلیمان ندوی کی اھمیت یوں واضح کرتے ھیں :

یہ عزم کر لیا ھے کہ جہاں رھوں ندوہ اپنے ساتھ رکھوں
ندوہ در و دیوار کا نام نہیں سید سلیمان ندوی وغیرہ کا
نام ھے " (٧)

شبلی کا جب دم آخرین تھا تو بقول سید سلیمان ندوی انھون نے کہا :

" معائد" کے طور پر میرا ھاتھ اپنےھاتھ میں لیکر فرمایا
سیرت میری تمام عمر کی کمائی ھے سب کام چھوڑ کر سیرت
تمام کرو ۔ میں نے بھرائی آواز میں کہا ضرور ۔ ضرور " (۸)

سید سلیمان ندوی نےشبلی کی اس قابل فخر شاگردی کا حق یون اداکیاکہ سیرتکی تکمیل کیساتھ ساتھ شبلی کے گرانقدر خواب دارالمصنفین اعظم گڑھ کی تکمیل بھی کی اور رسالۃ "المعارف" کا اجراء بھی کیا ۔ تصنیف وتحقیق کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ھے ۔ سلیمان ندوی نےعلم و تحقیق کےمیدان میں شبلی ھی کے طرز فکر کو آگے بڑھایا ھے ۔ مولانا شبلی نےشعوری طور پرعلم و ادب تحقیق اور سوانح اور تاریخ نگاری کے فن کو ایک خاص نقطہ نگاہ کے تحت ، وجود دیا بقول اختر راھــــی :

" شبلی نے ــــــــــــ وقت کا چیلنج قبول کیا
اور قدیم علوم کو نئے رنگ مین پیش کرنےکا پروگرام بنایا ۔ انھون
نے طے کرلیا کہ بدلی ھوئی فضا میں جدید علوم اور جدید
تمدن کو مذھبی اصول کیساتھ مطابقت دینی ھےاور فلسفــــہ
حال کے ان مسائل کی توجیہــہ و تاویل کرنی ھے جو مذھبی
نظریات سے ٹکراتے ھیں ۔ بالخصوص تاریخ کی تدوین زمانــــے
کے مذاق کے مطابق کرنی ھے " (۹)

علامــہ سید سلیمان ندوی نےاپنی تمام تر صلاحیتون کو بروئےکار لاتےھوئے اپنے استاد کے مشن کی تکمیل کی ھر ممکن کوشش کی ۔ آپ نےتحقیق وتنقید کے میدان میں کثیر سرمایہ چھوڑا ھے ۔

یہ علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی وتحقیقی فضیلت اور خالص دینی ومذھبی شخصیت کی بڑائی کا اعتراف ھی تھا ۔ کہ ۱۹۳۹-٤۰ء میں نواب حمید اللہ خان والی بھوپال نے ریاست میں دینی مدارس اور دینی تعلیم کے انحطاط کے پیش نظر سید صاحب کی صدارت میں ایک اصلاحی کمیٹی قائم کی ۔ ۱۹٤٦ میں آپ کو ریاست بھوپال کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور امیر جامع شرقیہ کے عہدے پر فائز کیا گیا ۔ ۱۹۵۰ میں آپ کراچی منتقل ھو گئے اور ۱۹۵۳ مین راھی ملک عدم ھوگئے ۔

سیـد سلیمان ندوی نہ صرف شبلی کے مایہ ناز شاگرد تھے بلکہ انکے قابل قدر جانشین بھی تھے ۔ ندوۃ العلماء کے زیر اثر انکی ذھنی وعلمی تربیت ھوئی تھی ۔ ندوہ العلماء جسکا بنیادی مقصد دینی علوم کی تحقیق وترویج تھا ۔ مسلمانوں کے شاندار ماضی کو از سر نو زندہ

کرنا ، اسلاف کے عظیم کارنامون کو یاد دلانا اور زبوں حال و ژولیدہ فکر ملت اسلامیہ کو علوم دینی کی طرف مائل کرکے اعلی اخلاق پیدا کرنا اور مغرب کی اندھی تقلید سے باز رکھنا تھا ـ مختصر مفہوم میں ندوۃ العلماء کا اصل مقصد جید علماء پیدا کرنا تھا ـ جن میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اجتہادی صلاحیتین بھی موجود ہوں ـ سید سلیمان ندوی ، ندوۃ العلماء کے اس اعلی معیار کے نمائندے ہیں ـ

" وہ ندوۃ کو قلب دردمند ، ذہن ارجمند اور زبان
ہوشمند تینوں کا مجموعہ دیکھنا چاہتے تھے " (۱۰)

یہ وہی مومنانہ خوبیاں ہیں جو اقبال کی شعری زبان میں صدائے جگر و تیشہ کا روپ دھارتے ہوئے عشق کو صہبائے خام ،کاس الکرام ،فقیہہ حرم امیر جنود کا نام دیتی ہے ـ مقصد کے اعتبار سے علامہ سید سلیمان ندوی اپنےاستاد اور رفیق کار شبلی نعمانی کے نقش قدم پر چلنےکا فخر رکھتے ہیں انکے انھی اوصاف کی بناء پر اقبال اپنے۲۸ اپریل ۱۹۱۸ کے خط میں لکھتے ہیں :

" مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کیبعد آپ استاذ الکل
ہیں ـ اقبال آپکی تنقید سے مستفید ہوگا " (۱۱)

استاد کی فضیلت کا یہی وہ ادراک ہے جسکے سبب ایک ہونہار اور سعادت مند شاگرد کی طرح اقبال ۳ اپریل ۱۹۱۹ کے خط میں لکھتے ہیں :

" میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجئے آپکو زحمت
تو ہوگی لیکن مجھے فائدہ ہوگا " (۱۲)

یکم فروری ۱۹۲٤ کے خط میں مذکورہ گزارش ان الفاظ کا روپ دھارتی ہے :

" میں آپکا نہائت شکرگزار ہونگا اگر آپ ازراہ عنایت
اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں " (۱۳)

مذکورہ تمام کےتمام خطوط ایک طرف تو اقبال کی علم پسندی کیساتھ ساتھ انکی منکسر المزاجی کی دلیل ہیں اور دوسری طرف سید سلیمان ندوی کی بلند نظری ،اعلی ظرفی روشن فکری اور جوہر شناسی کے آئینہ دار بھی ہیں دراصل اقبال اور سید سلیمان ندوی کے موضوعات فکر یکساں نوعیت کے تھے اقبال کی طرح :

" مولانا کے اہم موضوعات میں اسلامی فکر ، فلسفہ تاریخ

اور مذھبی ادبیات ھیں ۔ یہ ان کے مزاج اور علمی
ماحول سے مطابقت رکھنے والے موضوعات ھیں لیکن
انکی علمی ، قومی اور بین الاقوامی معاملات پربھی
نظر رھی اور وہ اپنےگھرے غور و فکر اور علمی بصیرت کیساتھ
ان پر رائے دیتے اور اپنی شرکت کی صورت میں اپنی
تقریروں خطبوں اور انفرادی فکر و فکر سے ان کو
Contribute کرتے رھے " (١٤)

علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال کےتعلق کے ضمن میں ایک بات دلچسپ ھے کہ انکی روبرو ملاقات اگرچہ ١٥ اپریل ١٩٢٧ میں انجمن حمائت اسلام کے جلسے میں پہلی بار ھوئی مگر فلسفہ ،علم الکلام ،دین اور تصوف کے تحقیقی معاملات میں مراسلت کا سلسلہ بقول سید سلیمان ندوی :

" مراسلت کی باطنی ملاقات تو ١٩١٤ سےقائم ھے " (١٥)

اور اس ملاقات کے باب میں سید سلیمان ندوی کا انکسار ملاحظہ ھو کہ وہ اقبال جو انھیں اپنا معنوی اور باطنی استاد سمجھتا ھے اسکے بارےمیں لکھتے ھیں :

" ڈاکٹر صاحب نے کرم کیا کہ ملنے میں پیش دستی فرمائی
قیام گاہ میں آئے۔ متعدد صحبتوں میں ساتھ رھے اور پھر
خود اپنےکاشانے میں مدعو کیا جس کو وہ " دار الفقر " اور
میں " دار الاقبال " کھونگا " (١٦)

اپنے اس سفر میں سید سلیمان ندوی لاھور کے اھل علم و ادب کی مھمان شناسی اور جذبہ قدر شناسی سےبہت متاثر ھوئے ۔ اس تناظر میں انھوں نےشیخ عبد القادر ، پروفیسر حافظ محمود شیرانی پروفیسر اقبال ، پروفیسر محمد شفیع ، پروفیسر سراج الدین آزر ، سید عبد القادر ، مولوی ظفر علیخان ، سالک ، مہر تاجور ، ابو الاثر حفیظ جالندھری ، غلام ربانی ، تاثیر ، حکیم یوسف حسن ، مولانا عبد اللہ چغتائی اور سید امتیاز علی تاج وغیرہ کی انشا پردازیوں اور ادیبانہ و شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ھوئے انکے کامیاب مستقبل کی پیش گوئی کی ھے ۔ مگر اقبال کے بارےمیں انکی رائے جداگانہ اور گھری محبت کی آئینہ دار ھے ۔ ١٩٤٧ سے قبل ابھی

تک انھوں نے اقبال کو تحریر و تقریر اور خطوط میں سنا تھا دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ھوا تو اقبال کی عظمت فکر اور اخلاق و کردار سے کچھ اس طرح متاثر ھوئے کہ بے اختیار کہہ اٹھے :

" ڈاکٹر اقبال ان تمام محفلوں میں شمع محفل تھے ۔
انھوں نے تو شمع و شاعر لکھا ھے لیکن میں نے تو لاھور
میں خود " شاعر کو شمع " دیکھا اور قدر شناسوں کو
اس کا پروانہ پایا ۔ ان کی صحبت لاھور کے نوجوانوں کی
دماغی سطح کو بلند کر رھی ھے ان کے فلسفیانہ نکات ،
عالمانہ افکار ، شاعرانہ خیالات انکی آس پاس کی دنیا
کو ھمشیہ متاثر رکھتے ھیں " (۱۷)

انھی دنوں اقبال کا نیا مجموعہ کلام " زبور عجم " شائع ھونے والا تھا اسکے بارے میں سید سلیمان ندوی یوں اظہار رائے کرتے ھیں :

" فلسفہ عجم کے دشمن کو مناسب بھی یہی تھا کہ عجم کے
ھاتھ میں زبور عجم دیکر ان کے خیالی فلسفے کو مزامیر داود
کی دعاون سے بدل دے اور ان کے کانوں کو زبور کا پردہ
رکھ کر قرآن کی نغمہ سنجیوں سے مانوس کر دے " (۱۸)

ان آراء کے پس منظر میں جب ھم علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت کا جائزہ لیتے ھیں تو انکی رگوں میں علو اسلامی کیلئے خون حمیت دوڑتا ھوا نظر آتا ھے انکی اس شخصی تعمیر میں اقبال کی طرح انکے خاندانی ماحول اور مزاج کا بہت زیادہ عمل دخل ھے ۔ خود سلیمان ندوی کی زبانی سنئے :

" انیسویں صدی ختم ھو رھی تھی تو میرے ھوش اور
تمیز کی آنکھیں کھل رھی تھیں ۔ پندرہ سولہ برس کا
سن ھوگا ۔ اس وقت قدیم و جدید کی کشمکش سے سارا
ھندوستان خیالات کا جنگل بن رھا تھا ـــــــــــــــ
دو قسم کی تحریکیں ـــــــــــــــ ایک شریعت کی
تحریک یعنی انگریزی تعلیم کی اشاعت اور مذھب مین عقل اور
فطرت کی مطابقت کی کوشش ۔ اور دوسری علماء کی

نئے زمانے کے نئے خیالات نئے فلسفہ سے آشنا کرکے پرانی عربی
تعلیم کی از سر نو تنظیم نو کی کوشش ــــــــــــ
ــــــــــــ کانوں میں یہ دو آوازیں پڑیں مگر میرا
خاندانی ماحول اس دوسری تحریک سے متاثر تھا ۔ اسلئے
اس دوسری تحریک سے دلچسپی ہوئی اور وہ بڑھتی گئی ۔
اور پھیلتی گئی اور وہی میری زندگی کا جز بن گئی " (۱۹)

یہ مذہبی اصلاحی ، علمی اور تحقیقی انداز انکی شخصیت پر ایسا غالب ہوا کہ انکی شناخت بن گیا ۔ اقبال کی طرح انکا کردار اور گفتار انکی شخصی عظمت اور الوہی طرز فکر کا منہ بولتا ثبوت تھا ۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے سید سلیمان ندوی کا سراپا یوں کھینچا ہے :

" آواز پست جو قرب کے باوجود بغیر قدردانی اور شوق
کے سنی نہ جا سکے ۔ بالعموم کم گو اور بقدر ضرورت بولنے والے
آنکھوں سے حیا اور ذہانت کا اظہار کچھ نہاں کچھ
آشکار ۔ جب کہیں تشریف لاتے موافق اور مخالف فضل
وکمال کے معترف اور انکے منکر احترام پر مجبور ہو جاتے " (۲۰)

سید سلیمان ندوی اقبال کی طرح علم کا بحر ذخار تھے ۔ تحقیقی بصیرت کے سبب چیزوں کو جز جز کر کے دیکھتے اور ان سے گرانقدر علمی نتائج اخذ کرتے ۔ انکی علمی و تصنیفی زندگی بیک وقت صحافتی ، دینی ، تحقیقی ، سیاسی اور ادبی شناخت رکھتی ہے ۔ اقبال کی حیات فکر پر نظر ڈالیں تو وہ بھی شاعری کے ساتھ ساتھ ایسے ہی علمی مشاغل میں مصروف نظر آتے ہیں ۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کی شاعری میں بھی کم و بیش مذکورہ تمام رجحان ملتے ہیں ۔

اقبال کا جدید علم کلام کے معاملات ، فقہی مسائل اور قرآن و سنت کے معاملات پر سید سلیمان ندوی سے مشورہ لینا اور رائے طلب کرنا اور کتابیں فراہم کرنے کی گذارش کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ کاتب اور مکتوب الیہ دونوں ہی بحر علم کے مایہ ناز شناور تھے ۔ اقبال کی طرح :

" سید صاحب کیلئے علم کا معاملہ کسی پیشے یا ضرورت
یا کسی مجبوری اور مصلحت کا معاملہ نہ تھا ۔ علم انکا

گوشت پوست بن گیا تھا ــ اور ان کے خون میں جاری
و ساری ہوگیا تھا ــ وھی ان کی غذا تھی ، وھی انکی
تفریح اور وھی انکا اوڑھنا بچھونا " (۲۱)

اس علمی و تحقیقی تناظر میں اقبال کے مزید کچھ خطوط جزوی طور پر دیکھئے ــ

۲۳ اگست ۱۹۳۳

کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گزرے ھیں جو
حیات و نزول مسیح ابن مریم کے منکر ھوں ؟ اگر حیات
کے قائل ھوں تو نزول کے منکر ھوں ؟ معتزلہ کا عام طور پر
اس مسئلہ میں کیا مذھب ھے " (۲۲)

۱۹ جولائی ۱۹۳۵

"کیا فقہ اسلامی کی رو سے توھین رسول قابل تعزیر
جرم ھے اگر ھے تو اسکی تعزیر کیا ھے ؟ (۲۳)

یکم اگست ۱۹۳۵

"تکملہ مجمع البحار" صفحہ ۸۵ میں حضرت عائشہ کا
ایک قول نقل کیا گیا ھے یعنی حضور رسالت مآب کو خاتم
النبیین کہو لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور
نبی نہیں ھوگا ـــــــــ آیا اس قول کے
اسناد درج ھیں اور اگر ھیں تو آپکے نزدیک ان اسناد
کی کیا حقیقت ھے ؟"

" من قال بسبب بنوتہ کفر حقا ، اس قول کی آپکے
نزدیک کیا حقیقت ھے "

" لو عاش ابراھیم لکان نبیا " اس حدیث کے متعلق
آپکا کیا خیال ھے ؟ بخاری کی حدیث و امامکم منکم ،
میں " واو" حالیہ ھے کیا ؟ " (۲٤)

آپ سید سلیمان ندوی کے نام اقبال کے تمام تر خطوط پڑھے جائیے ۔ آپکو اقبال ایسی ھی دینی و فقہی و حدیثی الجھنوں کو سلجھانے کا مشورہ طلب کرتے ھوئے نظر آئیں گے ۔

اقبال نے اگرچہ اپنے دیگر ھمعصروں ، دوستوں ، ادیبوں ، سیاست دانوں اور دانشوروں کو بھی خط لکھے خاص طور پر مولانا گرامی ، اکبر اله آبادی ، مہاراجه کشن پرشاد ، قائداعظم ، سر راس مسعود اور نذیر نیازی وغیرھم ۔ مگر اقبال اتنے بڑے فقہی عالم دین ، محقق اور علم کلام سے متعلق اتنے باریک بین اور باریک نظر کہیں بھی نظر نہیں آئیں گے ۔ یقیناً یه اعزاز اقبال کے مکتوب الیه سید سلیمان ندوی کو جاتا ھے که انکے نور ایمانی نے بے اختیار اقبال کی روشن فکری کو اپنی طرف کھینچا ۔

علم و تحقیق کے اس تناظر میں جب ھم سید سلیمان ندوی کی تحریروں پر نظر ڈالتے ھیں ۔ تو وہ بھی اپنے استاد شبلی نعمانی اور اپنے شاگرد بے بدل اقبال کی طرح اسلام کے شاندار ماضی اور اسکی لافانی عظمتوں کو ھی موضوع بناتے ھیں مثلاً :

سیرت النبی (مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی کی تکمیل) ، ارض قران خیام ، سیرت عائشه ، حیات امام مالک ، عرب و ھند کے تعلقات ، عربوں کی جہاز رانی لغات جدیدہ ، حیات شبلی ، رحمت عالم ، ادبیات قران ، لا آف ٹارٹس کا اردو ترجمه ، یاد رفتگان ، نقوش سلیمانی ، مقالات سلیمان (مقالات کے مجموعے) وغیرہ اسکے علاوہ " مکاتیب سلیمان " بھی مرتب کئے گئے ھیں ۔

مذکورہ کتابوں کے حوالے سے جو بات سامنے آتی ھے که سید سلیمان ندوی کا مطالعه بہت وسیع ، ھمه گیر اور مختلف النوع تھا ۔ اور یه که اپنے وقت کا جید عالم حیات اسلامی کی تنظیم نو کے اصول بتاتا ھے ۔ علم کلام کے موضوعات کو زیر بحث لاتا ھے ارضِ قرآن ، کی صورت میں عرب کے قدیم جغرافیے ، عرب اقوام کی پرانی تہذیبی روایات ، مذھبی معتقدات اور تصدنی ورثه پر اظہار خیال کرتا ھے ۔ مولانا شبلی نعمانی ، خیام اور امام مالک کی شخصیات کو موضوع تحقیق بناتا ھے اور سب سے بڑھ کر یه که سیرت حضرت عائشه صدیقه اور سیرت رحمت دوعالم لکھنے کا شرف حاصل کرتا ھے ۔ سید صاحب کی انھی بے پناہ علمی ، ادبی ، دینی اور قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر مدینة العلوم مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے آپکو ڈی ۔ لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی ۔ سید سلیمان ندوی کی بعض خاص کتابوں پر سید ابو الحسن علی ندوی تبصرہ کرتے ھوئے لکھتے ھیں :

" قران مجید مین جن ممالک اور شہروں کا ذکر آیا ھے
ان کے جغرافیائی اور تاریخی معلومات پر ان کی ابتدائی
تصنیف " ارض القرآن " ھے ابھی تک اردو میں آخری
چیز اور اس موضوع پر سب سے بڑا ماخذ ھے " (۲۵)

خطبات مدراس ، سیرت النبی کے مضامین اور سیرت
عائشہ کے صفحات نے ھزاروں کو حلاوت ایمانی سے لذت
آشنا کیا تھا " (۲۶)

جب ھم اقبال کی شاعری اور خطبات کا جائزہ لیتے ھیں تو اس میں اسلام کا قدیم و جدید تمدن اور تہذیب و ثقافت کے گہرے نقوش ملتے ھیں ۔ اقبال کا موضوع خاص بھی سرزمین عرب کی کرامات ھیں جس کی آغوش میں اسلام ، بانی اسلام اورفدایان بانی اسلام اپنے ایثار واخلاص کی لافانی مثالیں پیش کرتے ھیں ۔

خطبات کے ضمن میں یہ بات دلچسپ ھے کہ سرزمین دکن اقبال اور سید سلیمان ندوی دونوں کیلئے اول درجے کی قدردان ، علم فہم اور علم پرور ثابت ھوئی ۔ " تشکیل جدید الھیـــات اسلامیہ "خطبات کو بھی اول اول خطبات مدراس ، کا نام دیا گیا ۔ اور علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات بھی خطبات مدراس ، کے نام سے مشہور ھیں ۔ ولی مظہر علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات پر یوں رائے دیتے ھیں :

" یہ خطبات ، ادبیات تاریخ ، اسلوب بیان ، سلاست
اور گہرائی کے لحاظ سے منفرد مقام رکھتے ھیں " (۲۷)

اقبال سید سلیمان ندوی کی دینی نوعیت کی ان عالمانہ اور محققانہ خدمات سے بہت متاثر تھے اور سمجھتے تھے ۔ کہ اس زمانے مین سید صاحب ھی وہ فرد فرید ھین جو جدید دور کے علمی ، دینی ، فکری اور فقھی تقاضون کے مطابق بصیرت افروز اور ایمان پرور تصنیفات لکھ سکتے ھین ۔ اقبال کے یقین کا یہ عالم تھا کہ اپنےخطوط میں بار بار علامہ کی توجہ دلاتے ھیں

۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء

" کاش یاجوج ماجوج ، پر آپ کوئی مضمون لکھتے
یہ امر تحقیق کا محتـــــــاج ھے " (۲۸)

۱۸ مارچ ۱۹۲۶

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے فقہ اسلامی کی
ایک مفصل تاریخ لکھی جائے ۔ اس مبحث پر مصر میں
ایک چھوٹی سی کتاپ شائع ہوئی تھی جو میری نظر
سے گزری ہے مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے اور جن
مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے ان کو نظر
اندازکر دیا ہے ۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں
ان سے ایسی کتاب لکھنےکی درخواست کرتا " (۲۹)

۴ ستمبر ۱۹۳۳

دار المصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام
پر ایککتاب نکلنی چاہئے اس کی سخت ضرورت ہے" (۳۰)

۱۵ دسمبر ۱۹۳۳

" مین نےزمان و مکان کےمتعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے
اس سےمعلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانون نےبڑے بڑے
مسائل پر غور و فکر کیا ہے ۔ اور اس غور و فکر کی تاریخ
لکھی جا سکتی ہے ۔ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے
ہین " (۳۱)

مذکورہ تمام تصنیفات و تالیفات کے جائزےاور اقبال و ندوی کے باہمی روابط اور گراں قدر آراء میں جو بات قابل غور ہے وہ مولانا کا شعر اور شعریت سے لا تعلق ہونا ہے۔ اور پھر اس پائے کےخالصتاً دینی محقق سےہم عموما شاعری کی توقع بھی نہیں کرتے تاہم سید سلیما ندوی کےقارئین کیلئے یہ بات یقینا قابل حیرت ہوگی کہ ندوی صاحب شاعر بھی تھے ۔ اردو شعراء اور اقبال کے زیرعنوان انکا بھی نام آتا ہے ۔ یہ الگ بات کہ سید سلیمان ندوی کی شاعرانہ اپچ کا دائرہ انتہائی طور پر محدود ہے ۔ انکی شاعری کبھی کبھی کے منہ کا ذائقہ بدلنے سےزیادہ کچھ بھی نہین تھی ۔ جسے انکے جوش طبع کے کبھی کبھی کے ابال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ اس کا سراغ رفعت سروش کےاس بیان سےملتا ہے کہ :

"انکی پہلی غزل رسالہ "بہار" بانکی پور پٹنہ میں اگست ۱۹۰۳ کے شمارے میں شائع ہوئی" ۔ (۳۲)

غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

شعلہ غم پس مردن جو بھڑک جاتے ھیں
سنگ ھائے لحد کشتہ چٹک جاتے ھیں
ایسی توبہ سے تو بہتر ھے نہ توبہ کرنا
اور توبہ سے یہ میخوار بہک جاتے ھیں (۳۳)

دوسری غزل نومبر ۱۹۰۳ میں چھپی اسکے اشعار دیکھئے :

خلق میں بدنام میرا نام ھے
عشق کرنے کا یہی انجام ھے
عاشق گیسو و رخ کو کیا خبر
کفر کیا ھے اور کیا اسلام ھے (۳٤)

ان غزلوں کا مطالعہ بتاتا ھے کہ سید سلیمان ندوی میں شعر کہنے کا سلیقہ موجود تھا مگر اپنے دور کے رنگ شاعری سے زیادہ مختلف نہ تھا ۔

۱۹۰٦ میں علی گڑھ کے ایک مشاعرہ میں انھوں نے ایک غزل پڑھی تھی جو ۱۹۱٦ میں شائع ہوئی (۳۵) اس غزل کے چند اشعار یہ ھیں :

عجب طرح کا اک پیچ گفتگو میں ھے
وگرنہ "میں" میں وھی بات ھے جو "تو" میں ھے
خطاب غیر میں گو لاکھ احترام رھے
مگر وہ لطف کہاں ھے جو لفظ "تو" میں ھے
ذھن میں تیغ کے اب بھی ھے تشنگی باقی
عجب لذت پنہان مرطھو میں ھے (۳٦)

اقبال کو اس غزل کا ایک شعر خاص طور پر بہت پسند آیا ۱۲ نومبر ۱۹۱٦ کے خط میں اقبال اسکی تعریف یوں کرتے ھیں :

آپکی غزل لا جواب ہے بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا :

ھزار بار مجھ لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرہ خون جو رگِ گلو میں ھے (۳۷)

اسکے علاوہ قائد اعظم کی ملی بقا کی خدمات کو سراھتے ھوئے علامہ سید سلیمان ندوی نے ۳۱ دسمبر ۱۹۱٦ کو اس طرح منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا :

اک زمانہ تھا کہ اسرار درون مستور تھا
کوہ شعلہ جن دنوں ھم مایہ سینا رھا
ہر مریض قوم کے جینے کی ہے کچھ کچھ امید
ڈاکٹر اس کا اگر مسٹر علی جینا رھا (۳۸)

ولی مظہر لکھتے ھیں کہ :

یہ پہلا نذرانہ عقیدت تھا جو قائد اعظم کو پیش
کیا گیا " (۳۹)

عشقیہ رنگ کی غزلوں سے قطعہ نظر جب ھم سید سلیمان ندوی کو ملی بقا کے اھم مسائل پر بزبان شعر اظہار خیال کرتے ھوئے دیکھتے ھیں تو یوں لگتا ھے کہ فکر شعر کے تناظر میں انکی منزل اقبال سے مختلف نہیں تھی ۔ انکی ایک نظم " قوم کی تم سے امید " کا ایک بند دیکھئے

آتش حب وطن سے سینہ سلگاتے رھو
قوم کو تم نیک اور بد سب ھی سمجھاتے رھو
دوستو زندہ کرو اسلاف کے مردہ علوم
جب تلک جیتے رھو ، اعجاز دکھلاتے رھو
دین و دنیا دونوں کو حاصل کرو تو بات ھے
کسب زر کرتے رھو اسلام پھیلاتے رھو (٤۰)

یہ پیغام سید سلیمان ندوی نے ندوہ کے طالبعلموں کو دیا تھا ۔ اس نظم کی آواز لب ولہجہ پکار اور درد ملت میں یوں لگتا ھے جیسے بیک وقت حالی ، اکبر اور اقبال کی آوازیں بھی شامل ھوگئی ھوں ۔ فکری اعتبار سے سید سلیمان ندوی ان تینوں کے ھمنوا نظر آتے ھیں ۔ تاھم یہ حقیقت ھے کہ تحقیق و تدقیق کے موضوعات نے مولانا کو باقاعدہ شعر گوئی کی فرصت نہیں دی ۔ تاھم مولانا کا مجموعہ کلام " ارمغان سلیمان " کے نام سے کراچی میں چھپ چکا ھے ۔

۱۹٤۹ میں جب مولانا سید سلیمان ندوی نے بارگاہ نبوی میں حاضری دی تو ان روح پرور لمحات کی کیفیت کو شاعری کی زبان میں یوں ادا کیا :

تو مکی مدنی و ہاشمی و مطلبی ہے
آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے
آہستہ قدم ، نیچی نگاہ ، پست ہو آواز
خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے
بجھ جائے تیرے چھینٹوں سے اے ابر کرم آج
جو آگ میرے سینے میں مدت سے لگی ہے (٤۱)

اقبال اپنی تمام تر دلی خواہش کے باوجود حضور حق میں شرف باریابی تو حاصل نہ کر سکے مگر " ارمغان حجاز " کی صورت میں یہ نذرانہ ضرور پیش کیا :

دل ما بیدلان بردند و رفتند
مثال شعلہ افسردند و رفتند
بیا یک لحظہ با عامان در آمیز
کہ خاصان بادہ ہا خوردند و رفتند (٤۲)

سید سلیمان ندوی کے مذکورہ اشعار اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ان میں شاعر کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں ۔ یہ الگ بات موضوعات کی ثقافت اور تدقیق و تحقیق کے معاملات نے انہیں اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ ذوق شعرگوئی کی تسکین کر سکیں ۔ تاہم اقبال کے خطوط سے یہ بات بہر حال سامنے آتی ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کا ذوق فارسی بہت بلند تھا ۔ شعر فہمی کا شعور حیران کن تھا ۔ زبان کے لسانی سانچوں کی گہری فہم تھی الفاظ کی اصل ، تراکیب لفظی و معنوی اور اشتقاق کے اصولوں پر دقیق نظر تھی ثبوت میں اقبالی خطوط سے چیدہ چیدہ مثالیں دیکھئے :

۸ دسمبر ۱۹۱۸

۱ ۔ " رموز بیخودی کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپنے کیا تھا " (٤۳)

۳ اکتوبر ۱۹۱۸

۲ ۔ " اصول تشبیہ سے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی " (

٣۔ " قوت واھمه کے عمل کی رو سے بیدل اورغنی کا طریق زیادہ صحیح معلوم ھوتا ھے "

٤۔ " بحر تلخ رو ،کلمه سکون لام ،باریک ترازجو (بمعنی کم درعرض) کوری ذوق ، محفل از ساغر رنگین کردن ، سرقه اودیدہ مردم شکست ، سازبرق آھنگ، از گل غربت (بمعنی کم درعرض)نوابالیدن ،صبح آفتاب اندر قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ھیں ———— ۔ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا " (٤٤)

سید سلیمان ندوی نےلکھنے کی اجازت دے دی تو ٣٠ اکتوبر ١٩١٨ کے خط میں اقبال نے مذکورہ تراکیب کی اسناد ناصرعلی ، زلالی ،صائب ، ظھوری ، ملا طغرا اور بہارعجم کے اشعار سے پیش کیں ۔

اس قسم کی فارسی تراکیب مزید دیکھئے جن کے بارے میں علامه سید سلیمان ندوی سے تحقیقی گفتگو جاری ھے ۔

٣ اکتوبر ١٩١٨

" قطرہ از نرگس شہلاستی ،پر جو کچھ آپ نےارشاد فرمایا میں نہیں سمجھ سکا ———— خیمه برزد درحقیقت از مجاز ، نعرہ زد شیرے از دامان دشت ، بازبانت کلمه توحید خواند ، کے متعلق بھی یہی سوال ھے " (٤٥)

انھی تراکیب کو آگے چل کر ٣٠ اکتوبر اور ٢٠ نومبر ١٩١٨ کے خطوط میں بھی زیر بحث لا یا گیا اور یوں تحقیق وتصدیق واستناد کا یه عمل جاری رھا ۔

زبان وبیان اور شعری اسلوب سےمتعلق اقبال کا لسانی نوعیت کے سوالات کرنا اور مولانا سےتصدیق چاھنا بصورت دیگر خود استناد پیش کرنا اس بات کی دلیل ھے که سید سلیمان ندوی میں شعر فہمی کی صلاحیتیں بدرجه اتم موجود تھیں اور اقبال کو اسکا بخوبی اندازہ تھا ۔ چنانچه اطمینان خاطر کیلئے زبان وبیان کے ھر مشکل مرحلے پر مولانا سےمشورہ کرنا ضروری سمجھتے تھے ۔ پھر اقبال کا یه لکھنا :

۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸

قوافی کے متعلق جوکچھ آپ نے لکھا صحیح ھے ، قاعدہ
یہی ھے جو آپ فرماتے ھیں " (۴۶)

گویا سید سلیمان ندوی میں نہ صرف شعر فہمی ھی کا مکمل ذوق موجود تھا بلکہ شعر کی تعمیر و تاثیر میں جن لوازمات کی نوک پلک درست کرنا ضروری ھوتا ھے ندوی صاحب کو اسکا بھرپور شعور تھا ۔ یہ سید سلیمان ندوی کی نگاہ بصیرت ھی ھے جو اقبال کے فن و فکر کی تہہ مین اتر کر انکی کتابوں " بال جبرل ، اور ضرب کلیم پر اپنی ٹھوس رائے یوں دیتی ھے ۔

" بال جبریل کو دیکھ کر لکھنؤ اور دھلی کے صنعت گر ، سخن ور پنجاب کی سخن دانی کا لوھا مان لیں ۔ زبان میں غزل کی سی شیرینی تو نہیں مگر قصائد کی سی جزالت اور متانت پوری طرح موجود ھے " (۴۷)

بال جبریل کی زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ اسکے فکری و معنوی محاسن پر یوں اظہار خیا کرتے ھیں :

" خیالات میں رفعت ، اسرار الہیات کی ترجمانی میں حکیمانہ گہرائی ، اجتماعات میں حیات اسلامی کی روح کی صحیح معرفت ، مسلمانوں کے سامنے انکی معیاری زندگی کی اصل تصویر کشی اور نوجوانان سعادت مند کے پند ونصیحت میں پیر دانا کی سی مشفقانہ حکمت آموزی ھے " (۴۸)

ضرب کلیم کی اشاعت پر یوں اپنی رائے دی :

" ھمارے حکیم شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کا ایک نیا ادبی معجزہ " ضرب کلیم " کے نام سے ظاھر ھوا ھے ——————
حضرت اقبال ——————
کی شاعری اب شاعری کی حدود سے نکل کر حکمت کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ چکی ھے ۔ اور ان من الشعر الحکمۃ کے خلعت نبوی سے سرفراز ھو چکی ھے " (۴۹)

اسکے علاوہ مثنوی اسرار و رموز ، نظم خضر راہ ،اور مثنوی مسافر پر بھی علامہ ندوی کی گرانقدر آراء ملتی ہیں جوانکی شاعرانہ مزاجی اور شعر شناسی کی دلیل ہیں ۔ سلیمان ندوی صاحب دراصل شاعر سے زیادہ شاعر گر نکلے ۔ اور شاعرانہ صلاحیتوں کے باوجود اقبال کے برعکس اپنے مطمع نظر کے بیان کیلئے نثر کا قالب اختیار کیا اور نثر میں بھی انشا پردازانہ اسلوب کے بجائے تحقیق و تدقیق کی عالمانہ زبان اختیار کی ۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی دینی خدمات کے اعتراف میں بقول اقبال :

" شاہ افغانستان آپ سے تعلیم مذھبی کے بارے میں مشورہ
چاھتے ھیں اور ماہ ستمبر میں کابل آنے کی دعوت بھی دینا
چاھتے ھیں " (٥٠)

اور پھر نتیجۃً اکتوبر ١٩٣٣ میں اقبال ، سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی نے شاہ افغانستان (نادر شاہ) کی دعوت پر افغانستان کا سفر کیا ۔ سفر سے واپسی پر اقبال نے اپنی مشہور مثنوی مسافر لکھی ، اور ندوی صاحب نے نثر کی زبان میں " سیرِ افغانستان" کو مکمل کیا ۔ دونوں کی ھمسفری تاریخ کا ایک یادگار باب ھے جس سے دونوں کے درمیان باھمی عقیدت و ارادت اور محبت و مودت کے جذبات کا پتہ چلتا ھے ۔

اقبال نے عشق و خودی کے فلسفے کے پس منظر میں جس دانائے راز اور مرد مومن کی آمد کا انقلابی خواب دیکھا تھا اقبال کے خیال میں سید سلیمان ندوی کا وجود اس خواب کا پیش خیمہ ھے اقبال کے الفاظ میں :

<u>٢ دسمبر ١٩١٨</u>

" آپ امت محمدیہ کے خاص افراد میں سے ھین اور اس
مامور من اللہ قوم کے خاص افراد کو ھی امر الھی ودیعت
کیا گیا ھے " (٥١)

<u>٥ ستمبر ١٩٢٤</u>

" مجھے یقین ھے کہ آپ کا قلب قوی ھے اور ذھن ھمہ گیر
ـــــــــــــــــــــ آپ قلندر ھیں مگر
وہ قلندر جسکی نسبت اقبال نے یہ کہا ھے :

قلندراں کہ براہ تو سخت می کوشنـــــد
زشاہ باج ستانـــد و خرقہ می پوشنـــد

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ھیں ۔ اس جماعت کا دنیا
میں عنقریب پیدا ھونا قطعی اور یقینی ہے" (٥٢)

٤ ستمبر ١٩٢٣

"علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرھاد آج ھنـــدوستان میں
سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ھے" (٥٣)

اقبال ، سید سلیمان ندوی کو علم و خبـــر کے حوالوں سے ایک صاحب فیض و بابرکت شخصیت سمجھتے تھے ۔ انکے خیال میں علامہ کا وجود ایک ایسے روشن چراغ کے مانند تھا ۔ جسکے نور علم سے ایک عالم منـــور ھو سکتا تھا ۔ اسی لئے اقبال چاھتے تھے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کسی طرح علم و دانش کے مرکز پنجاب (لاھور) منتقل ھو جائیں ۔ اسکیلئے اقبال کا اصرار ملاحظہ ھو کہ جب اورنٹیل کالج میں ھیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ھوئی تو اقبال نے اس خالی آسامی کو جواز بنا کر یکم نومبر ١٩١٦ کے خط میں لکھا ۔

" میں یہ دریافت کرنا چاھتا ھوں کہ کیا آپ اس جگہ
کو اپنے لئے پسند فرماتے ھیں ۔ اگر ایسا ھو تو آپ کیلئے سعی
کیجائی آپ کا لاھور میں رھنا پنجاب والوں کیلئے بیحد مفیـد
ھو گا " (٥٤)

١٢ نومبر ١٩١٦ کے خط میں اس خواھش کی یوں وضاحت کرتے ھیں :

" مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی قدر خود غرضی کا شائبہ
بھی میرے خط میں تھا اور وہ یہ کہ میں چاھتا تھا کہ جس
طرح پنجاب والوں کو صوبہ متحدہ کے علماء و فصحا سے اس سے
بیشتر فائدہ پہنچا ھے اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رھنے
سے بدستور جاری رھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اور آپکا وجود مسلمانون کیلئے مفید ثابت کرے" (٥٥)

اقبال کی مذکورہ چیدہ چیدہ تحریروں کے اندراج کا مقصد اپنےدور کی دو عظیم نامور مصلح صفت ،سراپا عشق و محبت اور حکیم و دانا شخصیات کی باھمی ذھنی و روحانی قربتون کا تعارف اس نقطہ نظر سےکرانا مقصود ھے کہ یہ دونون ھستیان مسلمانون کی نشاۃ ثانیہ کی امین تھیں ــ اور دونوں اپنےدور کے عظیم محقق و مورخ مولانا شبلی نعمانی کی استادی کا دم بھرتی تھیں دونوں ھی نے شبلی نعمانی سے کسب فیض کیا سلیمان ندوی نےبراہ راست اور اقبال نےبالواسطہ طور پر ــ اور دونوں ھی نے اس دور کے علمی ،عقلی ، فکری اور تہذیبی رجحانات کے پس منظر مین اصلاح ملت کی بھرپور کوشش کی اور مغرب کے منفی نظریات کے اثر کے بطلان کی بھی ھر ممکن سعی کی ــ دونون ایک دوسرے کی ذھنی و روحانی ضرورت بن گئے تھے یہی وجہ ھے کہ جب ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ کو اقبال نے اس دار فانی کو خیر باد کہا تو سید سلیمان ندوی کا عالم دکھ دیدنی تھا ــ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی کےنام ۲ مئی ۱۹۳۸ کے خط میں لکھتے ھیں ــ

" میری اور آپکی ملاقات مرحوم ڈاکٹر اقبال کے ذریعے
ھوئی تھی اس لئے آپکے میرے خطوں کے تبادلے میں اس
سانحہ عظیم کا ذکر ضروری ھے ــ مرحوم کی وفات پر چند
رسمی غمگین لفظون کا اظہار ناکافی ھےیہ وہ غم ھے جسکے
اظہار کیلئے الفاظ کافی نہیں " (۵۶)

معارف میں تعزیتی اداریہ یوں لکھا :

ــ ــ ــ ــ ــ وہ ھندوستان کی آبرو ،مشرق کی عزت اور
اسلام کا فخر تھا ــ آج دنیا ان ساری عزتون سے محروم
ھو گئی ھے ــ ایسا عارف فلسفی ،عاشق رسول شاعر
فلسفہ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خوان ،
صدیون کے بعد پیدا ھوا تھا ــ اور شاید صدیون کے
بعد پیدا ھو ــ اسکے ذھن کا ھر ترانہ بانگ درا ،
اسکی جان مزین کی ھر آواز زبور عجم ، اسکے دل کی
ھر فریاد پیام مشرق ،اور اسکےشعر کا ھر پر پرواز بال
جبریل تھا ــ اسکی فانی عمر گو ختم ھوگئی لیکن اسکی زندگی
کا ھر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاء اللہ قائم رھیگا "

حواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
۲۲۔	شیخ عطاء اللہ مرتب	اقبالنامہ	۱۹۶		
۲۳۔	" "	"	۱۸۹		
۲۴۔	" "	"	۱۹۱۔۱۹۴		
۲۵۔	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔	پرانے چراغ	۵۶		
۲۶۔	" "	" "	۳۷		
۲۷۔	ولی مظہر ایڈووکیٹ	عظمتوں کے چراغ جلد چہارم	۲۱	رضائے مولا پرنٹنگ پریس ملتان ۔	۱۹۹۰
۲۸۔	شیخ عطاء اللہ	اقبالنامہ حصہ اول	۱۰۹		
۲۹۔	"	"	۱۴۲۔۱۴۳		
۳۰۔	"	"	۱۶۶		
۳۱۔	"	"	۱۸۰		
۳۲۔	خلیق انجم مرتب/رفعت سروش ۔مضمون نگار	سید سلیمان ندوی	۲۲۴		
۳۳۔	" " "	" "	۲۲۵		
۳۴۔	" " "	" "	۲۲۵		
۳۵۔	اختر راھی مرتب	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر مین ۔	۲۴	بزم اقبال لاھور	۱۹۷۸
۳۶۔	" "	" "	۲۴	"	
۳۷۔	شیخ عطاء اللہ	اقبالنامہ حصہ اول	۷۶۔۷۷		
۳۸۔	ولی مظہر ایڈووکیٹ	عظمتوں کے چراغ جلد دوم	۲۱		
۳۹۔	" "	" "	۲۱		
۴۰۔	خلیق انجم مرتب/ رفعت سروش ۔ مضمون نگار ۔	سید سلیمان ندوی	۲۲۷		

حــــــواشی

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	صفحہ نمبر	ناشر	سن اشاعت
٤١ـ	ولی مظہر ایڈ ووکیٹ	عظمتوں کے چراغ جلد چہارم	٢٨		
٤٢ـ	اقبال	ارمغان حجاز	٥	شیخ غلام علی اینڈ سنز	١٩٨٦ء
٤٣ـ	شیخ عطاء اللہ	اقبالنامہ حصہ اول	٨٤-٨٦		
٤٤ـ	"	" "	٨٧		
٤٥ـ	"	" "	٨٥		
٤٦ـ	"	" "	٨٩		
٤٧ـ	سید سلیمان ندوی	شذرات معارف		اعظم گڑھ	جون ١٩٣٥ء
٤٨ـ	" "	" "		"	
٤٩ـ	" "	" "		"	اکتوبر ١٩٣٦ء
٥٠ـ	شیخ عطاء اللہ	اقبالنامہ حصہ اول	١٦٧		
٥١ـ	" "	" "	٩٨		
٥٢ـ	" "	" "	١٣٩-١٤٠		
٥٣ـ	" "	" "	١٦٦		
٥٤ـ	" "	" "	٧٥		
٥٥ـ	" "	" "	٧٦		
٥٦ـ	گوہر نوشاہی مرتب	مطالعہ اقبال	٨٣-٨٤	بزم اقبال لاہور	١٩٨٣ء
٥٧ـ	سید سلیمان ندوی	معارف ـ اعظم گڑھ			مئی ١٩٣٨ء

کتابیات

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
	(الف)		
اقبال	کلیات اقبال اردو	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	۱۹۹۰
〃	اسرار و رموز	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۷۲
〃	مثنوی پس چه باید کرد	〃 〃	۱۹۷۲
〃	زبور عجـــم	〃 〃	۱۹۷۲
〃	ضربِ کلیـــــــم	〃 〃	۱۹۷۲
〃	پیامِ مشرق	〃 〃	۱۹۸۲
ابو اللیث صدیقی ڈاکٹر	ملفوظات اقبال	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	۱۹۷۷
اقبال	کلیات اقبال فارسی	〃 〃	۱۹۹۰
امیر حسن نورانی / مرتب	کلیات فارسی (غالب)	مطبع منشی نولکشور	۱۹۶۸
آل احمد سرور	مسرتِ سے بصیرت تک	مکتبه جامع لمیٹڈ دھلی	۱۹۵۵
افتخار حسین شاه سید	اقبال اور پیروی شبلی	سنگ میل پبلیکیشنز لاھور	۱۹۸۳
آفاقی حسین آفاقی / مرتب	نادرات غالب	اداره نادرات کراچی	
امیر مینائی	محامد خاتم النبیین	لاھور	
〃	خیابانِ آفرینش	〃	
افتخار احمد صدیقی / مرتب	کلیات نظم حالی جلد دوم	مجلس ترقی ادب لاھور	
〃 〃 〃	〃 〃 〃 اول	〃 〃	
الطاف حسین حالی	دیوان حالی	عشرت پبلشنگ هاؤس	۱۹۸۷
〃 〃	مقدمه شعر و شاعری	کتب خانه علم و ادب دھلی	۱۹۶۶
آل احمد سرور	تنقید کیا ھے	مکتبه جامع لمیٹڈ کراچی	۱۹۵۵
اکبـــر اله آبادی	کلیات اکبر جلد دوم و سوئم	بزم اکبر کراچی —	
اختر وقار عظیم	شبلی بحیثیت مؤرخ	تصنیفات لاھور	۱۹۶۸
اختر راهی / مرتب	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر مین	بزم اقبال لاھور	۱۹۷۸

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
الطاف حسین حالی	یادگارِ غالب	مجلس ترقی ادب لاہور	
ابو الحسن علی ندوی سید مولانا ۔	پرانے چراغ	مجلس نشریات اسلام کراچی	۱۹۷۵
آفتاب احمد صدیقی ڈاکٹر	شبلی ایک دبستان	مکتبہ عارفین ڈھاکہ	۱۹۷۰

(ب)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
بشیر احمد ڈار	انوار اقبال	اقبال اکیڈمی کراچی	۱۹۶۷

(ت)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
تبسم نظامی مرتب	تذکرہ اکبر الہ آبادی	مکتبہ سلطانی بمبئی	۱۹۴۸

(ج)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
جاوید اقبال جسٹس	زندہ رود جلد اول	شیخ غلام علی اینڈ سنز	۱۹۸۵
" "	" " دوئم	" " "	۱۹۸۳
" "	" " سوئم	" " "	۱۹۸٤
جمیل جالبی ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو جلد (۱)	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۵
"	ارسطو سے ایلیٹ تک	نیشنل بک فاونڈیشن	۱۹۷۵
جاوید اقبال ڈاکٹر مرتب	شذراتِ اقبال	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۲

(چ)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
چراغ حسن حسرت	اقبالنامہ	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور	

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
	(خ)		
خلیق انجم مرتب و مترجم	مرزا مظہر جانجانان کے خطوط	مکتبہ برھان ارد و بازار دھلی	۱۹۶۲
خواجہ منظور حسن	اقبال اور بعض دوسرے شاعر	نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ۔	۱۹۷۷
خواجہ عبد الحمید عرفانی ڈاکٹر	اقبال ایرانیون کی نظر مین	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۵۷
خلیفہ عبد الحکیم	فکر اقبال	بزم اقبال لاہور	۱۹۶۸
خواجہ محمد زکریا ڈاکٹر	اکبر الہ آبادی	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور	۱۹۸۶
خلیق انجم مرتب	سید سلیمان ندوی	فیمس بکس لاہور	۱۹۸۹
خالد مینائی مرتب	غیرت بہارستان	لاہور	
	(د)		
داغ دھلوی مرزا	مہتاب داغ	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۲
" "	آفتاب داغ	" " "	
	(ر)		
رفیع الدین ھاشمی / مرتب	خطوط اقبال	مکتبہ خیابان ادب لاہور	۱۹۷۶
رام بابو سکسینہ / مترجم	تاریخ ادب اردو	علمی کتب خانہ لاہور	
ریاض مجید ڈاکٹر	اردو مین نعت گوئی	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۹۰
رفیع الدین ھاشمی ڈاکٹر	تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۸۲
رحیم بخش شاھین	اوراق گم گشتہ	اسلامک پبلیکیشنز لاہور	۱۹۷۵

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت

(س)

سلیم اختر ڈاکٹر	اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور	۱۹۸۷
" "	اقبال شناسی اور فنون	بزم اقبال لاہور	۱۹۸۸
سروری پروفیسر	جدید اردو شاعری		۱۹٤٦
ساحل احمد	اقبال اور غزل	سفینہ ادب لاہور	
سلیمان ندوی سید علامہ	کلیات اردو شبلی	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۸۵
" " "	مکاتیب شبلی حصہ دوم	دارالمصنفین اعظم گڑھ	۱۹۱۸

(ش)

شاہین ڈاکٹر دخت مقدم صفیاری	نگاهی به اقبال	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۸۹
شبلی نعمانی مولانا	مقالات شبلی	دارالمصنفین اعظم گڑھ	۱۹۵۵
" "	دیوان فارسی	مطبع معارف " "	۱۹۳٤
" "	خطبات شبلی	" " "	۱۹٤۱

(ص)

صدیق جاوید ڈاکٹر	بالِ جبریل کا تنقیدی مطالعہ	یونیورسل بکس لاہور	۱۹۸۷

(ظ)

ظہیر دہلوی	داستانِ غدر طبع اول	اکادمی پنجاب لاہور	۱۹۵۵

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
	(ع)		
عابد علی عابد سید	شعر اقبال	مکتبہ جامع لمیٹڈ دھلی	١٩٥٥
عبد الواحد معینی سید	باقیاتِ اقبال	آئینہ ادب لاھور	١٩٨٨
عین الحق فرید کوٹی	اردو زبان کی قدیم تاریخ	ارسلان پبلیکیشنز لاھور	١٩٧٥
عطش درانی	اردو زبان اور یورپی اھل قلم	سنگِ میل پبلیکشنز لاھور	١٩٨٧
عبد الشکور احسن	اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	١٩٧٧
عزیز احمد	اقبال نئی تشکیل	گلوب پبلشرز لاھور	١٩٦٨
عطاء اللہ شیخ	اقبالنامہ حصہ اول	شیخ محمد اشرف لاھور	١٩٤٥
علی عباس جلالپوری سید	اقبال کا علمُ الکلام	مکتبہ فنون لاھور	١٩٧٢
عبد الصمد صارم	اردو زبان کی تاریخ	ادبی دنیا	١٩٦٥
عبد اللہ سید ڈاکٹر	متعلقات خطبات اقبال	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	١٩٧٧
" " "	مباحث	مجلس ترقی ادب لاھور	١٩٦٥
" " "	مسائل اقبال	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	
عبد الحق مولوی	افکار حالی	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ـ	١٩٧٦
عبد الحق مولوی	اردو شاعری مین ابہام گوئی / مقالہ مشمولہ مجموعہ تحقیقات علمیہ جلد دوم ـ	جامعہ عثمانیہ دکن	١٩٣٤
عبد الرزاق قریشی	مرزا مظہر اور انکا اردو کلام ـ	لاھور	
" " مرتب	مکاتیب مرزا مظہر		

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت

(غ)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
غلام علی شاہ / مولف	مقالات مظہری	اردو سائنس بورڈ لاہور	
غالب	دیوان غالب	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور	

(ف)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
فرمان فتحپوری ڈاکٹر	اقبال سب کیلئے	اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور	
فقیر وحید الدین سید	روزگار فقیر جلد دوم	آتش فشان پبلیکیشنز لاہور	۱۹۸۸

(ک)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
کلیم الدین احمد	عملی تنقید	لاہور	۱۹۶۲
کریم الدین مولوی	تذکرہ شعرائے اردو		۱۹٤۸
کلب علی خان فائق / مرتب	مومن	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۱
کلیم الدین احمد	اردو شاعری پر ایک نظر (حصہ دوم)	نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد	۱۹۸۷
کلب علی خان فائق / مرتب	کلیات میر دیوان اول	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۶
"	" دیوان دوم	" " "	۵

(گ)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
گوهر نوشاهی / مرتب	مطالعۂ اقبال	بزمِ اقبال لاہور	۱۹۸۳

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
	(ل)		
لطیف احمد خان شیروانی	حرف اقبال	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد	١٩٨٤
	(م)		
محمد عبداللہ قریشی / مرتب	مکاتیب اقبال بنام گرامی	اقبال اکادمی کراچی	١٩٦٩
" " "	روح مکاتیب اقبال	" " لاھور	١٩٧٧
" " "	حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں	لاھور	
" " "	باقیات اقبال	آئینہ ادب لاھور	١٩٦٦
محی الدین قادری زور سید / مرتب	شاد اقبال	ایشم پریس حیدر آباد دکن	١٩٤٢
محمد اکرم شیخ	موجِ کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ	١٩٨٨
محمد ریاض ڈاکٹر	اقبال اور فارسی شعراء	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	١٩٧٧
محمد منور پروفیسر	میزان اقبال	" " "	١٩٧٦
محمد حسین آزاد مولانا	آبِ حیات	سنگِ میل پبلیکیشنز لاھور	١٩٨٥
میر تقی میر	نکات شعراء	نظامی پریس بدایون	
محمد رفیق افضل / مرتب	گفتار اقبال	ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاھور	١٩٦٩
مومن خان مومن	کلیاتِ مومن	مکتبہ شعر و ادب لاھور	
محمد حنیف شاھد	نذر اقبال	بزم اقبال لاھور	١٩٧٢
محمد مسلم رضوی سید / مرتب	کلیات اکبر الہ آبادی حصہ چہارم	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	١٩٨٧
محمد ریاض ڈاکٹر / مرتب	کلیات فارسی شبلی نعمانی	انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستا	[illegible]

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
ممتاز حسن / مرتب	جذباتِ نادر	اردو اکادمی سندھ کراچی	١٩٦١

(ن)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
نصیر احمد ناصر ڈاکٹر	اقبال اور جمالیات	اقبال اکادمی پاکستان لاھور	١٩٨١
نذیر نیازی	اقبال کے حضور	" " "	١٩٧٥
" مترجم	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	بزمِ اقبال لاھور	١٩٨٣
نصیر الدین ھاشمی	دکن میں اردو	کتب خانہ علم و ادب کراچی	١٩٥٢
نور الحسن ھاشمی سید	دلی کا دبستان شاعری	ادارہ فروغ اردو لکھنو	١٩٦٥
نظر حیدر آبادی /مولف	اقبال اور حیدر آباد دکن	اقبال اکادمی پاکستان	١٩٨١
نور الحسن ھاشمی سید / مرتب	کلیات ولی	انجمن ترقی اردو کراچی	١٩٥٤

(و)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
وقار عظیم سید	اقبال شاعر اور فلسفی	علیگڑھ بک ڈپو علیگڑھ	١٩٧٥
" /مدیرخصوصی	تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ھند (ساتوین جلد)	پنجاب یونیورسٹی	١٩٧١
وقار احمد رضوی ڈاکٹر	تاریخ جدید اردو غزل	نیشنل بک فاونڈیشن	١٩٨٨
ولی مظھر ایڈووکیٹ	عظمتوں کے چراغ جلد چھارم	رضائے مولا برنٹنگ پریس ملتان	١٩٩٠

(ھ)

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت
ھادی عزیز لکھنوی	گلکدہ	نولکشور پریس لکھنئو	١٩٣١

مصنف	کتاب	پبلشر	سن اشاعت

(ی)

یوسف حسین خان	روح اقبال	آئینہ ادب لاہور	١٩٨٤

انگریزی کتب

The secrets of the self (Asrar-i-Khudi) by E.M. Forster -----

" The Sword and the Sceptre " collected and Edited by Dr.

Riffat Hassan ----- Iqbal Academy Pakistan Lahore- 1977 .
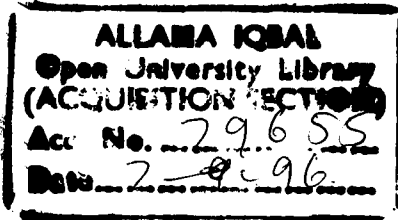
اخبار و رسائل

نگار	جدید شاعری نمبر		١٩٦٥
روزنامہ انقلاب	جلد ٥ نمبر ١٤٣	٥	٢٨ نومبر ١٩٣٠
سطونں	ادبی معرکے نمبر		ستمبر ١٩٨١
صحیفہ	اقبال نمبر جلد اول مجلس ترقی ادب لاہور		جولائی اگست ١٩٧٢
ماہ نو	کراچی		نومبر ١٩٥٣
ماہ نور	اقبال نمبر لاہور		ستمبر ١٩٧٧
مخزن			اکتوبر نومبر ١٩١٤
نقوش	شخصیات نمبر ٢ لاہور		اکتوبر ١٩٥٦
نیرنگ خیال	لاہور		ستمبر ـ اکتوبر ١٩٣٢
ضیاء بار	اقبال نمبر گورنمنٹ کالج سرگودھا		١٩٨٣
معارف	اعظم گڑھ ـ جون ١٩٣٥		اکتوبر ١٩٣٦ ـ مئی ١٩٣٨

****